عظیم المیہ در المیہ

مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش

شیخ المشائخ حضرت علامہ
جیلانی چاندپوری مدظلہ
کا
تجزیہ وتبصرہ

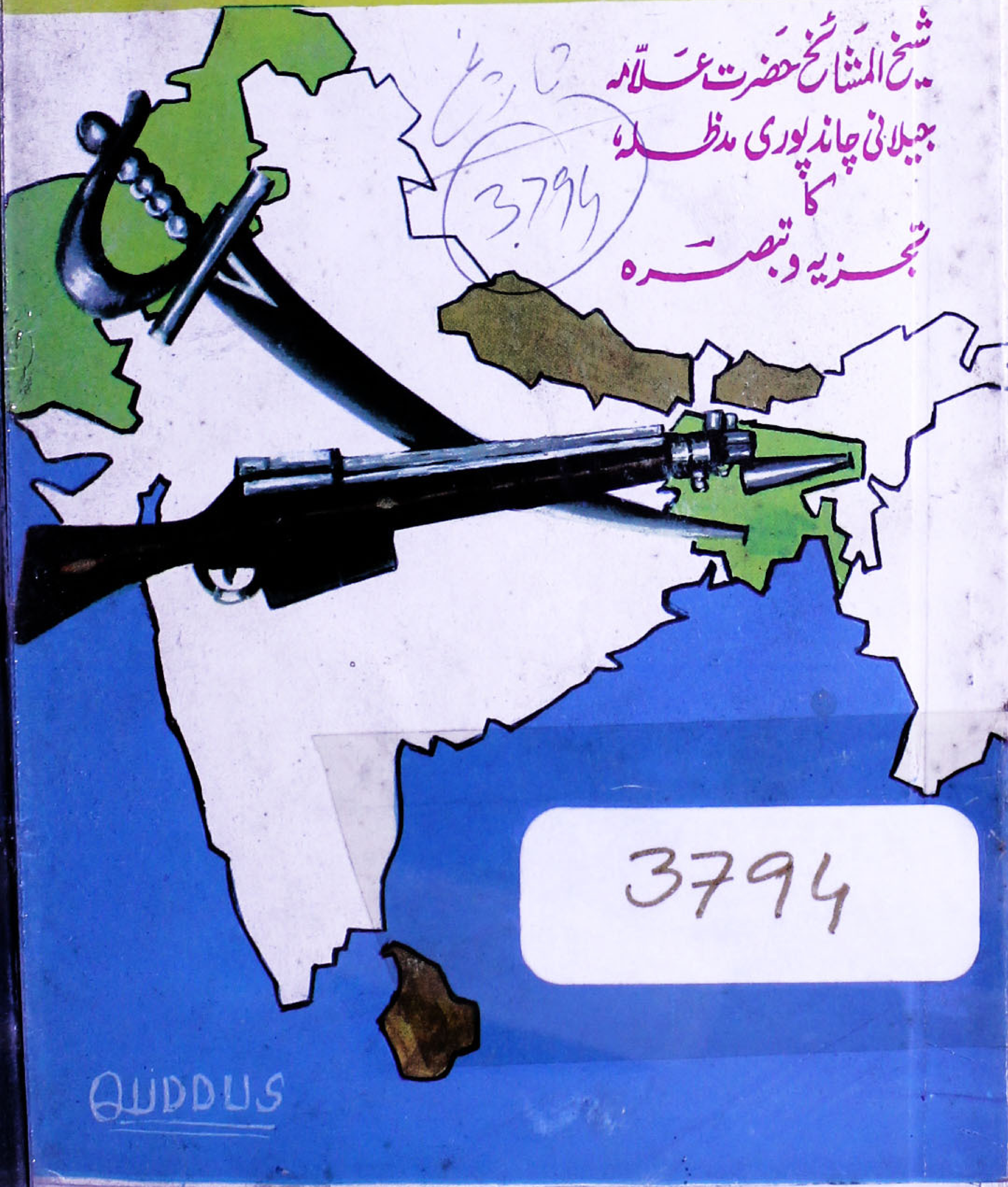

3794
3794

3796

PUNJAB
UNIVERSITY
LIBRARY
LAHORE

CLASS NO ....

BOOK NO ....

S-369—Punjab University Press 10.000—29-1-2003

نقشبندی مجددی

نے

فرمایا

Marfat.com

3796

۳

عظیم المیہ در المیہ

بعنوان

مشرقی پاکستان ـــــ سے ـــــ بنگلہ دیش

سیدی و مرشدی شیخ المشائخ حضرت علامہ

جیلانی چاندپوری صاحب مدظلہ العالی

کا

تجزیہ و تبصرہ

مرتبہ

وجاہت حسین صدیقی علوی القادری

بی۔ای (الیکٹریکل)

Marfat.com

3796

ناشر

حلقہ علویہ، سلسلۂ عالیہ قادریہ رزاقیہ علویہ

زیرِ تعمیر محفل خانہ

87061

سایۂ غوث الاعظمؒ

بنگلہ ۶۱-B بلاک ۱۰-اے گلشن اقبال، راشد منہاس شہید روڈ کراچی

موجودہ پتہ:- ۲۸۰/۸ عزیز آباد فیڈرل بی ایریا کراچی

فون نمبر ۶۸۱۵۵۱

قیمت

اردو ایڈیشن ------ ۲۰ روپے

مطبوعہ ------ سہیل پریس

کتابت ------ خوشنویس ظہور احمد عثمانی

ملنے کا پتہ

وجاہت حسین صدیقی علوی القادری

۴/۳۴ - کلیٹن کوارٹرز - جہانگیر روڈ ۲ کراچی نمبر ۵

منصور عالم علوی القادری

آفس سیکریٹری المرکز المشائخ اسلام

۴/۲۸ عامل کالونی ۲، جمشید روڈ (J & B روڈ) کراچی نمبر ۵

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	انتساب	۷
۲	ہدیۂ آفرین	۹
۳	ایں سعادت بزورِ بازو نیست	۱۱
۴	ان سا ہو تو سامنے آئے	۱۵
۵	قلم ۔ اور ۔ اہل رقم	۳۶
۶	المیہ مشرقی پاکستان	۴۸
۷	نابالغ سیاستکاروں کی اپنی نادانی پر شرم ساری ۔	۵۵
۸	مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش	۷۶
۹	مشرقی بنگال ؛ مغربی پاکستان ؛ بنگلہ دیش ؛ مسلم بنگال	۷۷
۱۰	ذہنی طور پر بنگلہ دیش کا قیام	۸۱
۱۱	بنگلہ دیش کے پودے کی آبیاری	۸۴
۱۲	پاکستان میں سازش کا ابتدائی دور	۸۷
۱۳	سازشوں کا پہلا بھیانک نتیجہ	۱۰۰
۱۴	سب سے پہلے غلام محمد نے بنگالیوں کو بنگالی ہونے کا احساس دلایا	۱۰۹
۱۵	چوہدری محمد علی نے سہروردی صاحب سے کیا سلوک کیا	۱۱۳

Marfat.com

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۶	عوامی مسلم لیگ کو عوامی لیگ کیوں بنایا گیا	۱۱۷
۱۷	مجیب الرحمٰن نے ۱۹۶۰ء میں کہا تھا کہ ایوب خاں کی سیاسی زندگی دس سال سے زیادہ نہیں اور ابھی میں صرف ۴۱ برس کا ہوں۔	۱۲۴
۱۸	سہروردی صاحب نے ۶۲ء میں تمام سیاسی عناصر کے ادغام کی کوشش کی تھی	۱۳۲
۱۹	حسین شہید سہروردی کی موت (چند واقعات کی تصدیق)	۱۳۳
۲۰	حسین شہید سہروردی کی موت (ایک اور شہادت)	۱۴۴
۲۱	مجیب نے نوابزادہ نصراللہ کو عوامی لیگ کا صدر کیوں بنایا؟	۱۵۰
۲۲	مجیب الرحمٰن کے چھ نکات۔ مجبوریوں کا سہارا اور ظلم سے نجات کا ذریعہ	۱۵۲
۲۳	کیا چھ نکات واقعی مغربی پاکستان میں ایجاد ہوئے تھے	۱۵۶
۲۴	بنگلہ دیش کے قیام کی سازش	۱۵۹
۲۵	ایوب خان کے مخالف بھی مشرقی پاکستان والوں کی نظر میں مشکوک تھے	۱۶۳
۲۶	اسلام پسند حضرات نے قانونی ڈھانچہ کے تضاد پر غور نہیں کیا۔	۱۷۰
۲۷	پاکستان میں عظیم المیہ کا ظہور	۱۹۲
۲۸	مغربی پاکستان کے سیاستدانوں اور علماء کی نااہلی	۱۹۹
۲۹	مشرقی پاکستان سے تعصب میں ایوب خاں اکیلے نہیں تھے	۲۰۹
۳۰	تضاد خیالی اور تضاد بیانی	۲۱۶
۳۱	شیخ مجیب الرحمٰن کا کردار	۲۲۷
۳۲	پاکستان اور بنگلہ دیش کے آئندہ تعلقات کا کئی دوسرے مسائل کے حل پر منحصر ہے	۲۵۳

Marfat.com

انتساب

"عظیم المیہ در المیہ" کا **انتساب** بطور ہدیۂ عقیدت

اس عظیم المرتبت عزت مآب واجب التعظیم و الآدب فرزندِ پاکستان

سید حسین شہید سہروردی رح

کے نام

جس کی ذات مشرقی و مغربی پاکستان کے اتحاد کی علامت

اور

استحکام پاکستان کی شہادت تھی

جیلانی چاندپوری

Marfat.com

سابق وزیر اعظم پاکستان سیّد حسین شہید سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

ہدیۂ آفرین

میرا خراجِ تحسین و ہدیۂ آفریں اس **ذوالفقار علی بھٹو** کے لیے
جس نے ایک ڈکٹیٹر یعنی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور با اختیار صدرِ مملکت
ہوتے ہوئے اس کتاب کے بعض "کڑوے کسیلے" اندراجات کو نہ
صرف برداشت کیا بلکہ اس کے تلخ گھونٹ بغیر منہ بنائے ہوئے
پی گیا اور نہ یہ تحریریں ضبط کیں ، نہ مجھے جیل میں ڈالا

جبکہ ——

بعض بے اختیار اور "آرزومند اقتدار" نام نہاد جمہوریت کے پرستار
اسلام پسند سیاسی لیڈروں اور اخلاق حمیدہ کے جھوٹے مبلغ
"علمائے دین" کہلانے والوں نے "حق کی کڑواہٹ" سے
چراغ پا ہو کر مجھے غم و غصہ کا نشانہ بنایا۔

جمیلا لی چاندپوری

Marfat.com

I·

(NY25)UNITED NATIONS,N.Y.,Sept.29-(AP)-Pakistani Foreign Minister Zulfikar Ali Bhutto talks to newsmen at the United Nations headquarters in New York Wednesday.(AP

Marfat.com

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

یہ غالباً اکتوبر ۱۹۷۲ء کے آخری ہفتہ کے ایام کی بات ہے کہ یہ بندہ عاجز و ناتواں حسبِ معمول حضرت مرشدی و مولائی شیخ المشائخ علامہ جیلانی چاند پوری مدظلہ العالی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضور مرشد برحق نے ایک مضمون کا مسودہ میرے سپرد فرماتے ہوئے اسے صاف صاف تحریر کر کے روزنامہ "حریت" کے ایڈیٹر محترم فرہاد زیدی صاحب کی خدمت میں پہنچانے کا حکم صادر فرمایا میں نے حکم کی تعمیل میں قسط وار مضامین صاف صاف تحریر کر کے ایڈیٹر صاحب کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا شروع کر دی۔ یہ میری انتہائی خوش نصیبی تھی کہ مجھ جیسے حقیر انسان کو اس سعادت کے لائق سمجھا گیا۔ اس خدمت نے میری معلومات میں، ملکی معاملات اور سیاسی حالات کے سلسلہ میں گراں قدر اضافہ ہی نہیں فرمایا بلکہ اپنے شیخ طریقت کی ان سیاسی خدمات کو جسے بجا طور پر عبادت کا درجہ حاصل ہے مصدقہ طور پر جان کر روحانی طور پر فیوض و برکات کے علاوہ ایسی نصیحت و سبق حاصل ہوا کہ جس سے وطن عزیز کی بے لوث خدمت اور سیاست کی عظمت کا ادراک پیدا ہو گیا۔ یہ سعادت مجھے بزور بازو حاصل نہیں ہو سکتی تھی جو بخشندہ کی عطا و بخشش سے حاصل ہوئی۔

ساتھ ہی ساتھ میں اس مضمون کی اخبار "حریت" میں شائع ہونے والی اقساط کو جب پڑھتا تھا تو بہت افسوس و حیرت کے ساتھ ایسا محسوس کرتا تھا کہ گویا اس مضمون پر

Marfat.com

ظلم روا رکھا جا رہا ہے کیونکہ اس مضمون کا بیشتر مفید و ضروری حصہ قطع و برید کی نذر ہو جایا کرتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت قبلہ عالم مرشد برحق شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاند پوری مدظلہ العالی کو اللہ رب العزت نے ”حق گوئی کی جو ہمت“ عطا فرمائی ہے وہ ہر ایک کے حصہ میں نہیں آتی ہے۔ یہ مضمون ایک جہاد تھا کیونکہ حضور اکرم نور مجسم فخر بنی آدم حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک ہے ”ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق ادا کرنا بہت بڑا جہاد ہے“ اور حضرت شیخ المشائخ اس جہاد میں مصروف تھے۔ اپنی ہمت کے مطابق اخبار حریت کے ایڈیٹر صاحب نے اس میں حصہ ضرور لیا لیکن بات پوری نہ ہونے کی وجہ سے موضوع میں تشنگی کے اثرات قارئین اخبار محسوس کرتے تھے۔

بنا بریں مجھے محسوس ہوا کہ اس مضمون کو من وعن محفوظ کر لیا جائے کیونکہ اس وقت کے مارشل لا ایڈمنسٹریٹر اور صدر مملکت جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی تصنیف ”عظیم المیہ“ کے بعض غیر حقیقی حصوں پر حضرت قبلہ عالم شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاند پوری مدظلہ العالی نے جو تبصرہ فرمایا تھا اور وضاحتی نوٹ درج مضمون فرمائے تھے وہ تو تقریباً پورے کے پورے ہی ایڈیٹر صاحب نے حذف فرما دیئے تھے چنانچہ میں نے ”عظیم المیہ“ نامی اس کتاب کو جس پر حضرت مرشد برحق کے قلم فیض رقم سے وضاحتی نوٹ اور تبصرہ تحریر تھا اور بنگلہ دیش و پاکستان سے متعلق حضور کے رشحات قلم کو ایک کتاب کی شکل دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اس طرح مجھ عاجز کو اپنے مرشد برحق کے اس جہاد میں کسی نہ کسی حد تک آپ کی رفاقت کی خوش نصیبی کا حصہ بھی میسر آگیا۔

الحمد للہ آج وہ مسودہ مضمون مع ”عظیم المیہ“ (مصنفہ ذوالفقار علی بھٹو صاحب)

Marfat.com

پر تحریر کردہ تبصرہ اور نوٹ میرے برادر محترم جناب وجاہت حسین صاحب صدیقی علوی القادری نے ترتیب دے کر "عظیم المیہ در المیہ" کے نام سے آراستہ فرما دیا ہے جیساکہ وہ پہلے بھی حضور پرنور کے خطبات نوری "صور اسرافیل" کے نام سے مرتب کرنے کی سعادت حاصل کرتے رہے ہیں لیکن سیاسی مضامین کا یہ پہلا مجموعہ ہے جو بنگلہ دیش اور پاکستان کی سیاست سے متعلق ہے۔ الحمد للہ رب العالمین کہ یہ سعادت بھی ہم دونوں بھائیوں ہی کے لیے مقرر فرمادی گئی تھی کیونکہ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

عاجز۔ خادم و غلام حلقہ علوی القادری
محمد خلیق علوی القادری (بی۔ اے۔ بی۔ ایڈ)
مدرس۔ گورنمنٹ بوائز سیکنڈری اسکول نئی کراچی

جنرل امیر عبداللہ خان نیازی جنہوں نے ہندو فوج کے سامنے ہتھیار ڈال کر مسلمان قوم کی ۱۴۰۰ سالہ شاندار تاریخ کی پیشانی پر رسوائی کا داغ لگا دیا۔

Marfat.com

مسٹر جیلانی چاند پوری

Marfat.com

اِن سا ہو تو سامنے آئے

الحمدللہ رب العالمین علیٰ ھٰذا احسانہِ المبین

کہ اس عاجز کو اپنے فضل وکرم سے **شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاند پوری** صاحب مدظلہ العالی کے خطباتِ نوری کے اقتباسات پر مشتمل "صورِ اسرافیل" کے مسلسل تین سلسلوں ۱؎ بعنوان: "علم" من الکتاب، ۲؎ بعنوان: انقلاب مصطفیٰ و نظام مرتضیٰ اور ۳؎ بعنوان: اسلام کا نظام اطاعت و سیاست" کی ترتیب و تزیین کی توفیق بخشی اور اب مزید حضور پُر نور کے سیاسی تفکرات وارشادات سے متعلق خامہ سفیض نگار کے رشحات مرتب کرنے کے افتخار وانعام سے نوازا۔

"غیلم المید درالمید" جیسی نادر کتاب اور صاحب کتاب حضرت مرشدی شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاند پوری صاحب کے تعارف کے لیے کچھ عرض کرنا ایسا ہی ہے جیساکہ آفتابِ نصف النہار کے وجود کو "شمعِ شب دار" کی دلیل سے روشناس کرانے کی سعی کی جائے، میرا نہ تو "مروجہ سیاست" کے شعبہ سے کبھی کوئی تعلق رہا ہے اور نہ میں اس کی اونچ نیچ، داؤ پیچ اور اتار چڑھاؤ سے واقف ہوں اور نہ ہی "سیاست کی سائنس" کو سمجھنے کا دعویدار ہوں البتہ "اہل عبادت" کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا شرف مجھے حاصل رہا ہے، اس لیے "عبادت" کے مفہوم کو معبود کے فضل وکرم سے سمجھنے کی کوشش

Marfat.com

ضرور کرتا ہوں اور اس تحریر میں بھی یہ کوشش جاری رہے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ بکرمہٖ وفضلہٖ۔

جہاں تک مروجہ ملکی سیاست کا تعلق ہے بالخصوص پاکستان میں یہ ایک ایسا یتیم شعبہ حیات ہے کہ جس کی جانگساری ہر ایک کی اجارہ داری کی رہین منت ہے۔ جس کا دل چاہے اور جس طرح چاہے اس شعبۂ حیات کو "شعبۂ ممات" بنا ڈالتا ہے اور اب تو "دین دار" کہلانے اور علمائے دین کا لقب پانے والے سب ہی حضرات نے سیاسیات پر عنایات فرما رکھی ہیں۔ سیاست اور دین کی یکجائی کی دعویداری نے یہ عجیب گل کاری فرمائی ہے کہ "دین نری سیاست اور سیاست نری خباثت" بن گئے ہیں۔

ان حالات میں اگر اللہ تبارک وتعالےٰ کے کسی ایک نیک بندے کا ایسا سیاسی رول (Political Role) کہ جسے "عبادت خداوندی" کا درجہ (جو محض "خدمتِ خلق" ہی ہو سکتا ہے وہ بھی "خدمتِ خلق" کے بغیر) حاصل ہو تو یقیناً دل چاہتا ہے کہ ایسے اور بھی اللہ کے نیک بندوں کو سامنے لایا جائے اور بلاجھجک صدا دی جائے۔

رِان سا ہو ــــ تو ــــ سامنے آئے

اللہ رب العزت کے ایک ایسے ہی نیک وصالح بندے کی مثال پیش کرنے کے لیئے کہ جس نے ہمیشہ سیاست کو نہ صرف عبادت جان کر اختیار کیا بلکہ اسے "مزدِ خدمت خلق" کا ذریعہ بنا کر عبادت خداوندی کا درجہ دیا، میں اپنے مرشد برحق شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری صاحب مدظلہ العالی کی سیاسی زندگی کے چند واقعات پیش کرنا باعث سعادت سمجھتا ہوں۔ اگر میں اس مناسب موقع پر مرشد برحق حضرت شیخ المشائخ مدظلہ العالی کی پوری سیاسی زندگی کے شروع سے آخر تک کے حالات قلمبند کروں تو ایک علیحدہ "سیاسی تذکرہ" پر مشتمل کتاب مرتب

Marfat.com

ہو جائے گی ۔ بنا بریں فی الحال صرف قبلۂ عالم کی پاکستان آمد کے بعد کی سیاسی زندگی کے مخصوص حالات سے متعلق چند واقعات پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں ۔

غالباً جولائی ۱۹۴۸ء میں جب شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاند پوری صاحب بمبئی سے (اپنی گرفتاری اور اپنے اخبار "سلطان" کی تباہی کے بعد) کراچی پہنچے تو ہندوستان سے مہاجرین کی آمد کا تانتا بندھا ہوا تھا اور مملکت خداداد پاکستان اپنے وجود کے پہلے ہی سال سے ان کی آبادکاری کی جانگسل کشمکش میں مبتلا تھی ۔ وطن عزیز کو ان پریشان کن حالات میں اور لٹے پٹے مہاجرین کے حال زار اور ان کی بے سروسامانی کی فلاکت دیکھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس بندے کا دل کیوں نہ تڑپ اٹھتا چنانچہ دل کی اس بے تابی نے شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاند پوری مدظلہ العالی کو جو اس وقت صرف "مسٹر جیلانی چاند پوری" کہلاتے تھے ، مہاجرین کی آبادکاری اور وطن عزیز کے ننھے منے پودے کی آبیاری کے لیے کچھ تجاویز مرتب کرنے پر مجبور کر دیا ۔ ابھی آپ اپنی ان تجاویز پر عمل کرنے کے لیے اپنے ہم خیال حضرات کی رضاکارانہ خدمات حاصل کرنے کی ابتدائی جدوجہد میں مصروف تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قائداعظم کا سہارا اس قوم سے چھین لیا اور شاید اس میں اس قوم کی بہتری کا یہ پہلو ہو کہ قائداعظم کو "گاڈ ولنا" بنا کر ان کے سہارے چلنے والی قوم و وطن اپنے بچپن ہی سے اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہونے اور اقوام عالم کے ساتھ ترقی کی دوڑ میں بغیر کسی سہارے کے دوڑنے کے لائق ہو جائیں ۔ بہر حال قائداعظم کے بعد جناب لیاقت علی خاں صاحب پاکستان کے پہلے وزیراعظم کی حیثیت سے مکمل طور پر ملک کے کرتا دھرتا بن چکے تھے ۔ حضرت مرشدی و مولائی نے اپنی جو تجاویز پیش کیں ان کا ماحصل یہ تھا کہ :-

مہاجر جو لٹ پٹ کر اور محض اس لئے اپنے گھروں اور املاک سے محروم ہو کر

Marfat.com

کہ وہ مسلمان ہیں پاکستان آرہے ہیں ۔ قبل اس کے کہ وہ پاکستان کی معیشت پر بوجھ بنیں مناسب طور پر آباد کر دیئے جائیں اور اس کے لیے تجویز یہ تھی کہ۔

ہندو جو پنجاب، سندھ، بلوچستان یا سرحد میں جو املاک چھوڑ گئے ہیں وہ ان مہاجرین کی آبادکاری کا اس طرح ذریعہ بنائی جائیں کہ انصاف و عدل اور احسان و بدل کے ساتھ خوفِ خداوندی کے تمام تقاضے پورے ہو جائیں اور یہ اس طرح ممکن تھا کہ۔

ہندو وکیل کی لائبریری اور دفتر مہاجر وکیل کو اور ہندو کاشتکار کے ہل بیل اور زیر کاشت اراضی مہاجر کاشتکار کو، ہندو تاجر کے ذرائع تجارت مہاجر تاجر کو اور ہندو دوکاندار کی دوکانیں مہاجر مسلمان دوکاندار کو، غرض پیشہ کے مطابق املاک کی تقسیم منصفانہ طور پر کی جائے۔

اس کام کے لیے باڈر پر قائم شدہ کیمپوں ہی میں مہاجرین سے ان کی چھوڑی ہوئی املاک اور ان کے پیشوں سے متعلق حلف نامے حاصل کیے جائیں۔ چونکہ اس وقت مہاجرین کے دکھے اور ٹوٹے ہوئے قلوب میں خوف خدا موجود ہے اس لیے وہ کوئی جھوٹا حلف نامہ نہیں دے سکتے اور اس کام میں حکومت کو ہر قسم کے بار اور تکلیف سے بچانے کے لیے خدمت خلق کا جذبہ رکھنے والے رضا کار اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے خدمات انجام دیں گے۔

لیکن افسوس کہ حکومت نے اس قسم کی مفید تجاویز پر کان نہیں دھرا۔ اس کے برعکس ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی املاک کو "لوٹ کے مال" کی طرح بااثر مہاجرین اور مقامی گروہ بند حضرات میں بے دریغ تقسیم کر کے آبادکاری کے مسئلہ کو پاکستان میں دوام بخش دیا گیا جو آج بھی موجود ہے اور شاید آئندہ بھی موجود رہے گا۔

Marfat.com

مملکت خداداد پاکستان کے عالم وجود میں آتے ہی سب سے زیادہ اہم مسئلہ اس ملک کی بقا اور استحکام کے لیے "نظام حکومت" کے تجویز کرنے کا مسئلہ تھا جسے ہمارے ساتھ آزاد ہونے والے پڑوسی ملک ہندوستان میں ایک سال ہی میں اپنا آئین بنا کر حل کر لیا گیا لیکن ہمارے اس وقت کے قائدین اس فکر سے بے نیاز اور اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کی چالوں میں منہمک ہو گئے تھے۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کے ہر نیک بندے کا فرض تھا کہ وطن عزیز کے استحکام کی خاطر اس کے نظام حکومت کے مسئلہ کو طے کرانے کی جدوجہد صرف اور صرف اس لیے کرے کہ اللہ رب العزت کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمان کہلانے والی امت کا وہ حصہ جس نے اللہ رب العزت سے پاکستان اس لیے مانگا تھا کہ اس کا مطلب "لا الٰہ الا اللہ" ہوگا، اپنے اس عہد کو پورا کر کے آزادی کی نعمت کی صحیح معنوں میں مستحق ہو جائے۔ شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری مدظلہ العالی کے پیش نظر امت کی بھلائی کے لیے یہی خدمت سب سے پہلی خدمت تھی۔ چنانچہ دنیا میں اس وقت رائج نظام سیاست و حکومت تین تھے یعنی ۱۔ مغربی طرز جمہوریت، ۲۔ ڈکٹیٹر شپ اور ۳۔ بادشاہت اور یہ تینوں سیاسی نظام خداوند عزوجل سے کئے ہوئے "پاکستان کے مطلب (لا الٰہ الا اللہ) کے عہد کو پورا کرنے سے قاصر تھے۔ اس کے لیے خالص "نظام اسلام" کی ضرورت تھی جو اللہ رب العزت کی اطاعت و عبادت کا نظام ہے لیکن اس نظام سیاست اسلام کو چھوڑ کر پاکستان میں "قرارداد مقاصد" کے زیر سایہ کوششیں تھیں کہ مغربی طرز کی جمہوریت کا لبادہ "آمریت" کے چہرہ پر ڈال دیا جائے۔ ان سیاسی حالات کی اصلاح اور وطن عزیز کی خدمت کے سلسلہ میں (جو بے مزد خدمت خلق تھی) شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری صاحب مدظلہ العالی کو اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے لیے میدان سیاست میں مجاہدانہ جذبہ کے ساتھ اتر جانا پڑا اور آپ نے "وقت کے

Marfat.com

ظالم حاکموں" کے منہ پر کلمۃ الحق کہنے کا جہاد شروع فرمادیا۔

شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری مدظلہ العالی کا موقف یہ تھا کہ اگر آپ حضرات قرارداد مقاصد کے زیر سایہ مغربی طرز جمہوریت ہی کو ملک کا نظام حکومت و سیاست بنانے کے درپے ہیں تو کم از کم اسے مغربی طرز جمہوریت کی اصل شکل ہی دیدی جائے ، حزب اختلاف جس کا جزو لاینفک ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ملک میں صحیح ، حقیقی اور سچی جمہوریت کا جدوجہد کا آغاز کردیا اور اس وقت کے سب سے زیادہ ممتاز اور عظیم رہنما جو درحقیقت سچی جمہوریت کا چلتا پھرتا پتلا ، فضاؤں میں گونجتا ہوا نعرہ اور ہواؤں میں لہراتا ہوا پھریرا تھے یعنی سید حسین شہید سہروردی صاحب مرحوم کو کراچی آنے کی دعوت دے کر "عوامی مسلم لیگ" کی تشکیل کے لیے اگست ۱۹۵۰ء میں پہلا کنونشن منعقد کیا اور ملک میں پہلی حزب اختلاف کی بنیاد ڈالدی ۔ سرکاری مسلم لیگ کے تمام کرتا دھرتا اس جمہوری سعی مسعود پر بہت غضبناک اور برہم ہوگئے اور پہلے وزیراعظم جناب لیاقت علی خاں مرحوم سے لے کر آج کے بڑے جمہوریت نواز نام نہاد مسلم لیگی لیڈر جناب ممتاز محمد خان دولتانہ (جو اس وقت پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے) شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری مدظلہ العالی کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے ان کے درپے آزار ہوگئے۔ بالآخر انہیں جمہوریت کا علم بردار ہونے کی وجہ سے لاہور کے شاہی قلعہ میں تشدد کا پہلا شکار ہونے کی سعادت حاصل ہوگئی اور اس طرح میرے مرشد برحق نے اہل وطن کے سامنے سب سے پہلے "ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کے جہاد" کے ذریعہ سیاست کو حقیقی عبادت بناکر پیش کرنے کی سعادت حاصل فرمائی۔

آپ کو اس سلسلہ میں کس قدر مصائب و مظالم اور ابتلاء و آلام کی

Marfat.com

آزمائش سے گزرنا پڑا اس کا تذکرہ بہت طویل ہے۔ نمونہ کے طور پر اس وقت کے اخبارات سے خبروں کے چند عکس اس کتاب کے صفحہ نمبر پر ملاحظہ فرمائیں اور تفصیلات ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۳ء تک کے عرصہ کے دوران لاہور ہائی کورٹ کی پروسیڈنگز کی کتابوں ہر ایک وکیل کی لائبریری اور تمام قومی اخبارات بالخصوص لاہور سے شائع ہونے والے ہر زبان کے روزناموں کی فائلوں میں مطالعہ کی جا سکتی ہیں۔ اب اس سیاست کو عبادت بنانے کے چند واقعات جن میں نہ صرف ایثار قربانی کا پتہ ملتا ہے بلکہ ہر قسم کے مفاد، اجر، بدلے بلکہ حق کے حصول اور مناسب و جائز مفاد کو قربان کرنے کی مثالیں دستاویزی ثبوت کے ساتھ موجود ہیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ ان دستاویزات کے عکس بھی پیش خدمت ہیں۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے "رزق حلال کی عبادت" کا ذکر کروں۔ اگرچہ کر چھتی ہوئی نگاہ، اور سرسری نظر سے "رزق حلال کی عبادت اور سیاست کی عبادت" کے تعلق کو دیکھنے والوں کو اس کا گہرا ربط و تعلق شاید دکھائی نہ دے لیکن حقیقت میں ان دونوں عبادتوں کا ارتباط لازم و ملزوم ہونے کی بنا پر ایک دوسرے سے گہرا اثر قبول کرتا ہے اسلئے سیاست کو ذریعہ رزق بنانا گوارہ نہ ہوا تو آپ نے مجبوراً تجارتی کاروبار کی طرف توجہ فرمائی۔ خاندانی اور ذاتی ہر اعتبار سے شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری مدظلہ العالی کو تجارت کے کاروبار سے کوئی تعلق اور خاص تجربہ حاصل نہ تھا اس لیے کاروبار کی نوعیت کے انتخاب میں آپ کو خاصی دشواریاں پیش آئیں کیونکہ آپ کے ضمیر اور مزاج کے خمیر میں "خدمتِ خلق" کی عبادت کا جوہر موجود تھا اس لیے آپ ایسا کاروبار چاہتے تھے کہ جس میں خدمتِ ملک و قوم کے جذبہ کی تسکین کا ذریعہ اور سامان موجود ہو۔

بمبئی میں خاکسار تحریک کے ناظم اعلیٰ محمد مسکین صاحب جو آپ کے ساتھی ہونے کے

Marfat.com

علاوہ ذاتی دوست بھی تھے "صوبہ سرحد کے ضلع ہزارہ کے قصبہ" بفہ" کے رہنے والے تھے اور چمڑے کی مصنوعات کا بہت اچھا کاروبار کرتے تھے۔ حضرت قبلۂ عالم کو ان کی رفاقت کی وجہ سے اس کاروبار کی تھوڑی بہت شُد بُد ہوگئی تھی لہٰذا آپ نے اس کاروبار کو خدمت قوم و وطن کے جذبہ کی تسکین کا ذریعہ جان کر اختیار فرمایا کیونکہ حکومت پاکستان جو اس ابتدائی دور میں بہت زیادہ مالی پریشانیوں کا شکار تھی اپنی فوجی اور پولس کی ضروریات کے لیے سپاہیوں کے جوتوں اور چپلوں کی خریداری کے لیے اشتہار دے رہی تھی۔ منافع خور تاجر کنٹریکٹ بزنس سے خوب فائدہ اٹھا رہے تھے۔ رشوت کی لعنت جڑ پکڑتی جا رہی تھی۔ شروع ہی میں اس کمزور پودے کو تناور درخت بننے سے روکنے کی ضرورت تھی اور اس کا ایک ہی حل تھا کہ دیانتدار اور مخلص خدمت گزار میدان میں آئیں اور ٹھیکداری کے محاذ پر منافع خور تاجروں اور رشوت خور اہلکاران حکومت کو جنہیں اب " نوکر شاہی " کی اصطلاح دی گئی ہے مجبور کر کے سیدھے راستہ پر ڈالنے کا کردار ادا کریں۔ چنانچہ اس نیکی کے جذبہ کے ساتھ حضرت شیخ المشائخ حکومت پاکستان کے " سپلائی اینڈ ڈولپمنٹ " کے محکمہ میں کنٹریکٹر رجسٹرڈ ہوگئے۔ سب سے پہلے محکمہ سپلائیز کی رشوت خور انتظامیہ کے دانت کھٹے کرنے کی جدوجہد اس طرح شروع ہوئی کہ آپ نے صرف بارہ آنے فی جوڑے کے منافع پر پولس کے سپاہیوں کی سترہ ہزار جوڑی چپلوں اور صرف ایک روپیہ فی جوڑی منافع پر فوجی سپاہیوں کی چپلوں کے نرخ حکومت کو دیئے۔ ظاہر ہے کہ اس قلیل منافع کے ٹینڈر میں رشوت خور نوکر شاہی کا کوئی حصہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ لاکھوں روپے کی لاگت سے کاروبار کرنے والے ادارہ کے اپنے اخراجات کا پورا ہونا ہی اس قلیل منافع میں مشکل تھا تو پھر رشوت خوروں کو کہاں سے اور کس طرح نوش کیا جا سکتا تھا۔ تاہم حضرت شیخ المشائخ کا موقف نفع و نقصان

87041

کے مادی نظریہ پر نہیں بلکہ "عبادت کے روحانی یا اعتقاد سے متعلق تھا۔ بہرحال یہ لاکھوں روپیہ کا ٹھیکہ آپ کو A/T No. PAK/MISC/1376/95 کے ذریعہ مل گیا لیکن سپلائی میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آنی شروع ہو گئیں۔ ان سب کی وجہ "رزق حلال کی عبادت" ہی تھی جبکہ ان دشواریوں کا واحد حل رشوت کی لعنت ہی سے ہو سکتا تھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ رشوت خوروں نے آپ کی خدمت میں ان دشواریوں کا حل خود پیش کرنا شروع کر دیا اور سب سے زیادہ دلچسپ (ان کے لیے اور قابل نفرت حضرت مرشدی کے لئے) حل جو انہوں نے پیش کیا یہ تھا کہ قلیل منافع میں رشوت کے حصہ کا اضافہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ (یعنی شیخ المشائخ) چپلوں میں بکلز والی بیلٹ (چمڑے کی پٹی) اور اس سے جڑے ہوئے کان (جنہیں چپل ساز گوشک کہتے ہیں) بجائے گائے کے چمڑے کے بکری کے چمڑے سے بنا دیں، اس طرح لاگت میں کافی فرق آ جائے گا۔ ایسے لوگوں کو حضرت کا ایک ہی جواب تھا کہ "عقل کے اندھو خدا تمہیں سمجھ دے۔ مجھے میرے رب سے غداری کے ساتھ ساتھ وطن دشمنی کا بھی سبق دے رہے ہو یعنی میں رشوت کی شراب سے وضو کر کے رزق حلال کی عبادت اپنے رب کے سامنے پیش کروں اور وطن کی پولیس اور فوج کے سپاہیوں کو ایسے چپل فراہم کروں کہ جب وہ کسی بدکردار، چور، ڈاکو یا کسی اور مجرم کے پیچھے بھاگیں یا میدان جنگ میں دشمن کا تعاقب کریں تو یہ چپلیں ٹوٹ کر انہیں زمین پر لڑھکا دیں۔ اے خدا کے بندو ذاتی لالچ میں ایسے اندھے نہ بنو اور خدا کا خوف کرو" آپ کے ذاتی دوستوں نے بھی آپ کو سمجھایا کہ ٹھیکہ داری اور وہ بھی پاکستان میں بھلا بغیر رشوت کے کیسے ممکن ہے۔ یہ تو اس کا لازمی عنصر ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں آپ اس کاروبار میں کثیر رقم نقصان میں گنوا بیٹھے اور ٹھیکہ ناکام ہو گیا۔

Marfat.com

اس کے بعد آپ نے بچی کچی رقم سے درآمد و برآمد کا کام شروع کر دیا اور لکوڈ گولڈ (جو ایک قسم کا سنہری ملمع ہوتا ہے) برآمد کیا۔ آپ اپنا یہ مال لے کر لاہور پہنچے کہ سیفٹی ایکٹ کے تحت آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ ہوٹل سے لاکھوں روپیہ کا لکوڈ گولڈ پولس نے اپنے قبضہ میں لے لیا جس میں سے تھوڑے دنوں کے بعد کچھ مال پنچ نامہ اور گواہیوں کے ساتھ سرحد کے مشہور لیڈر غلام محمد لونڈخور جو اس زمانہ میں عوامی مسلم لیگ سرحد کے غالباً صدر تھے اور لاہور میں صوبہ بدری کی زندگی گذار رہے تھے، کے پاس حفاظت اور امانت کے طور پر رکھوا دیا گیا۔ جب حضرت قبلۂ عالم مرشد برحق لاہور کے شاہی قلعہ سے رہا ہوئے تو یہ مال انہیں واپس دیا گیا جس میں چالیس ہزار روپے کا مال کم تھا (یہ اطلاع لاہور کے اخبارات میں شائع ہو چکی ہے) اس کے بعد چھوٹے موٹے کام کر کے آپ نے گذر بسر پر اکتفا فرمایا اور ساتھ ہی سیاسی سرگرمیوں میں مصروف رہ کر قوم و وطن کی خدمت انجام دیتے رہے۔

اسی دوران آپ کے مخلص محب جناب نواب زادہ صداقت علی خانصاحب (لیاقت علی خانصاحب کے برادر خورد) نے اپنی شرکت میں حکومت کو گھی کی سپلائی کے کاروبار کی دعوت دی اور یقین دلایا کہ ان کی شرکت کی وجہ سے اس کاروبار میں "رشوت کی لعنت" شامل نہیں ہوگی۔ چنانچہ "صداقت ٹریڈنگ کارپوریشن" کے فارم پر اس کاروبار کا آغاز ہوا ہی تھا کہ عجیب و غریب صورت سامنے آئی اور وہ یہ تھی کہ حکومت کے ایک نہایت ایماندار اعلیٰ افسر نے حضرت جیلانی چاندپوری مدظلہ العالی کو بتایا کہ آپ کے بھیجے ہوئے گھی کے نمونے فیل (نا پاس) ہو گئے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس گھی میں چربی (FATS) کا عنصر کم ہے۔ آپ نے جب اس افسر سے کہا کہ ہم نے تو یہ خالص بھینس کے دودھ کا گھی پنجاب میں نواب زادہ صداقت علی خاں صاحب کی برادری کے زمینداروں سے منگوایا تھا تو اس نے ویل کے طور پر

سمجھایا کر جناب "اوکارٹہ لیبارٹری" جو نمونوں کا امتحان کرتی ہے اس کے "اسپیسیفکیشن (SPECIFICATION)" میں چربی کی جو مقدار ہے وہ ولایتی بھینسوں کی چربی کی ہے جن کے دودھ میں ان کے جسموں کے مٹاپے کی نسبت سے چربی کی زیادہ مقدار شامل ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں کی بھینسوں کے دودھ میں یہ مقدار پوری نہیں ہوتی اس لیے ہمارے خالص گھی کے نمونے بغیر چربی کی آمیزش کے پاس نہیں ہو سکتے۔ یہ سن کر شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاند پوری مدظلہ العالی اور ان کے دوست نواب زادہ صداقت علی خان صاحب نے اس کاروبار پر بھی لعنت بھیجی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ٹھیکہ پنجاب کے مشہور زمیندار مسلم لیگی لیڈر چودھری ظہور الٰہی صاحب جو قومی اسمبلی کی ممبری کے علاوہ وفاقی وزیر بھی رہے ہیں (ایک سابقہ حکومت نے ان پر بھینسوں کی چوری کا مقدمہ بھی قائم کیا تھا) کو ملا۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے گھی میں چربی ملائی یا نہیں لیکن انہوں نے دولت بہت کمائی اور اب وہ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں اس لیے ان کے حق میں دعائے مغفرت ہی کی جا سکتی ہے۔

حضرت مرشد برحق کی مالی حالت کے پیش نظر نواب زادہ صداقت علی خان صاحب نے آپ کو اپنے مکان کے قریب کی کوٹھی الاٹ کرانے کا مشورہ دیا لیکن آپ کا جواب یہ تھا کہ "اللہ رب العزت نے مجھے یہ استطاعت بخشی ہے کہ میں ہوٹل میں رہ سکتا ہوں۔ مکانات کی الاٹ منٹ کا حق ان مہاجرین کا ہے کہ جن کے پاس سر چھپانے کی جگہ نہیں ہے" زمینوں کی الاٹ منٹ کے لیے بھی کلیم داخل کرنے کے لیے بہت زور دیا گیا۔ آپ کے ایک وکیل دوست سید اطہر سعید صاحب نے جو سینئر ایڈوکیٹ ہیں یہاں تک فرمایا کہ آپ صرف فارم پر دستخط فرما دیں میں سب معاملہ خود ٹھیک کر لوں گا لیکن ان کی خدمت میں بھی آپ کا یہی جواب تھا کہ

Marfat.com

وہ زمین اللہ کی ہے اور اس نے اپنی مرضی سے مجھے جس قدر چاہا عطا فرمائی۔ اب میں اس کے سوا غیر اللہ سے سوال نہیں کروں گا۔ میرا دست سوال جب بھی بلند ہوگا میرے مالک کی بارگاہ ہی میں دست دعا بن کر اٹھے گا۔ وہی میرا پیدا کرنے والا ہے اور وہی پالنے والا۔ میں اسی کی عبادت کرتا ہوں اور اسی کو پکارتا ہوں یا چنانچہ پاکستان کی ایک انچ زمین بھی آپ نے بغیر معاوضہ ادا کیے حاصل نہیں فرمائی۔

ان حالات میں آپ کی مالی حالت کے کمزور ہونے کا آپ کے حقیقی دوستوں کو شدید ملال تھا کیونکہ ان کے سامنے وہ قربانیاں تھیں جو آپ نے ملکی سیاست میں اخلاص قربانی کا کردار ادا فرماتے ہوئے پیش کی تھیں۔ ان دوستوں میں سب سے زیادہ متاثر آپ کے دیرینہ دوست ساتھی اور ہندوستان میں ہم ضلع و ہم وطن جناب اختر علی خاں صاحب تھے جو کراچی عوامی مسلم لیگ کے صدر اور امام جمہوریت حضرت سید حسین شہید سہروردی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ترین دوست تھے۔ اختر علی خان صاحب سہروردی صاحب کے ایما پر ہمیشہ مسٹر جیلانی چاندپوری پر زور دیتے رہے کہ وہ اپنے کسی ذاتی کام کی فرمائش سہروردی صاحب سے کریں لیکن آج کے شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری صاحب اپنے موقف سے ذرا نہ ہلے۔ جب اختر علی خاں صاحب کی کوششیں بھی انہیں ٹس سے مس نہ کر سکیں تو مرحوم حسین شہید سہروردی کی دوست پروری اور کارکنوں کی دل نوازی کے جذبہ نے یہ صورت اختیار کی کہ انہوں نے ملک کے چوٹی کے سرمایہ دار جناب سعید سہگل صاحب سے اس مقدمہ کے وکیل کی حیثیت سے جو جناب رفیق سہگل کے خلاف چل رہا تھا اور جس کی پیروی سہروردی صاحب کر رہے تھے اپنے محنتانہ کی فیس میں اس شرط پر کمی کرنے کا معاہدہ کیا کہ سعید سہگل صاحب اپنے کوہ نور ملز کی مصنوعات کی ایجنسی سہروردی صاحب کے رفیق جیلانی چاندپوری صاحب

Marfat.com

کو دے دیں گے ۔ اللہ رب العزت کی رحمتیں نازل ہوں اس شہید پر کہ جس کا نام حسین شہید سہروردی تھا کہ اس نے اپنے ساتھی ، دوست اور کارکن جیلانی صاحب کی غیرت نفس کے تحفظ کا اس معاملہ میں یہ اہتمام کیا کہ جیلانی چاندپوری صاحب کو اس کی سینتی خبر نہ ہونے دی ۔ انہوں نے اختر علی خانصاحب کے دفتر میں بیٹھ کر جیلانی صاحب کی فرم "ٹریڈ ایشیا" کے نام سے خود خط لکھا اور اختر علی خاں صاحب ہی کی فرم "پاکستان ڈویلپمنٹ کارپوریشن" واقع بدرن بلڈنگ کے پتہ پر ٹریڈ ایشیا کے نام سے کوہ نور ملز کی مصنوعات (کپڑا اور دھاگہ وغیرہ) کی ایجنسی حضرت شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری صاحب کے نام پر حاصل کرلی ۔

قبلۂ عالم شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری صاحب کی حیرت کی اس وقت انتہا کی نہ رہی جب جناب اختر علی خاں صاحب نے وہ رجسٹری جس میں ایجنسی کا آرڈر تھا ان کی خدمت میں مٹھائی کے مطالبہ اور مبارکباد کے الفاظ کے ساتھ پیش کی ۔ یہ بات ہر تجارت پیشہ جانتا ہے کہ اس دور یعنی ۵۵-۱۹۵۴ء میں کوہ نور کی مصنوعات (کپڑا ور دھاگہ) کی ایجنسی سونے کی کان سے کم اہمیت کی حامل نہیں تھی کپڑا اور سوت ہاتھ نہیں آتا تھا ۔ منافع آسمان سے باتیں کر رہا تھا لیکن سیاست کو عبادت بنانے والے جیلانی چاندپوری اسے اپنی سیاسی خدمات اور قربانیوں کے معاوضہ کے طور پر کیسے قبول کر سکتے تھے جبکہ وہ "عبادت کا اجر دینے والا" صرف اور صرف اپنے مالک و خالق کو سمجھتے تھے ۔ اس کے علاوہ حضرت شیخ المشائخ کے نزدیک سیگل صاحب نے یہ ایجنسی سہروردی صاحب کو ممنون کرنے کی غرض سے دی تھی اس لیے کہ خط میں سہروردی صاحب کا حوالہ موجود تھا اور حضرت مرشد برحق نے اس بات کے پیش نظر کہ سعید سیگل اس کے عوض سہروردی صاحب سے جبکہ وہ ایک نہ ایک دن اس ملک کے وزیر اعظم ہوں گے اپنے اس کرم و عنایات

Marfat.com

کا بدلہ اور قیمت وصول کرے گا اور سہروردی صاحب جیسے بامروت انسان کے لیے اس کے کسی مطالبہ کو رد کرنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ اس ایجنسی کو قبول کرنے سے گریز فرمایا (ایجنسی کے خط کا عکس

اب میں چاہتا ہوں کہ صرف ایک اور اہم واقعہ عرض کر کے اس تحریر کو اختتامی مرحلہ تک لے آؤں۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ اس صورت حال کا سہروردی صاحب کو ناقابل برداشت حد تک افسوس تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے دوست اور ساتھی کی مالی حالت کم از کم ایسی مستحکم تو ہو جائے کہ جیسی مالی قربانیاں پیش کرنے سے پہلے تھی۔ چنانچہ جب وہ وزیراعظم پاکستان کے عہدہ پر فائز ہوئے تو انہوں نے اپنے دو معتمد وزیروں جناب ابوالمنصور (وفاقی وزیر صنعت و تجارت) اور جناب شیخ مجیب الرحمٰن (وزیر صنعت و تجارت مشرقی پاکستان) کے نام ایک ایک خط لکھ کر شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاند پوری مدظلہ العالی کے حوالہ کیا کہ وہ ان دونوں وزیروں سے جو چاہیں ذاتی خدمت لے لیں۔ لیکن یہاں بھی وہی معاملہ تھا کہ سیاست کو ذاتی مفاد کا وسیلہ بنا کر "عبادت کی سعادت" سے محروم ہونے پر آمادگی کیسے ممکن تھی۔ اس لیے آپ نے شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کو تو سہروردی صاحب کا خط دیا ہی نہیں (اس خط کا عکس ملاحظہ فرمائیں) جبکہ ابوالمنصور صاحب کا خط ایک پیر صاحب (محمد فاروق رحمانی صاحب) کی ان کے مرید کے ہم زلف (جو پاکستان کے سرمایہ داروں کے بائیس مشہور خاندانوں میں سے ایک سرمایہ دار تھا) کے لیے سفارش پر، اس مہاجر سرمایہ دار کی دادرسی کے لیے ابوالمنصور کو پہنچا یا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ سرمایہ دار موصوف بہت چالاک آدمی ہیں۔ انہوں نے زر مبادلہ کے سلسلہ میں پاکستان کو کافی نقصان اور اپنی ذات کو بہت بڑا فائدہ پہنچایا ہے اس لیے ان کے لائسنس سہروردی کابینہ نے متفق فیصلہ کر کے

Marfat.com

معطل کیے ہوئے ہیں اور ان کا زرمبادلہ کا کیس اسٹیٹ بینک کے زیر غور ہے۔اس کے فوراً بعد سہروردی صاحب کی وزارت کے خاتمہ پر اس سرمایہ دار نے سکندر مرزا سے معاملہ طے کر کے لائسنس کھلوالیے اور بعد میں ایوب خانصاحب کے صاحبزادوں اور رشتہ داروں کی شراکت سے خود پاکستان کے بائیس۲۲ سرمایہ دار خاندانوں میں سے ایک بن گیا۔اس سرمایہ دار کی جڑیں بھٹو صاحب کی دوستی تک پھیلی ہوئی تھیں۔

سہروردی صاحب مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری ایام تک کوشش کی کہ شیخ المشائخ حضرت جیلانی چاندپوری صاحب کے ذاتی طور پر کسی کام آجائیں۔ ان کی آخری کوشش کا احوال اس طرح ہے کہ حضرت شیخ المشائخ نے جواہرات کے کاروبار میں دلچسپی لینی شروع کی اور زمرد کی خریداری کے سلسلہ میں دو تین مرتبہ اپنے دوست اور پرانے ساتھی حضرت علامہ عبدالستار خاں صاحب نیازی کی معیت میں سوات کے بادشاہ شہزادہ گل عبدالودود صاحب مرحوم کے سکریٹری جنگ طالع محمد خانصاحب کے پاس سیدو شریف گئے یہ بات سہروردی صاحب کو معلوم ہوگئی۔انہوں نے اپنے اثر ورسوخ سے جواہرات اور جیولری کی فروخت کیلئے پنجاب اور سرحد میں حضرت جیلانی چاندپوری صاحب کے لیے گاہک تلاش کیے۔ ان گاہکوں میں جناب نواب عبدالغفور صاحب ہوتی (موجودہ وفاقی وزیر) جن کے کسی مقدمہ میں سہروردی صاحب وکیل تھے) اور جناب رفیق سیگل سرفہرست تھے لیکن حضرت شیخ المشائخ نے سہروردی صاحب مرحوم کو ان لوگوں کا ممنون نہیں ہونے دیا اور ان حضرات سے کوئی سودا نہیں کیا۔

جب مرشد برحق شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری مدظلہ العالی نے سہروردی صاحب کی اس آخری کوشش کو بھی جو انہوں نے اپنی شہادت سے بہت تھوڑے عرصہ پہلے فرمائی تھی ، نہ چلنے دیا تو سہروردی صاحب نے

Marfat.com

مخصوص دوستوں سے فرمایا کہ:۔

"جیلانی صاحب یا تو بہت زیادہ عقل مند آدمی ہیں کہ دنیا اور آخرت کے معاملہ میں نفع و نقصان کو اچھی طرح سمجھنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں یا پھر نہایت بیوقوف آدمی ہیں کہ اپنے مفادات و بلا ضرر نفع کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ میں نے بہت سی مختلف شخصیتوں کو پرکھ کر فیصلے کیے ہیں، جیلانی اب تک میری سمجھ میں نہیں آسکے"

عظیم رہنما سید حسین شہید سہروردی صاحب شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری صاحب مدظلہ العالی کی ملک کے لیے سیاسی خدمات بالخصوص جمہوریت کے قیام کے لیے ان کی قربانیوں سے تو متاثر تھے ہی لیکن انہیں مذہبی اور عقیدہ کے اعتبار سے بھی اپنے اس کارکن اور ساتھی سے کس قدر عقیدت تھی اس کا اندازہ محض ایک واقعہ ہی سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ انہوں نے ایک موقع پر اپنے چند ساتھیوں سے فرمایا کہ:۔

"کبھی کبھی تو مجھے شدت سے احساس ہونے لگتا ہے کہ کہیں ایک نہ ایک دن مجھے جیلانی صاحب داڑھی بڑھانے پر مجبور نہ کر دیں"

ان سے سوال کیا گیا کہ آپ یہ کیسے محسوس کرتے ہیں۔ کیا جیلانی صاحب آپ سے زبردستی ایسا کرا سکتے ہیں۔

انہوں نے فرمایا کہ:۔

"زبردستی نہیں بلکہ ان کی باتیں سن کر کبھی کبھی خود میرا دل داڑھی رکھنے کو چاہنے لگتا ہے"

سہروردی صاحب کی شہادت کے بعد شیخ المشائخ حضرت علامہ

Marfat.com

جیلانی چاندپوری مدظلہ العالی تمام سیاسی سرگرمیوں سے لاتعلق ہو کر اپنے رب سے انفرادی عبادت اور تعلق میں مصروف ہو گئے۔ ان کا موقف بلکہ عقیدہ یہ ہے کہ سیاست اگر عبادت ہے تو وہ ایسی عبادت ہے جسے اجتماعی طور پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ انفرادی طور پر اس عبادت کا ادا کرنا ممکن نہیں ہے جس طرح عیدین کی نمازیں اجتماعی طور پر ہی ادا کی جا سکتی ہیں اور جماعت کے لیے ایک لائق امامت اور اہل قیادت و سیادت امام کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح "سیاست کی عبادت" بغیر مخلص رہنما کی قیادت کے ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اب تک عملی سیاست میں حصہ لینے سے گریز فرماتے رہے ہیں۔

سابقہ حکومت کے دور میں وزیر اعلیٰ سندھ جناب غلام مصطفیٰ جتوئی نے انہیں اسلام کی خدمت کے نام پر مشاورت کی دعوت دی تو انہوں نے فوراً مشورہ دینے کا فرض انجام دیا۔ ایک بار بھٹو صاحب نے چیف منسٹر ہاؤس میں قابل ذکر شہریوں کے ساتھ انہیں بھی مشورہ کی دعوت دی تو وہ وہاں بھی گئے اور بے لاگ باتیں کیں۔

سابق وزیر اعلیٰ سندھ نے "اسلامی نظریہ پاکستان" پر یقین رکھنے والے علماء کا محاذ بنایا اور ان چار علماء میں شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری مدظلہ العالی کو شامل فرما کر درخواست کی کہ پاکستان کے نظریہ کے لیے علماء کے اتحاد کا محاذ بنائیں آپ اس کے لیے رضامند ہو گئے لیکن جب آپ کے تین ساتھی علماء نے اس محاذ کو پیپلز پارٹی کی انتخابی مہم کے سلسلہ میں استعمال کرنے کی کوشش کی تو آپ نے ایسے تمام جلسوں، پریس کانفرنسوں اور جلوسوں میں شرکت سے انکار فرما دیا اور ان کے کسی عمل میں شریک نہیں ہوئے۔ ایک موقع پر جب شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری مدظلہ العالی کو شرعی شہادتوں اور باوثوق طور پر معلوم ہو گیا کہ اس علماء محاذ میں شریک علماء فروخت شدہ مال ہیں

Marfat.com

تو وہ ان سے قطعاً بے تعلق ہو گئے۔ ایک موقع پر ایک بڑے ”عالم دین“ کہلانے والے بزرگ نے جواب اس دنیا میں موجود نہیں ہیں اور جن کے حق میں صرف دعائے مغفرت ہی کی جا سکتی ہے، اپنے ان ارشادات سے شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاند پوری مدظلہ العالی کو حیرت زدہ کر دیا تھا کہ:

”حضرت اہل حکومت ایک ایسا فنی ہے کہ جس کو اس کا منتر یاد ہے وہی اس پر قابو پا سکتا ہے ورنہ یہ زہریلا سے ڈس لیتا ہے“ شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاند پوری مدظلہ العالی نے ان مرحوم عالم دین سے پوچھا کہ حضرت وہ منتر کیا ہے تو فرمانے لگے۔

”خوشامد، جی حضوری اور بے ضمیری“

حضرت مرشد برحق نے برجستہ فرمایا کہ ”جناب عالی! یہ منتر آپ کو مبارک“ اور یہ فرما کر وہاں سے ایسے واپس آئے کہ ان مرحوم عالم دین سے پھر کبھی ملاقات نہ فرمائی۔

اپنا اس تحریر کے آخری مرحلہ میں چند الفاظ میں اس حقیقت کی وضاحت کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ”عظیم المیہ در المیہ“ کی اشاعت کے سلسلہ میں شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاند پوری صاحب مدظلہ العالی نے اس کتاب کے ناشر ”حلقۂ علویہ“ اور خود مجھ ناچیز کو اس شرط کا پابند کر دیا تھا کہ ان کے ان مضامین کی اخبار روزنامہ ”حریت“ میں شائع شدہ دس اقساط کے علاوہ وہ تمام وضاحتی نوٹس، استفتیٰ، فتاوے اور اس خط و کتابت کو جو اس سلسلہ میں علمائے دین کہلانے والے حضرات سے ہوئی بلا کم و کاست اور بغیر کسی تغیر و تبدل کے دیگر دوسرا ضروری مواد جس کی عکسی نقول پیش کی جانی ضروری ہیں، شریک کتاب ”عظیم المیہ در المیہ“

کیا جائے گا۔ چنانچہ اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم اس وعدہ کو پوری دیانت داری سے سامنے رکھ کر اس کتاب کی ترتیب و تزئین کا فرض انجام دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

آخر میں مجھے ایک ضروری بات یاد آگئی اور وہ یہ کہ ایک موقع پر حضرت مرشدی کی سیاسی خدمات کے اعتراف کے طور پر سہروردی صاحب مرحوم نے یہ پیشکش بھی فرمائی کہ مشرقی پاکستان سے قومی اسمبلی کی ایک نشست پر "عوامی لیگ" یا حضرت علامہ جیلانی چاند پوری کو منتخب کرانے میں خوشی محسوس کرے گی لیکن حضرت شیخ المشائخ مرشد برحق کا جواب تھا کہ:-

"میں پاکستان کے جس حلقہ انتخاب میں رہتا ہوں اگر وہاں کے باشندے مجھے اس کا اہل سمجھ کر کہ میں قومی اسمبلی میں آپ کی خدمت انجام دے سکتا ہوں، ممبر منتخب کر سکے تو سبحان اللہ میں حاضر ہوں۔ ممبری کی خواہش نہ مجھے ہے اور نہ اسے اچھا سمجھتا ہوں۔"

آخر میں اپنے اس جملہ کو دہرانا چاہتا ہوں کہ "سیاست کو عبادت بنانے والے ایسے ہوتے ہیں۔ یہ ہے "عظیم المیہ در المیہ" کے مصنف کا کردار کہیں کوئی اور؟!

اِن سا ہو ــــــــ تو ــــــــ سامنے آئے

کراچی
۱۰ ستمبر ۱۹۸۳ء

وجاہت حسین صدیقی علوی القادری
بی۔ ای (الیکٹریکل)

Marfat.com

عظیم الشان ★ جلسۂ عام

۵ فروری ۱۹۷۷ء ★ بروز ہفتہ ★ بعد نماز عشاء ★ ۹ بجے شب

نشتر پارک میں منعقد ہوگا

جس میں

پاکستان کے موجودہ عام انتخابات میں اسلام اور نظریۂ پاکستان کے وسیع مفاد کے تحفظ کے لئے صحیح موقف پر ہر مکتبِ فکر کے مشاہیر علماء پر مشتمل

نظریۂ پاکستان علماء محاذ کے رہنما

- مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب — علامہ نصیر الاجتہادی صاحب
- مولانا سید سعادت علی قادری صاحب — مولانا جیلانی چاندپوری صاحب

تقاریر فرمائیں گے

عام مسلمانوں سے اپیل ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوکر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

منجانب: نظریۂ پاکستان علماء محاذ، کراچی

وضاحتی نوٹ:۔ اس جلسے میں شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری مدظلہ العالی نے شرکت کرنے سے انکار فرما دیا تھا۔ (وجاہت حسین)

Marfat.com

35

KOHINOOR [illegible] MILLS LTD.

MUHAMMADI HOUSE McLEOD ROAD.

Head Office:
LYALLPUR

POST BOX NO. [illegible]

Karachi 1st October 1955

Dear Mr. Jilani,

Your letter No. PDC-55
dated 16th Sept' 1955.

I have instructed my Karachi Office to register your name on their approved list. Please contact Secretary, Karachi Office, for your requirements of Yarn and Cloth upto any extent you desire.

Yours faithfully,

(M. SAYEED SAIGOL)

Jilani Chaudhuri, Esqr.,
Proprietor, Tradeasia,
4, Badri Building,
McLeod Road,
Karachi.

Copy to Mr. H.S. Suhrawardy with reference to his letter dated 16th September' 1955.

M. SAYEED SAIGOL.

Marfat.com

قلم ——— اور ——— اہلِ رقم

اللہ تبارک وتعالیٰ عزوجل نے "عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" ارشاد فرماکر قلم کو جو عزت وعظمت بخشی ہے وہ ان حضرات کے لیے محل غور وفکر پیدا کرتی ہے کہ جن کی انگلیوں کی گرفت میں رہ کر وہ "آلۂ تحریر" جس کو ہم نے "قلم" کا نام دیا ہے، اپنی گردش وجنبش سے نہ صرف علم وہنر بلکہ فتنہ وشر کو بھی جنم دیا کرتا ہے۔ یہ "آلۂ تحریر" وہ قلم نہیں ہے جس کو اللہ رب العزت نے ذریعہ "علم" بنایا ہے اور جس کی روشنائی روشنی ہے جس سے صرف اور صرف نور (علم) کا ظہور ہوتا ہے۔ ہماری انگلیوں کی گرفت میں اگر ہمارے ارادوں اور تفکر کے مطابق چلنے پر مجبور آلۂ تحریر کی روشنائی اکثر وبیشتر یعنی زیادہ تر "سیاہی" کہلاتی اور ہوا کرتی ہے اس لیے اس سے "شر وفتور" کے ظہور کا امکان زیادہ قوی ہونا لازمی ہے۔ پس نسبت "اسمی" کا تقاضہ ہے کہ ہم اس "آلۂ تحریر" کی روشنائی سے جس کو ہم نے "قلم" کا نام دیا ہے، "جھوٹ کی سیاہی" کا فتور نکال کر، حق وصداقت کے نور کی روشنی کو "علم کے نور" سے مملو رکھیں تاکہ کم ازکم نام کی نسبت کی لاج تو باقی رہ جائے۔ اس لاج کے احساس ہی [illegible] نے اس فقیر کی انگلیوں کی گرفت میں پھنسے ہوئے اس آلۂ تحریر کو جس کا نام ہم نے "قلم" رکھ دیا ہے عظمتوں کا امین بنا کر اس قدر وزنی کر دیا ہے کہ اسے اٹھاتے وقت ہاتھ کے [illegible]

دل بھی لرزا جایا کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ "لکھنے کی ذمہ داری" سے بچنے کی کوشش کی وجہ سے کم سے کم اور بہت مجبور ہو کر کچھ لکھنے کی نوبت آتی ہے زیر نظر تحریر جسے اب "صلوٰۃ علویہ" نشر کر رہا ہے آج سے تقریباً دس سال قبل یعنی اکتوبر۔ نومبر ۱۹۷۲ء میں ایک مسلسل اور طویل مضمون کی شکل میں کراچی کے روزنامہ حریت "کے لیے لکھی گئی تھی۔ مجھے اس بات پر کن محرکات نے مجبور کیا تھا؟ اس کا اظہار میں نے اپنے اس مضمون کی پہلی قسط میں جو روزنامہ حریت میں ۴ نومبر ۷۲ء کو شائع ہوئی مندرجہ ذیل الفاظ میں ایک نوٹ لکھ کر دیا تھا ملاحظہ فرمائیں مندرجہ ذیل نوٹ۔

موقر جریدہ روز نامہ حریت کی دعوت پر جناب خالد اسحاق صاحب ایڈوکیٹ نے کئی قسطوں میں "پاکستان اور بنگلا دیش کے آئندہ تعلقات" کے عنوان سے طبع آزمائی فرمائی ہے۔ اگر اس قسم کے سیاسی مسائل پر کسی ریٹائرڈ جنرل کرنل یا کسی فیلڈ مارشل قسم کے اہل قلم نے رائے زنی کی ہوتی تو میں اسے قابل اعتنا ہرگز نہ گردانتا کیونکہ سیاسی موضوعات پر ایسے حضرات کی رائے نہ اس قابل ہو سکتی ہے کہ اسے کوئی وزن حاصل ہو اور نہ ان کے اپنے مشاہدات و تجربات سیاسی حقائق پر شہادت یا نظیر بن سکتے ہیں لیکن جناب خالد اسحاق جیسے پایہ کی کوئی شخصیت جو "حکومت پاکستان کے قانونی مختار عام و اعلیٰ" کے منصب پر فائز رہ چکی ہو جب سیاسی مسائل پر رائے زنی کرے تو مورخ کے لیے اس کے بیان کو دلیل کے طور پر تاریخ کا حصہ بنا لینے میں کوئی چیز حارج و مانع نہیں ہو گی۔ خالد اسحاق صاحب کی ذہانت اور قانونی مہارت و قابلیت کا میں بہت عرصہ سے قائل ہوں لیکن جب میں نے خالد اسحاق صاحب کا عنوان محولہ بالا کے تحت مقالہ پڑھا تو اس مسئلہ پر ان کے سرسری انداز بیان سے مجھے خاصی مایوسی ہوئی اور میں نے زیر نظر مضمون قلم بند کر کے "غلط فہمیوں" سے تاریخ کو بچانے کی حتی المقدور

Marfat.com

سعی کر سکے فرض کو انجام دینا لازم جانا۔ چنانچہ مضمون پیش خدمت ہے اس مسئلہ پر (فوج کے کردار وغیرہ سے متعلق) مزید تفصیلات کا یہ مضمون متحمل نہیں ہو سکتا تھا لیکن انشاء اللہ زیر تدوین کتاب "عظیم المیہ۔ حقیقت کے آئینہ میں" اس مسئلہ پر صراحت کے ساتھ تبصرہ کی حامل ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (جیلانی چاند پوری)"

میرا یہ مضمون اخبار "حریت نے" اپنی دس اقساط میں چھاپنے کی جرأت تو کی اور اس دور کی بھٹو حکومت نے جو اس وقت تک "مارشل لاء حکومت" تھی، اسے برداشت کرنے کی قابل تعریف حوصلہ مندی کا ثبوت بھی دیا لیکن پھر بھی "حریت" کے مدیر محترم نے اپنی مجبوریوں کی بنا پر اس میں اس قدر قطع و برید فرمائی کہ مضمون کا تقریباً نصف یا کچھ زیادہ حصہ ہدیہ قارئین کرام نہ ہو سکا۔ مضمون کی دسویں اور آخری قسط میں جو ۱۱ نومبر ۱۹۷۲ء کو شائع ہوئی میں نے اس بات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ میں ایک نوٹ تحریر کر دیا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں مندرجہ ذیل نوٹ:۔

"زیر نظر مضمون کی آخری قسط ہدیہ قارئین ہے میں مدیر محترم کا شکر گزار ہوں کہ آقا و مولا رسول مکرم نور مجسم فخر بنی آدم حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اس حدیث پر عمل کرنے میں اس حقیر فقیر کی معاونت فرمائی کہ "ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنا سب سے بڑا جہاد ہے"

اگرچہ راقم الحروف کے تحریر کردہ مضمون میں اخبار کے ادارۂ تحریر نے اپنی پالیسیوں کی مجبوری کے تحت کافی قطع برید کی ہے اور کہیں کہیں تو مضمون کے ایسے حصے بھی حذف ہو گئے ہیں کہ جن کو راقم الحروف مضمون کی جان تصور کرتا ہے اس کے باوجود جس انداز اور جس شکل میں مضمون قارئین تک پہنچا اس سے مسئلہ زیر بحث پر کافی روشنی پڑتی ہے اور اہل فکر و تدبر حالات و واقعات سے اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں تاہم اصل مضمون کے مسودہ میں کچھ اضافوں کے ساتھ اس مسئلہ پر

Marfat.com

عظیم المیہ حقیقت کے آئینہ میں "، کے نام سے ایک کتاب زیر تدوین ہے جس کی اشاعت سے اس باب میں مزید معلومات حاصل ہو سکیں گی۔ میں آخر میں قارئین کرام کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ ایک طویل مضمون کے مطالعہ پر انہوں نے اپنا وقت صرف کیا اور اس مضمون کی پسندیدگی کا اظہار انہوں نے راقم الحروف سے براہ راست بھی فرمایا اور بعض نے اخبار حریت کے دفتر کو بھی اپنی آراء سے مطلع فرمایا۔

(مخلص ۔ جیلانی چاندپوری) "

دس سال تک مذکور بالا وعدہ کہ " کتاب عظیم المیہ حقیقت کے آئینہ میں " شائع کی جائے گی پورا نہ کیا جا سکا لیکن اب بحمد اللہ رب العالمین ، نام میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ یعنی "عظیم المیہ حقیقت کے آئینہ میں " کے نام کی جگہ اب اس کتاب کا نام "عظیم المیہ در المیہ " تحریر کیا گیا ہے، وہ وعدہ پورا کیا جا رہا ہے ۔

دس سال کی مدت تاخیری کی وجہ وہی ہے جو سطور بالا میں ان الفاظ سے ظاہر کی گئی ہے کہ " لکھنے کی ذمہ داری ؛ سے بچنے کی کوشش کی وجہ سے کم سے کم اور بہت مجبور ہو کر کچھ لکھنے کی نوبت آئی ہے "

بہر حال اب کچھ لکھنے اور کتاب مذکور کی اشاعت کی نوبت یوں آئی کہ پچھلے چند ماہ یعنی مئی، جون، جولائی ۱۹۸۳ء سے اس کتاب کے موضوع سے متعلق وثائق کی مختلف حلقوں کی طرف سے تشہیر پھر شروع ہوئی ہے بالخصوص پاکستان کے سابق چیف جسٹس جناب جسٹس حمود الرحمن صاحب کی سربراہی میں اس مسئلہ پر جو تحقیقاتی کمیشن قائم کیا گیا تھا اس کی رپورٹ اب تک صیغۂ راز میں تھی، اب اس کے بعض حصے اور اقتباسات منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو کر معرض بحث و تمحیص بن رہے ہیں تو میرے احباب نے مجھ پر اس کام کے لیے اس قدر زور دیا کہ میرے لیے اس کا برداشت کرنا ممکن نہ رہا اور میں کام کی تکمیل کے لیے مجبور ہو گیا۔

Marfat.com

یہ سطور زیر قلم تھیں کہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۳ء کا اخبار جنگ سامنے آیا اور اس میں ملک کے کہنہ مشق صحافی اور دانشور جناب زیڈ۔ اے۔ سلہری جو خیر سے جنرل ضیاء الحق صاحب کی مجلس شوریٰ کے رکنِ رکین بھی ہیں کا مضمون اسی موضوع پر ــــ "مشرقی پاکستان کس طرح الگ ہوا" کے زیر عنوان نظر سے گزرا دل چاہا کہ اس نامور صحافی کے رشحات قلم کے اقتباسات کو اپنے ہلکے پھلکے تائیدی اور تردیدی تبصرہ کے ساتھ اس کتاب میں شامل کر کے قارئین کو اس مسئلہ کے سمجھنے میں زیادہ سہولت فراہم کردوں۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں سلہری صاحب اپنے مضمون کی ابتدائی سطور میں قومی کردار سے متعلق یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"جب سے حمود الرحمٰن کمیشن کے کچھ اقتباسات اخباروں میں چھپے ہیں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے سلسلہ میں کافی لے دے ہو رہی ہے اور ان اشخاص کا کھوج لگایا جا رہا ہے جو اس سانحے کے ذمہ دار ٹھہرائے جا سکتے ہیں اس ضمن میں مجھے جنرل (ریٹائرڈ) نیازی سے اتفاق ہے کہ مذکرہ بالا کمیشن اس قومی المیہ کی تہہ کو پہنچنے کے اس لیے نا اہل تھا کہ اس کا دائرہ تفتیش بہت محدود تھا اور اس کی وجہ بالکل صاف تھی اسے ایک ایسی حکومت کی طرف سے متعین کیا گیا تھا جس کے سربراہ کی ساری تگ و دو اس بات پر مرکوز تھی کہ کمیشن صرف فوجی ناکامی سے سروکار رکھے اور سیاسی محرکات و پس منظر کو معرض تجزیہ و بحث میں نہ لائے نتیجہ یہ ہوا کہ چند جرنیلوں کا نام تو آیا لیکن سیاستدانوں کے کرتوت پردہ اخفا میں رہے اور رپورٹ قطعی ادھوری اور خام رہی"

چونکہ حمود الرحمٰن کمیشن کی مکمل رپورٹ پردہ اخفا میں ہے اور اس کے ادھورے اقتباسات زیر بحث ہیں اس لیے اس ضمن میں ہر قسم کی بحث تنقید بھی نا تمام اور ادھوری

Marfat.com

ہی ہوگی البتہ فوجی ناکامی کے اسباب وعلل پر جو کچھ مختلف جوانب سے کہا جاتا رہا ہے اور اس رپورٹ کے اقتباسات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ سب کچھ صرف اور صرف سقوط مشرقی پاکستان اور فوجی شکست فاش کی حد تک محدود ہیں اس لیے ان کو پاکستان کے مشرقی حصہ کی علیحدگی کا قطعی سبب ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ علیحدگی میں سیاسی عوامل کے غلبہ نے فوجی شکست کے اسباب کو جنم دیا ہے اس لیے اصل چیز سیاسی محرکات ہی ہیں جن پر اس کتاب میں حتی المقدور وضاحت سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے اور میرے خیالات کی تائید سلہری صاحب نے بھی مندرجہ ذیل الفاظ میں اس طرح فرمائی ہے کہ:۔

"اب حقیقت یہ ہے کہ کسی فوجی ناکامی کی وجوہات سمجھنے کے لیے حکومت کی پالیسی کا مطالعہ کرنا ازبس ضروری ہے کہ اول وآخر فوج حکومت کے متعین کردہ منصوبے پر ہی عمل کرتی ہے وہ اپنے طور کسی حکمت عملی کو مرتب کرنے کی مجاز نہیں جب لڑائیوں میں جرنیل ناکام ہوتے ہیں تو اس کی تین وجوہ ہو سکتی ہیں یا حکومت کی ہدایات واحکامات غلط خطوط پر صادر کیے گئے تھے یا جرنیل میں قوت ارادی وعمل کی کمی تھی اور یا پھر دشمن زیادہ تیز وچالاک نکلا۔ بظاہر ہماری فوج نے ساز و سامان کے ساتھ ہتھیار ڈالے جس کا مطلب ہے کہ انہوں نے اس صورت حال میں ہار تسلیم کی جب ان میں لڑائی کی صلاحیت وقوت باقی تھی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انہوں نے ازخود شکست کا اعتراف کر لیا یا انہیں لڑائی بند کرنے کے لیے اوپر سے حکم ملا؟ اب تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ جنرل نیازی نے اپنی ذمہ داری پر ہتھیار ڈالے۔ انہوں نے یقیناً یہ عمل اپنے بالا حکام کے حکم پر کیا بالا حکام بھی اپنی مرضی کے مالک نظر نہ آتے تھے۔

Marfat.com

جہاں انہیں ایک طرف اس امر کا شدید احساس تھا کہ میدان جنگ میں اتری ہوئی فوج کو دو محاذوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، سامنے سے ہندوستانی فوج اور مجیب کی مکتی باہنی کا تو عقب میں بنگالی عوام کا جو ہر قسم کے سبوتاژ کے مرتکب ہو رہے تھے وہیں انہیں عالمی مخالفت کا طوفان درپیش تھا۔ مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی ملک کے لیے ایسا منحوس سماں تھا جب اقصائے عالم میں مغربی پاکستان بری طرح بدنام ہوا جب ایک طرف روس ہندوستان کی جارحیت کی پوری پشت پناہی کر رہا تھا تو دوسری طرف امریکی جانبداری میں قطعی کوئی پیش رفت نہیں ہوئی اور موعودہ حمایت میں ساتواں بیڑہ بحیرۂ عرب کی طرف ایک انچ نہیں سرکا۔ مستزاد سلامتی کونسل میں بھٹو اپنے کھیل کھیل رہا تھا جہاں اس نے پولینڈ کی فوری جنگ بندی کی قرارداد کو بلا وجہ مسترد کر دیا وہ اپنی اگلی چال کیلئے ڈھاکے اسقاط کا انتظار کر رہا تھا۔"

سہگل صاحب نے جرنیلوں کی ناکامی کی تین وجوہ بیان فرمائی ہیں ان سے پوری طرح متفق ہونے کے ساتھ ساتھ میں اس صفائی کو جو انہوں نے جنرل نیازی سے اتفاق رائے فرماتے ہوئے ارشاد فرمائی ہے تسلیم کرنے کے لائق نہیں سمجھتا کیونکہ میرے نزدیک اگر جنرل نیازی نے بقول خود یا سہگل صاحب کے مفروضہ کے طور پر کسی کے ناجائز حکم کی تعمیل میں فوجوں کو ہتھیار ڈال کر ذلیل و خوار ہونے کے احکامات صادر کیے تھے تب بھی وہ ذاتی طور پر پوری قوم کی ذلت کی ذمہ داری کے مجرم ہیں کیونکہ انہیں ایسے ناجائز ہی نہیں بلکہ رسواکن قومی جرم کا مرتکب کرنے والے ذلت آمیز احکام کی تعمیل سے صاف انکار کر دینا چاہیے تھا اور اپنے عہدے سے فوراً مستعفی ہو کر یا پھر اپنے آپ کو کورٹ مارشل کے سپرد کر کے عدم تعمیل حکم

کی پاداش میں ان کا کورٹ مارشل ہونا لازمی تھا) قوم کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنی چاہیے تھی۔ ان کے سامنے مسلم قوم کے قابل فخر سالاروں کی مثالیں موجود تھیں کیا محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم جنرل کا کردار ان کے سامنے نہ تھا جنہیں مفروضہ احکام کی عدم تعمیل کی پاداش میں اونٹ کی کھال میں سلوا کر سزائے موت دی گئی تھی لیکن تاریخ رہتی دنیا تک ان کی عظمت و احترام کے ساتھ انہیں خراج تحسین اور مسلم قوم خراج عقیدت پیش کرتی رہے گی۔ اس قدر عرض کرنے کے بعد میں مناسب سمجھتا ہوں کہ فوجی شکست کی ذلت کے اسباب پر مزید کچھ عرض کرنے سے گریز کروں کیونکہ میں نہ تو ذاتی طور پر ان اسباب و علل سے واقف ہوں اور نہ ہی کوئی شہادت و ثبوت اس سلسلہ میں مجھے حاصل ہوا ہے۔ البتہ ان سطور کے لکھتے وقت یعنی مورخہ ۲ اگست ۸۳ء کے اخبار جنگ میں ضرب و حرب کے ایک ماہر فوجی افسر (جنہیں یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ وہ جنرل ہیڈ کوارٹر اور C.M.L.A. سی۔ ایم۔ ایل۔ اے کے ہیڈ کوارٹر میں متعین پالیسی ساز حضرات کو جوان کے افسران بالا بھی تھے وقتاً فوقتاً مشوروں اور جائزوں کی شکل میں خدمت انجام دیا کرتے تھے) کا مشرقی پاکستان کے المیہ سے متعلق مضمون نظر سے گذرا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مضمون کے مصنف جناب برگیڈیر (ریٹائرڈ) عبدالرحمٰن صاحب صدیقی کے اس جائزہ اور تبصرہ سے جو فوجی اور بعض غیر فوجی حقائق پر مبنی ہے" قارئین کرام کو مستفیض ہونے کا موقع دوں جو سہگری صاحب کے زیر نظر مضمون کے بعد پیش کروں گا۔ سلسلہ جاریہ کے بعد یعنی جناب سہگری کے مضمون کے اختتام پر۔

اب میں جناب سہگری صاحب کی اس رائے سے قارئین "در عظیم المیہ در المیہ" کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں جس کا اظہار انہوں نے اپنے مضمون میں آگے چل کر اس عظیم المیہ کے سیاسی عوامل پر روشنی ڈالتے ہوئے ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ:-

Marfat.com

"اگر آپ چاہیں تو ان اسباب کی جستجو پاکستان کے ظہور سے ہی شروع کی جاسکتی ہے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا تخم نواب زادہ لیاقت علی خاں کے دور میں بویا گیا انہوں نے ایک طرف دستور سازی میں تساہل برتا حالانکہ اگر وہ قومی اتحاد و یگانگت کی اس خوشگوار اور قوم پرور فضا میں جو پہلے سالوں پر محیط تھی" دستور سازی پر اپنی توجہ مرکوز کرتے تو دستور تحریک پاکستان کے محرکات و جذبات کی عکاسی کرتا لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا اور ایک نیم دلانہ کوشش کے بعد خاموش ہو کر بیٹھ گئے"

اس کے بعد سلہری صاحب نے یحییٰ خاں کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"یحییٰ نے دستور سازی کا کام انتخابات سے پیدا ہونے والی دستور ساز قومی اسمبلی کے سپرد کیا تھا لیکن اس نے از خود اور قبل از وقت پیرٹی (Parity) یعنی مشرق و مغرب میں مساوات کے اصول اور ون یونٹ کو بیک جنبش قلم رد کر دیا۔ اب مساوات کا اصول پاکستان کے زعماء سے صلاح و مشورے اور بہت سوچ بچار کے بعد نافذ کیا گیا تھا اس کا جذبہ محرکہ یہ تصور تھا کہ چونکہ ملک مسلمانوں کے حق خود اختیاری کا نتیجہ تھا اس کی تمکن کی ذمہ داری مسلمانوں کے ہاتھ میں ہی رہے ورنہ مشرقی پاکستان کی اکثریت ہندوؤں کی شمولیت کی رہین منت ہو گی اور ملک کا توازن بگڑ جائے گا ون یونٹ بھی دو حصوں کے درمیان توازن کو مضبوط کرنے کی کوشش تھی تاکہ بشمول ہندو ایک حصے کی وحدت دوسرے حصے کی منقسم صورت حال کا ملک دشمن مقاصد کے لیے استعمال نہ کر سکے

Marfat.com

دستور کے ان دو بنیادی تصورات کو کالعدم کر کے نہ صرف یحیٰی نے ہونے والی دستور سازی کا مذاق اڑایا بلکہ اس نے ملک کے اتحاد کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا کیونکہ اگر اسے انتخابات میں کالعدم عوامی لیگ کی مکمل کامیابی کے بعد چھ نکات کے نفاذ سے کوئی مفر نہ بھی ہوتا تو بھی وہ کم از کم ملک کی وحدت کو ون یونٹ کے ذریعے قائم رکھ سکتا تھا وہ مغربی پاکستان کے ایک مرکز کو وہی اختیارات تفویض کر کے جو وہ مشرقی پاکستان کو دینے پر مجبور ہو گیا تھا پاکستان کی سالمیت کو ایک کنفیڈریشن کی شکل میں بچا لیتا لیکن اس نے ون یونٹ توڑ کر اپنا راستہ مسدود کر لیا کہ اب اگر وہ چھ نکاتی اختیارات مغربی پاکستان کے چار مرکزوں کو منتقل کرتا تو ملک تار تار ہو جاتا، مجیب نے ہندوستان سے سازش کی اور یحیٰی حماقت سے دوسروں کے ہاتھ میں کھیلا لیکن جس شخص نے علی الاعلان ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کیا وہ بھٹو تھا، بھٹو نے لاہور کے جلسے میں ڈنکے کی چوٹ کہا کہ اس کی پارٹی قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت نہیں کرے گی. ورنہ صرف اپنی پارٹی کو شرکت سے باز رکھا بلکہ اس نے مغربی پاکستان کے دوسرے منتخب ارکان کو دھمکی دی کہ جو ڈھاکہ جائے گا اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی بھٹو "ادھر تم، ادھر ہم" کے نعرے لگا چکا تھا لیکن قومی اسمبلی کے اجلاس میں عدم شرکت ایک ایسا دستوری اقدام تھا جس کا نتیجہ ملک کے ٹوٹ جانے کے سوا کچھ نہ ہو سکتا!

اس میں شک نہیں کہ سہگری صاحب نے عظیم المیہ کے محولہ بالا اسباب کی صحیح نشاندہی فرمائی ہے جس سے اس کتاب کے مندرجات کی جزوی تائید ہوتی ہے اس کے بعد کی سطور میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ بھی قارئین کتاب کے علم میں لانا چاہتا ہوں وہ فرماتے ہیں کہ:-

Marfat.com

سچی بات یہ ہے کہ ملک کا ادم عوامی لیگ کی تحریک سے نہیں ٹوٹا وہ مغربی پاکستان کے احساس کمتری سے ٹوٹا۔ مغربی پاکستان کے اعلیٰ حکام اور سیاستدان جن میں بھٹو سر فہرست تھا بنگالیوں کے تحت آنے سے گھبراتے تھے وہ اپنے آپ کو اونچی قبیل سے متعلق گردانتے تھے چونکہ ایک وقت مشرقی پاکستان کے جوٹ کا بہت ذکر تھا جس سے ملک کو زرمبادلہ حاصل ہوتا تھا اور مغربی پاکستان کی اقتصادیات کا اس پر دارو مدار نظر آتا تھا ان مغربی پاکستانی حکام نے خاص طور پر انہوں نے جن کا تعلق مالیات اور منصوبہ بندی سے تھا اور جو بھٹو کے زیر اثر تھے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان پر بوجھ ہے اور جتنی جلدی ہو وہ بوجھ مغربی پاکستان کی اقتصادیات سے اتر جائے اتنا ہی بہتر ہے چنانچہ بھٹو نے اپنے پہلے بجٹ میں یہ ثابت کرنا چاہا کہ علیحدگی کے بعد مغربی پاکستان کی اقتصادی حالت بہت اچھی ہو گئی ہے ان کوتاہ اندیشوں کو اس امر کا بالکل ادراک نہ تھا کہ پاکستان کی نظریاتی جغرافیائی نسلی و لسانی تشکیل برصغیر میں مسلم قومیت کے تاریخی نشوونما کا قدرتی پرتو ہے اور اس کی مصنوعی کانٹ چھانٹ سے ملک کی روح مجروح ہو جائے گی چنانچہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد نہ بنگلا دیش میں کوئی اور قومیت قائم ہوئی اور مغربی پاکستان میں مسلم قومیت باقی رہی اب دونوں حصے میکانکی ڈھانچے ہیں جو محض ساز و سامان پر انحصار کر رہے ہیں غلطی دونوں طرف ہوئی مغربی پاکستان میں غلط تصور قائم ہوا کہ بنگالی اکثریت برصغیر میں ہندو اکثریت کے مشابہ ہے جس میں مسلمانوں کے خلاف کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور جس سے فطری طور پر مسلمان بدکے مگر بھٹو کے دماغ میں تحکم کا غیر معمولی کیڑا نہ ہوتا اور وہ کالادم عوامی لیگ کی

Marfat.com

جمہوری بالادستی کو قبول کر لیتا تو تھوڑے ہی دنوں میں برسر حکومت آنے کے بعد یا تو مجیب کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی اور اس کے پیروکار مغربی پاکستان سے دوسرے حلیفوں کے متلاشی ہوتے آخرکار اس کے فدائیوں نے ہی اسے جان سے مارا۔ اور یا خود مجیب مغربی ارکان کی تائید کا متمنی ہوتا کہ ملک کے ایک حصے کے دھڑے سے حکومت نہ کی جاسکتی تھی لیکن بھٹو کی قیادت میں مغربی پاکستان نے ناقابل معافی تھڑدلی کا ثبوت دیا ادھر مشرقی پاکستان نے کمال بے صبری کا مظاہرہ کیا اگر دہاں کوئی صاحب بصیرت ہوتا تو اسے صاف نظر آتا کہ جس رفتار سے بنگالی مرکزی انتظامیہ پر چھا رہے تھے تھوڑے ہی عرصہ میں وہ بالکل ان کے تسلط میں ہوتی اور سیاسی فوقیت کے توسط سے بنگالی مشرقی پاکستان ہی نہیں بلکہ مغربی پاکستان پر بھی حکومت کرتے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سازشیوں نے کسی کو ٹھیٹھ بنگالی الفاظ لکھا سے بھی حالات کو جانچنے کا موقع نہ دیا وہ دشمنوں کے ہاتھ کٹھ پتلی بنے اور دونوں علاقوں کے مفاد کو غتربود کر کے رہے اب مغربی پاکستان بھی ہندوستان کے نرغے میں ہے تو مشرقی پاکستان تو اس کے مقابلے میں قطعی بے دست و پا ہے اب بچھڑے بھائیوں کی ایک دوسرے سے محبت کی آہ وزاری نب و ناب بھی کسی کام نہیں آسکتی کہ ایک اور طاقت ان کے درمیان حائل ہو چکی ہے اور یہ اصل المیہ ہے المیہ وہ نہیں جس کا درماں نہ ہو المیہ وہ ہے جو خواہش اور کوشش کے باوجود مندمل نہ ہو سکے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس المیے کا گہرا مطالعہ اور تجزیہ ہو اس کی غرض محض افراد اور حلقوں میں الزام کی تقسیم نہ ہو بلکہ آئندہ

Marfat.com

کے لیے کوئی سبق حاصل کرنا ہو تفتیش بہر حال ضروری ہے کہ اگر کسی جسم پر ایسا سانحہ گزرا ہو کہ اس کا وجود دونیم ہو جائے اور وہ اسے شیر مادر کی طرح پی جائے اور اس کی تہہ معلوم نہ کرے تو اس کا ماضی تو داغدار ہوا ہی ہے اس کا مستقبل بھی مخدوش ہو جائے گا، بے حسی قوموں کو مُردوں کی صف میں لٹا دیتی ہے جبکہ زندہ قوموں کی نشانی ہے کہ وہ بے خوفی سے اپنے اعمال کا احتساب کرتی ہیں۔"

سہروردی صاحب کے اس مضمون کے اقتباسات سے یہ قطعی واضح ہے کہ وہ بھی سقوط مشرقی پاکستان میں فوجی ناکامی ہی کو اس خطہ کی علیحدگی کا سبب نہیں سمجھتے بلکہ اور دوسرے سیاسی عوامل کے دخل کو بھی خوب محسوس کرتے ہیں اب آپ اس ماہر ضرب وحرب فوجی افسر بریگیڈیر (ریٹائرڈ) محترم جناب عبدالرحمٰن صدیقی کا وہ مضمون ملاحظہ فرمایئے جو ۲ اگست ۸۳ء کے "جنگ" میں المیہ مشرقی پاکستان کے زیر عنوان شائع ہوا ہے۔

المیہ مشرقی پاکستان

حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ سے متعلق ابھی ابھی جو گرما گرم بحث شروع ہوئی ہے اس سے میں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ میں خود ۱۹۷۱ء کے المیہ میں شامل تھا۔ بیک وقت بحیثیت ایک پیشہ ور مبصر کے اور ایک غیر پیشہ ور شریک اور حصہ دار کے حمودالرحمٰن کمیشن رپورٹ مشرقی پاکستان میں فوجی شکست اور ناقابل تلافی نقصان اور مغربی پاکستان میں مایوس کن جنگ بندی کے بارے میں واحد جامع دستاویز ہے جس کے بارے میں ہم سب کی حیرت اور دلچسپی بالکل ایک قدرتی امر ہے۔

Marfat.com

اب ذرا اپنی اوقات اور دوہری حیثیت کے بارے میں ایک ضروری وضاحت بحیثیت ایک "پیشہ ور" مبصر کے میرا تعلق اس عہدے سے تھا جس پر اس وقت میرا تقرر تھا یعنی ڈائریکٹر انٹر سروسز پبلک ریلیشنز، جس پر آج کل میرے ہی ایک انتہائی عزیز اور لائق دوست بریگیڈیئر تفضل حسین صدیقی صاحب متعین ہیں۔

بطور ایک "غیر پیشہ ور" اور جز وقتی شریک اور حصہ دار کے میری ثانوی حیثیت کا دارومدار میرے اس فعل وعمل سے تھا جو میں نے جنرل ہیڈکوارٹرز اور ہیڈکوارٹر سی۔ ایم۔ ایل۔ اے میں متعین پالیسی ساز حضرات کو جو میرے افسران بالا بھی تھے، وقتاً فوقتاً مشوروں اور جائزوں کی شکل میں انجام دیا۔

مجھے ہیڈکوارٹر سی۔ ایم۔ ایل۔ اے اور جنرل ہیڈکوارٹرز دونوں ہی کی طرف سے ہدایت تھی کہ میں اپنے طور پر مشرقی پاکستان کی صورت حال کے بارے میں ہر قسم کی رائے اور تجزیہ اور تبصرہ پیش کر سکتا ہوں خواہ تحریریں خواہ تقریریں۔ انجام کار میں خود اپنی درخواست پر بحیثیت ایک گواہ کے حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے بھی پیش ہوا۔ میرا نمبر غالباً ۱۲۳ واں تھا اور مغربی پاکستانی گواہوں میں شاید میں آخری گواہ تھا مشرقی پاکستان سے جو فوجی اور سویلین حضرات ہندوستان کے کیمپوں سے ۱۹۷۴ء میں واپس ہوئے انکی شہادتیں اور بیانات بعد میں لیے گئے۔

میں نے جو بیان اور کاغذات حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے پیش کیے وہ یقیناً کمیشن کے ریکارڈ پر ہوں گے۔ اور وقت آنے پر سب کے سامنے آجائیں گے۔ بہر حال جہاں تک مجھے یاد ہے ان میں کوئی ایسی چونکا دینے والی بات نہیں ہو گی۔

میری رائے میں ۱۹۷۱ء کا المیہ دردناک سے دردناک یونانی ٹریجڈی سے بھی کہیں زیادہ المناک تھا ان معنوں میں کہ یہ محض ڈرامہ نہیں تھا بلکہ ایک ٹھوس اور ناقابل بیان حد تک کربناک حقیقت تھی جس سے کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور کوئی بھی صاحب ہوش وفکر بالغ پاکستانی اس سنگین الزام سے خود کو بری الذمہ

Marfat.com

قرار نہیں دے سکتا کہ وہ عمداً یا سہواً، عملاً یا فکراً اس ہمہ گیر اور خوفناک ٹریجڈی میں برابر کا شریک اور حصہ دار نہیں تھا جس کے نتیجے میں پاکستان دولخت ہوا۔ جہاں تک مشرقی پاکستان کے باسیوں یا وہاں کے طاقت ور علیحدگی پسند عناصر کا تعلق تھا سو وہ تو کھلی بغاوت اور خانہ جنگی پر اتر آئے۔ رہا مغربی پاکستان والوں کا تعلق، ہم نے ایسا بے نیازی کا انداز اختیار کیا کہ جیسے یہ سب کچھ خود ان کے ملک میں نہیں بلکہ کسی اور دور دراز علاقے میں ہو رہا ہو اور اس طرح اس المیہ میں اندوہناک اور اٹل قطعیت پیدا ہو گئی۔

ایک عام شکایت جو اس کے متعلق سنی گئی اور ہنوز سننے میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ قوم کو (یعنی مغربی پاکستان والوں کو) مشرقی پاکستان کی صورت حال سے بے خبر رکھا گیا۔ ہر چند کہ مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن کے آغاز اور اس پر طویل عمل کا سب کو علم تھا، اس کے علاوہ بیرونی ذرائع ابلاغ بالخصوص ریڈیائی نشریئے ہر وقت مشرقی پاکستان کی تیزی سے بگڑتی ہوئی صورت کے متعلق خبریں اور تبصرے نشر کرتے تھے، مگر ہم میں سے بیشتر سامعین ان خبروں اور تبصروں کو محض دشمن کا پروپیگنڈہ قرار دے کر سنی اَن سنی کر دیتے تھے اور اس طرح ہم حقائق کا سامنا کرنے سے کتراتے رہے۔

حقیقت سے مسلسل گریز کی انتہا اس وقت ہوئی جب ستمبر اکتوبر ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان پر ہندوستان کی کھلی اور بھرپور فوجی جارحیت سے صرف چند ہفتے پہلے اور عین اس وقت جب پورے مشرقی پاکستان میں بغاوت اور خانہ جنگی اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکی تھی، ہم نے وہاں ضمنی انتخابات کا اہتمام اور ان نشستوں پر جو عوامی لیگ کے منتخب اراکین کے ہندوستان بھاگ جانے سے خالی ہو گئی تھیں، امیدوار کھڑے کیے اور انہیں بلامقابلہ منتخب کرایا۔

ہو سکتا ہے ریٹائرڈ میجر جنرل راؤ فرمان علی خان صاحب اور ریٹائرڈ میجر جنرل غلام عمر صاحب جو انتخابی عمل کے نزدیک تھے، ان حالات پر معقول روشنی ڈال سکیں جو ایسی

ان بے وقت اور بیکار انتخابات کا اہتمام کرایا گیا۔ جنرل فرمان اس وقت ڈھاکہ میں بحیثیت میجر جنرل سول افیئرز کام کر رہے تھے جبکہ جنرل عمر پنڈی میں نیشنل سیکورٹی کونسل کے چیئرمین تھے۔

ایک غیر ملکی اخباری نامہ نگار اکتوبر کے اواخر میں میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ تم لوگوں نے یہ کیا انتخابات کا ڈھونگ رچایا ہے۔ وہاں پر حالات تو بالکل ایک بھیانک خواب کی طرح ہیں بھلا ایسے حالات میں انتخابات کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے یہ صرف ایک واقعہ ہے جبکہ اس قسم کے ہزارہا واقعات مشرقی پاکستان میں پیش آئے اور جن کا علم اور تجزیہ از بس ضروری ہے۔ تاریخ کو گذشتہ را صلوٰۃ کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا۔

منجملہ وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حمود الرحمن کمیشن رپورٹ کو شائع کیا جائے کیونکہ ۱۹۷۱ء تک کے متحدہ پاکستان کی پرآشوب تاریخ سے متعلق یہ اہم ترین واحد دستاویز ہے اور اس لحاظ سے اس کو قالین کے نیچے نہیں دبایا جا سکتا اور وہ بھی محض اس لیے کہ ابھی چند پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں۔ رہا یہ کہ چونکہ اس المیے کے تین بڑے کردار یعنی جنرل یحیٰی، بھٹو اور مجیب انتہائی کربناک حالات میں اپنے اپنے انجام کو پہنچ چکے ہیں اس لیے اس باب کو سرے سے ہی بند کر دینا چاہیے تو یہ نہ صرف عظیم بے عقلی ہوگی بلکہ ہٹ دھرمی اور حقیقت بینی سے گریز بھی۔

کسی عاقل کا قول ہے کہ ہمیں اپنی غلطیوں کے بجائے دوسروں کی غلطیوں یا بالفاظ دیگر تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ مگر ادھر ہم ہیں کہ خود سنگین غلط کاریوں اور کوتاہیوں سے بھی سبق حاصل نہیں کرتے یا اپنے ساتھ اس سے بڑا ظلم اور کونسا ہو سکتا ہے۔

تاریخ کو لکھنا چاہیے اور محفوظ کرنا چاہیئے تاکہ محض سنی سنائی باتوں اور افواہ کا راستہ بند ہو جائے۔ مزید براں جہاں تک قدرت کے انصاف اور انتقام کا تعلق ہے تو ہر چند اس کی زد سے بچ کر کوئی نہیں نکل سکتا۔ انسانی قانون اور اس کی عملداری اپنی جگہ پر رہتی ہے، قدرتی انصاف اپنی جگہ ہے مگر قانون کا نعم البدل نہیں۔

Marfat.com

۱۹۷۱ء کے المیے سے متعلق حضرات کو محض اس لیے نہیں بخشا جا سکتا کہ ان کے چند بد نصیب ساتھی اب کیفرِ کردار کو پہنچ چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بقول میر ؎

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

بچنے والے حضرات یقین سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ خود ان کا انجام کیا ہونے والا ہے اور ایک اچھے مسلمان کی طرح انہیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہیے۔

تاریخ اگرچہ پیچ در خم کہانی ہوئی چلتی ہے۔ ایک سیدھے اور متعین راستے پر نہیں ہمیں ہمیشہ یہ بات اپنے ذہن میں رکھنی چاہیے اور کبھی بھول کر بھی اپنے آپ کو تاریخ کے بہاؤ سے محفوظ یا بالاتر نہیں سمجھنا چاہیے اور ذاتی محاسبہ اور تجزیہ خواہ یہ کتنا ہی تکلیف دہ کیوں نہ ہو کرتے رہنا چاہیے۔

ہمیں حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کے متعلق کچھ علم نہیں۔ ہمیں یہ بھی علم نہیں کہ وہ ابھی تک محفوظ اور صحیح سالم بھی ہے کہ نہیں۔ عمدہ بات تو یہی ہوتی کہ کم از کم رپورٹ کے اس خلاصہ کو جو کمیشن نے عام اشاعت کے لیے تیار کیا تھا، جاری کر دیا جائے۔ تاکہ مشرقی پاکستان میں شرمناک فوجی شکست اور مغربی پاکستان میں اچانک جنگ بندی کے بارے میں جو شبہات اور وسوسے ہمارے ذہنوں میں ہیں ان میں اگر سب کا نہیں تو کچھ کا ازالہ ہو سکے۔ تاہم اگر یہ بات فوری طور پر ممکن یا مناسب نہیں تو ایک اور کمیشن کا قیام عمل میں لایا جا سکتا ہے۔

یہ کمیشن بالکل غیر عدالتی ہو اور اس کی حیثیت ایک ذاتی محاسبے اور اعتراف کی سی ہو اور اس کے سامنے تمام وہ حضرات جن کا تعلق ۱۹۷۱ء کے المیے سے رہا ہو اور جو حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے بطور گواہ پیش ہوئے ہوں اور ابھی تک بقیدِ حیات ہوں، پیش ہو کر خدا کو حاضر و ناظر جان کر اپنا اپنا بیان ریکارڈ کروائیں۔ یہ بیان حلفیہ بیان کی صورت میں ہو سکتا ہے اور شہادت کی شکل میں بھی۔

Marfat.com

یہ کیشن جزا اور سزا کا اہل نہیں ہوگا اور نئی شہادتوں کی روشنی میں اس کا استحقاق صرف حکومت ہی کو ہوگا۔

مجوزہ کمیشن کا صدر ایک ایسا سینئر ریٹائرڈ جنرل ہو سکتا ہے جس کا تعلق ۱۹۷۱ء کے المیہ سے رہا ہو اور جو بطور گواہ پیش ہو کر اپنا بیان بھی قلم بند کروا چکا ہو۔

اس ضمن میں سب سے پہلا نام جو میرے ذہن میں آیا وہ جنرل عبدالحمید خان (ریٹائرڈ) کا ہے (مگر افسوس جب یہ سطور قلم بند کی جا رہی تھیں اس وقت ان کے انتقال پُر ملال کی خبر آئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون) ان کا مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن سے بہت گہرا تعلق رہا تھا ہر چند کہ جنرل حمید (مرحوم) یحیٰی خان کے نمبر ۲ اور ان کے قریب ترین دوست بھی تھے مگر فوج میں ان کی شہرت ہمیشہ ایک سنجیدہ اور صحیح الدماغ افسر کی رہی۔

جنرل حمید مرحوم کے بعد دوسرے SENIOR MOST افسر وائس ایڈمرل (ریٹائرڈ) ایس۔ ایم احسن، سابق کمانڈر انچیف پاکستان نیوی اور سابق گورنر مشرقی پاکستان ہیں۔ ایڈمرل احسن غالباً واحد فرد ہیں جن کا کردار پورے قومی بحران کے دوران بے داغ رہا ہے اور جن کی حب الوطنی پر آج تک کسی نے بھی حرف گیری نہیں کی۔

ایڈمرل صاحب کے بعد جو سینئر حضرات ہیں ان میں لیفٹیننٹ جنرل گل حسن خان جو بحران اور جنگ کے دوران پاک فوج کے چیف آف دی جنرل اسٹاف (CHIEF OF THE GENERAL STAFF) تھے اور جن کا لازمی طور پر فوجی منصوبہ بندی سے بہت گہرا تعلق رہا ہے اور ائیر مارشل رحیم خان کمانڈر انچیف پاک فضائیہ ہیں۔ مگر چونکہ یہ دونوں حضرات متنازع فیہ شخصیات کے حامل رہے ہیں اس لیے گواہوں کے طور پر تو البتہ انہیں پیش ہونا ہوگا مگر مجوزہ کمیشن کے سربراہ کی حیثیت سے ان کی حیثیت محل نظر ہے۔

Marfat.com

رہا جنرل ٹکا خان اور لیفٹننٹ جنرل امیر عبداللہ خان نیازی کا معاملہ، ان کی حیثیت اور ریکارڈ جنرل گل حسن اور ایئر مارشل رحیم سے بھی زیادہ متنازعہ فیہ رہا ہے اور ان کی حیثیت گواہوں سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

مشرقی پاکستان سے متعلق حضرات کی اکثریت الحمداللہ ہنوز بقید حیات ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔

بحران سے وابستہ افراد پر یہ پوری قوم کا قرض ہے اور یہ قرض انہیں کبھی نہ کبھی چکانا ہی ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ یہ خود ہی اپنے ہاتھوں اور اپنے ہوتے ہوئے اس بار عظیم سے سبکدوش ہو جائیں۔

اللہ دانا، بینا اور عدل و انصاف اور جزا و سزا کا سرچشمہ ہے، مگر اس نے یہ اختیار اپنے بندوں کو سونپا ہے کہ وہ خود عقل اور انصاف کی روشنی میں اور قانون خداوندی کے عین مطابق دوسروں سے اور اپنے آپ سے انصاف کریں۔

ہمیں اس امر کا اعتراف کرنا ہوگا کہ ۱۹۷۱ء کا المیہ ہماری مکمل ناکامی کا نتیجہ تھا اور ہم اس کی ذمہ داری سے صرف کندھے اچکا کر عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو اور ہمیں وہ انصاف کی راہ پر گامزن کرے۔ آمین ثم آمین ؎
میں بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) محترم عبدالرحمٰن صدیقی صاحب کے ان خیالات پر کسی تبصرہ یا رائے کے اظہار کو غیر ضروری سمجھتا ہوں اور قارئین کرام کی رائے پر اثر انداز ہونا نہیں چاہتا۔ موضوع زیر بحث پر میں نے جو کچھ کہا ہے وہ "عظیم المیہ در المیہ" کے اوراق میں محفوظ کر دیا گیا ہے اس کے بعد میں اس توفیق پر جو اللہ رب العزت نے مجھ عاجز اور کمتریں کو عطا فرمائی، اس مالک حقیقی کی بارگاہ میں سر عجز و نیاز جھکا کر دعا کرتا ہوں "اے میرے پیدا کرنے اور پالنے والے تو اپنی رحمت سے ہمیشہ مجھے حق گوئی اور حق شنوئی کی توفیق پر قائم رکھنا اور راہ ہدایت پر چلتے رہنے اور دعوت حق کا فرض پورا کرنے میں میری مدد فرماتے رہنا کہ میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں بیشک تو دعا سننے اور قبول کرنے والا ہے آمین ثم آمین" ــــــــ الہ لضعیف جیلانی چاند پوری

Marfat.com

نابالغ "سیاستکاروں" کی اپنی نادانی پر شرمساری

میرے مضامین پر مشتمل زیر تدوین کتاب "عظیم المیہ در المیہ" کی کتابت کے وقت یعنی ان مضامین کی روزنامہ "نوید" میں اشاعت کے تقریباً دس سال بعد محض سیاستکاروں نے بالآخر اپنی سیاسی نادانی اور فکری نابالغت کو محسوس کر ہی لیا اور انہیں اس کا ادراک ہوا کہ وہ اس وقت جبکہ سانحہ مشرقی پاکستان عظیم المیہ کا روپ دھار رہا تھا، سیاسی طور پر نابالغ تھے اس سلسلہ میں سب سے پہلے "پاکستان کے کہنہ مشق" صحافی جناب پیر علی محمد راشدی کے خیالات ملاحظہ فرمایئے اور ان کے ذریعہ ان کے محسن دوست سکندر مرزا (جن کے وہ بقول خود "یار وفا شعار" ہونے کے ساتھ ساتھ چودھری محمد علی صاحب سابق وزیر اعظم پاکستان کی طرح "کروٹیں بدلتے رہنے والی" مسلم لیگ کے غلسار بلکہ نمک خوار تھے اور جن کی عنایت سے وزارت، سفارت اور نہ معلوم کس کس سعادت سے مشرف و ممتاز ہوتے رہے ہیں) کے بیانات کو جس کا عنوان راشدی صاحب نے روزنامہ جنگ کی ۲۲ دسمبر ۱۹۸۲ء اور اسی اخبار کی ۹ جنوری ۱۹۸۳ء کی اشاعتوں میں "مشرق و مغرب" کے مستقل کالموں کی قسط ۱۳ اور ۱۲ میں انٹرویو ود سکندر اعظم کا نہیں اپنے یار سکندر مرزا کا" فرمایا ہے، بطور "زود پشیماں" کی توبہ کے مطالعہ فرما لیجئے۔

راشدی صاحب اپنے کالم "مشرق و مغرب" کی سابقہ اشاعتوں میں دو قسطوں سے مسلسل شریک سکندر مرزا صاحب کے انٹرویو کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

اسکندر مرزا مرحوم کے زیر بحث انٹرویو میں ان کے دور کی پہلی وزارت کی ساخت کا ذکر آیا ہے۔

Marfat.com

انہوں نے فرمایا ہے کہ جب ان کو مسلم لیگ پارٹی کی طرف سے یہ قرارداد موصول ہوئی کہ سہروردی کو وزارت بنانے کے لیے دعوت دی جائے تو اس قرارداد کو انہوں نے اس بنا پر رد فرمایا کہ سہروردی کی پارٹی میں صرف چودہ ممبر تھے اور چونکہ یہ اسمبلی کی اکثریت نہیں بنتی تھی لہٰذا ان کو وزارت سازی کے لیے بلانا خلاف آئین تھا۔ مزید انہوں نے یہ گوہر افشانی فرمائی ہے کہ "ایسے حالات میں میں نے خود مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر چوہدری محمد علی کو دعوت دے دی کہ وہ خود وزارت بنالیں اور وزیراعظم بن جائیں۔ محمد علی نے یہ دعوت قبول کرتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ میں سہروردی کو سمجھا دوں کہ وہ اس کو تنگ نہ کریں۔"

یہ عذر مرزا صاحب کا قطعاً غلط ہے۔ اولاً چوہدری محمد علی نے خود اپنی کتاب THE TASK BEFORE US (صفحہ ۳۰۰) میں اس کی تکذیب کر دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اسکندر مرزا خود میرے گھر آئے اور اس وقت تک وہاں سے اٹھنے کا نام نہیں لیا جب تک میں نے وزیراعظم بننا منظور نہیں کیا۔" ثانیاً یہ سفارش جو سہروردی کے حق میں کی گئی تھی وہ ان کی پارٹی کے صرف چودہ ممبروں کی طرف سے نہیں تھی بلکہ مسلم لیگ اور عوامی لیگ کی مشترکہ پارٹی کے ۵۴ ممبروں کی طرف سے کی گئی تھی اور یہ میجارٹی تھی اسمبلی ممبروں کی۔

واقعہ یہ تھا کہ ۱۹۵۵ء کے نئے انتخابات کے بعد مسلم لیگ اور عوامی لیگ کے مابین ایک عہد نامہ ہو گیا تھا کہ یہ دونوں پارٹیاں مل کر وزارت بنائیں گی اور اس کا وزیراعظم سہروردی بنے گا۔ اس عہد نامہ کی بنیاد پر مسلم لیگ نے وزارت سازی کے لیے سہروردی کا نام دے دیا تھا۔ پس یہ تنہا سہروردی کے ۱۴ ممبروں کی آواز نہیں تھی، یہ مشترکہ پارٹی کی آواز تھی جس میں ۸۰ میں سے ۵۴ ممبر شامل تھے۔ گورنر جنرل کو آئین خواہ قانون کے تحت اس سفارش کو رد کر کے اپنی من مانی کرنے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔

سوال ہے کہ اسکندر مرزا نے خلاف آئین یہ حرکت کیوں کی۔؟

وجوہات یہ سمجھ میں آرہی تھیں۔

Marfat.com

(۱) وہ مسلم لیگ اور عوامی لیگ کا اتحاد نہیں چاہتے تھے اور ان کے آپس کے عہد نامے کو تڑوانا چاہتے تھے۔

(۲) کیونکہ اگر ان کی مشترکہ وزارت بن جاتی تو وہ اس قدر مضبوط ہوتی کہ اس کے سامنے ان کی اپنی ہرگز نہیں چلتی اور وہ بے بس ہو کر رہ جاتے یہ چیز ان کے مزاج اور ان کے مستقبل کے منصوبوں کے خلاف جاتی۔

(۳) اس خیال سے انہوں نے خود چوہدری محمد علی کی طرف وزارت عظمیٰ کا لڈو پھینکدیا جو انہوں نے اٹھا لیا اور عہد نامہ کو توڑ دیا۔ اسی بارے میں روایتوں میں تھوڑا سا اختلاف ہے مثلاً اسکندر مرزا کا کہنا ہے کہ جب محمد علی سہروردی کا نام لے کر ان کے پاس پہنچے اور مرزا صاحب نے خود ان کو وزیر اعظم بننے کے لیے کہدیا تو انہوں نے (یعنی محمد علی نے) بلا پس و پیش فوراً وہ آفر قبول کر لی۔ اس کے برعکس چوہدری محمد علی کی اپنی روایت یہ ہے کہ یہ آفر لے کر مرزا صاحب خود ان کے گھر پہنچے تھے اور اس وقت تک وہاں سے ٹلنے کا نام نہیں لے رہے تھے جب تک کہ چوہدری صاحب نے وہ آفر قبول نہ فرمائی۔

بہر حال جس نے جو کچھ کیا یعنی چوہدری صاحب نے وزارت عظمیٰ خوشی سے قبول کر لی یا مجبور ہو کر قبول کی، بہت ہی برا کیا۔ ان کی یہ بد عہدی، بنگالیوں کی نظر میں، سارے مغربی پاکستان کی بد عہدی بن گئی اور اس وجہ سے بنگالیوں کے دلوں میں مغربی پاکستان کی لیڈر شپ کے کیریکٹر اور نیتوں کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور جو کدورتیں بیٹھ گئیں وہ آخر تک رفع نہیں ہو سکیں اور آگے چل کر یہ پہلی اینٹ بنیں اس بنیاد کی جس پر بعد کا "بنگلہ دیش" استوار ہوا۔ سیاست اعتبار پر چلتی ہے اگر کسی کے کیریکٹر یا لفظ پر اعتبار ہی نہ رہے تو اس سے سیاسی اتحاد یا الحاق، تعلقات یا اخوت کا سوال کہاں پیدا ہو سکتا ہے؟ کیا یہ وہی عوامی لیگ نہیں تھی جس سے اس روز کی اسکندر مرزا کی اس حرکت

Marfat.com

کی وجہ سے مغربی پاکستانیوں سے ناامید اور بد دل ہوکر آخر بنگلہ دیش کی تحریک چلائی اور مستقل طور پر ہم سے علیحدگی اختیار کر لی؟ ورنہ کیا یہ اسی عوامی لیگ کا لیڈر یہی سہروردی نہیں تھا جس نے ۱۹۴۶ء والے مسلم لیگ لیجسلیٹرس کے دہلی کنونشن میں زور کر کے مشرقی بنگال کو مغربی پاکستان میں شامل کروایا تھا۔؟کیا اسی موقع پر سہروردی کی ہوئی تقریر تاریخ کے صفحات سے مٹ سکتی ہے یا ہم بھول سکتے ہیں۔؟

تو پھر چند سال کے اندر اندر یہ کیا ہوا کہ اسی سہروردی کے پیروؤں اور جماعت والوں کی سوچ اور موقفوں میں اس قدر فرق آگیا۔؟

کیا یہ اسی صدمے یا SHOCK کا تو اثر نہیں تھا جو اسکندر مرزا کی اس روز کی سیاسی چال کی وجہ سے بطی الحسن اور شعلہ مزاج بنگالیوں کو پہنچا؟ کیا مرزا صاحب نے انگریز سے کچھ نہیں سیکھا ہوا تھا؟ کیا یہ انگریز استاد کی حکمت عملی نہیں ہوتی تھی کہ مناسب موقعوں پر ایک خفیف سی سیاسی چال چل لو جس سے سارے عالم میں فتنہ بپا ہو جائے۔ کیا مرزا صاحب انگریز کے پرانے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے تربیت یافتہ نہیں تھے؟ کیا یہ واقعہ نہیں تھا (جس کا ذکر فخریہ انداز میں خود انگریزوں نے اپنی کتابوں میں کیا ہے) کہ مرزا صاحب جب پشاور میں پولیٹیکل ایجنٹ تھے اور وہاں ایک مجمع نے گورنر ہاؤس پر مظاہرہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا تو مرزا صاحب نے پیشگی انتظام کر کے مجمع والوں کو زبردست جلاب پلوایا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورنر ہاؤس پر ہلہ بول دینے کے عوض مجمع کو جنگل کی طرف بھاگ جانا پڑ گیا تھا۔

بہرحال ایک دن لازماً آئے گا جب مستقبل کے کسی نہ کسی نڈر مورخ کو یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ مشرقی بنگال کے جو مسلمان ۱۹۴۷ء میں اس قدر شوق سے مغربی پاکستان میں شامل ہوئے تھے وہ دوبارہ پندرہ سال کے مختصر عرصہ کے اندر یعنی ۱۹۷۰ء میں اخوت اسلامی کے جملہ تقاضے پس پشت ڈال کر کیوں ہم سے علیحدہ ہو گئے؟ ان میں اتنی نفرت کیوں آگئی؟ اور ان کا اعتبار ہم پر سے کیوں اٹھ گیا۔؟ یہاں تک کہ انہوں نے مرنا تو قبول کر لینا مگر ہمارے

Marfat.com

ساتھ رہنا گوارا نہیں کیا۔؟

آج کل میں دیکھ رہا ہوں کہ خود ہمارے یہاں کے سوچنے والے جن میں بڑی بڑی مقتدر ہستیاں شامل ہیں اب اس رائے کے ہو رہے ہیں (مثلاً ملاحظہ ہو صفحہ اول جنگ مورخہ ۱۸ نومبر) کہ المیہ مشرقی پاکستان بعض ہماری اپنی " حماقتوں " کی وجہ سے ہی واقع ہوا اس کے بعد ہم کو ایک قدم آگے بڑھ کر یہ بھی سوچنا ہوگا کہ حماقتوں کے اس سلسلے کی بنیاد ڈالنے والے کہیں یہ اسکندر مرزا صاحب تو نہیں تھے جنہوں نے چوہدری محمد علی مرحوم کی گیارہ مہینے کی وزارت عظمیٰ کی خاطر مشرقی پاکستان کی نظروں میں مغربی پاکستان کو بدعہد اور ٹھگ ثابت کر کے ایک ایسا زہریلا پودا لگا دیا جس کا ثمر بالآخر بنگلہ دیش کی صورت میں ہمارے سامنے آیا!

ایک چھوٹی سی اور عارضی چیز اور اس کے لیے اتنا بڑا نقصان۔؟

بہرحال یہ مسئلہ کا صرف ایک پہلو تھا۔

(۲)

یا بالفاظ دیگر ڈرامہ کا یہ آخری یا ڈراپ سین تھا۔

اس ساری المناک اسٹوری کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم قدرے پیچھے ہٹ کر ساری اسٹوری پر شروع سے آخر تک نظر ڈالیں اور اس پر غور کریں۔

جس طرح کہ پہلے بارہا لکھا جا چکا ہے اس اسٹوری کی ابتدا اس طرح سے ہوئی کہ پاکستان بنتے ہی انگریز نوکر شاہی کے تین اعلیٰ کارندے دہلی سے چل کر یہاں پہنچ گئے اور پہنچتے ہی خوشی سے انتظامیہ کے کلیدی عہدوں پر بیٹھ گئے —— یہ اسکندر مرزا، غلام محمد اور چوہدری محمد علی صاحب تھے ۔ (اس وقت یہ تینوں مرحوم ہیں۔ ہماری تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوا تھا وہ ان کے ہاتھوں ہو چکا۔ مگر ہم اس کے باوجود مسلمانی شان رکھتے ہوئے آج بھی ان کے حق میں دعائے مغفرت کے طالب ہیں۔)

ان تین حضرات کی شروع سے یہ خواہش تھی کہ اس نوآزاد ملک (جس میں

Marfat.com

ہنوز جمہوریت کی جڑ نہیں لگی ہے) کو نوکر شاہی کی ریاست بنا دیا جائے۔ تاکہ اس طبقہ کے اقتدار اور اقبال میں انگریز کے چلے جانے سے کوئی فرق نہ آنے پائے۔ ان کے سامنے مغلوں کے آخری زمانے کی تاریخ موجود تھی جب مغلوں کے ملازم جن کو نواب یا وزیر کہا جاتا تھا، خود اپنے اپنے علاقوں کے بادشاہ بن کر بیٹھ گئے تھے اور حقیقی بادشاہوں کو شاہ شطرنج بنا کر چھوڑ دیا تھا (ایک مغل بادشاہ کو تو اندھا بھی کر دیا تھا تاکہ وہ ان کے کام میں دخل دینے کے قابل نہ رہے)

سچ تو یہ ہے کہ ہماری اپنی تقدیر بھی بگڑی ہوئی تھی۔ تیرہ مہینہ کے اندر ہمارے قائد جمہوریت یعنی قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو ٹی۔ بی کا موذی مرض کھا گیا اور ان کے علاج کا انتظام اس پیمانے پر نہیں کیا گیا جس پیمانے پر مملکت کے سربراہ اور ملت کے باپ کے علاج کا اہتمام ہونا چاہیے تھا جتنی تھوڑی سی جان سفر کوئٹہ کے بعد بھی ان کے تن میں رہ گئی تھی وہ ان کے شایان شان سواری کے لیے بھیجی ہوئی کہن سال اور اب مڈھال ایمبولینس کے راستہ میں خراب ہو کر گھنٹوں رکے رہنے کی وجہ سے بیماری کی مکھیاں چاٹ گئیں اور گھر پہنچتے ہی وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے منہ موڑ گئے۔

ان کی جگہ سر دست تو قائد ملت نے سنبھال لی مگر ابھی وہ بھارت کو مکّا دکھانے میں مصروف تھے اور نئے انتخابات کے لیے سوچ رہے تھے کہ ان کو "شہید ملت" کے اعلیٰ منصب پر بٹھا دیا گیا۔

اب میدان صاف تھا رہ گئے اکے ڈ ھکے سیاست کار تو ان کو ٹھکانے لگا دینا نوکر شاہی کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا ـــــ غلام محمد خود سربراہ مملکت بن چکا تھا اور یادش بخیر، پروڈا نو پاس کر ہی لیا گیا تھا۔

Marfat.com

(۳)

نوکر شاہی کی اس یورش کو روکنے کے لیے سیاسی تنظیمیں کام آ سکتی تھیں مگر صورت حال یہ تھی کہ یہاں کی اکثر تنظیمیں پاکستان بننے کی ہی مخالف تھیں، سوائے ایک مسلم لیگ کے۔

مسلم لیگ کا پاکستان بننے کے بعد یہ حال تھا کہ جیسے ہی اس کی کونسل کی پہلی میٹنگ ہوئی قائد اعظم نے اس سے اپنی لاتعلقی کا اظہار فرما دیا (جہاں تک مجھے یاد ہے، ان کا ایک بیان بھی اس بارے میں انہی دنوں کراچی کے اخبارات میں شائع ہو گیا تھا) قائد اعظم نے پاکستان بن جانے کے بعد نئے حالات کے پیش نظر مزید وقت مسلم لیگ کو اپنی سرپرستی اور شمولیت کا شرف بخشنا، کیوں پاکستان کے مفاد کے خلاف سمجھا؟ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اگر پاکستان بن جانے کے بعد بھی قائد اعظم مسلم لیگ جیسی فرقہ وارانہ تنظیم سے خود کو وابستہ رکھنا (اور اس کو اس کے پہلے والے مقام پر قائم رکھنا) پاکستان کے حق میں مفید سمجھتے تو وہ ہرگز ہرگز اس سے علیحدہ ہو کر اس کو خلیق الزماں مرحوم کے دار الامان میں داخل نہیں کروا دیتے اور خود اس "دار الامان" کا یہ حال بننے نہ دیتے کہ کراچی کے لڑکے کٹے دن جلوس نکال کر بار بار اس پر پتھر پھینکتے رہیں۔ ("تاریخی خواہ سیاسی لحاظ سے یہ ایک ایسا معمہ ہے کہ کسی نہ کسی روز محققوں کو لازماً اس کا حل فراہم کرنا پڑے گا۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا کہ قائد اعظم پاکستان بنتے ہی مسلم لیگ کو نئے حالات میں ایک غیر ضروری جماعت اور اپنی مزید شمولیت کے ناقابل قرار دے کر اپنے سے دور پھینک دیں!)

---

(۴)

بہر حال قائد اعظم کے چھوڑ جانے کے بعد مسلم لیگ عملی لحاظ سے ایک سیاسی فلاڈ سا بنکر رہ گئی اور اسی نوکر شاہی کے ہاتھ چڑھ گئی جو اس کو ہر جائز اور ناجائز کام کے لیے ایکسپلائٹ

Marfat.com

کرتی رہی۔

میں کیا عرض کروں کہ قائدین کے بعد کس ٹائپ اور کس قماش کے لوگ مسلم لیگ کے ویرانے پر قبضہ کر کے اس کو اپنے مقاصد کے لیے گھسیٹتے رہے اور اس کے پرانے نام اور پچھلے کام کو سادہ دل اور نیک نیت مسلمان عوام کو پھسلانے کے لیے استعمال کرتے رہے۔؟

کیا اس بارے میں صرف یہ بتا دینا ہی کافی نہیں ہوگا کہ ہماری تاریخ کی تقریباً جملہ متنازع شخصیتیں اسی "مسلم لیگ" کے ٹکٹ پر اپنے آپ کو منتخب کروا کر مدتوں اسی قوم کے سینے پر سوار رہیں؟ ـــــ مثلاً یہی اسکندر مرزا یہی چوہدری محمد علی یہی گورمانی، یہی ریپبلکن پارٹی کے دور کے مرغان بادنما اور یہی پیدائشی چھچے جو ہر نظام استبداد سے تعاون کر کے بڑے بڑے عہدے بٹورتے رہے، مسلم لیگ ٹکٹ کی پیداوار نہیں تھے؟ کس ٹکٹ اور کس نام پر یہ حضرات لوگوں سے ووٹ لیتے رہے تھے؟ کیا یہ ستم کوئی بھولنے کی چیز ہے کہ ایک بار ایوب خان مرحوم نے بھی مسلم لیگ کے ویرانے پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کو کنونشن مسلم لیگ کے نام سے سرفراز فرما کر اس کے بل بوتے پر صدارت کے انتخاب میں قائداعظم کی اپنی ہمشیرہ محترمہ کا مقابلہ کیا تھا اور اس خاتون کو جس کو ملت کی ماں (مادر ملت) سمجھا جاتا تھا خود اس کے بیٹوں اور بیٹیوں کے ووٹ سے ایسی شکست کھلوائی تھی کہ کچھ دنوں بعد وہ بستر پر پڑ گئیں ان کا دل ٹوٹ گیا تھا۔؟

ضمناً یہ عرض کر دینا بھی بے جا اور بے محل نہیں ہوگا کہ خدا نہ کرے کہ یہ ملت کسی نام کو اپنے سے نسبت کا اعزاز بخشے ـــــ ایک کو قائد ملت قرار دیا تھا اس کا وہ حال کیا، ایک کو "مادر ملت" بنایا تھا اس کا یہ انجام کیا ـــ خدا یا قوموں کو بچائیے!

اس قصہ پارینہ کو اس تفصیل سے بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قائدین کے بعد سیاسی جماعتیں اور تنظیمیں نوکر شاہی کی (جمہوریت کے خلاف) یلغار کو روکنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ خصوصاً مسلم لیگ کا تو یہ حال ہوا تھا کہ وہ خود نوکر شاہی کی داشتہ بن گئی تھی۔ (نوکر شاہی کے علاوہ باہر کے جو لوگ انتخابات کے وقت اس کا ٹکٹ حاصل کرتے تھے تو اس کی وجہ صرف یہ ہوتی تھی کہ وہ نوکر شاہی کی دھاندلیوں اور جھرلو سے محفوظ رہنا چاہتے تھے جو الیکشنوں کے دوران زبردست افسر لوگ مسلم لیگ کے پرچم تلے جاری رکھتے تھے۔)

مشرقی پاکستان میں جہاں پاکستان کی آبادی کی اکثریت رہتی تھی) مسلم لیگ کے نام پر یار لوگوں نے ایسا گند مچا رکھا تھا کہ اس کے تعفن اور بدبو سے بچنے کی خاطر بالآخر بنگالیوں نے ۱۹۵۵ء کے انتخابات میں من حیث القوم مسلم لیگ کے خلاف ووٹ دے کر اس کو ایسی شکست دی کہ مسلم لیگ کا وزیر اعلیٰ نور الامین مرحوم خود ایک اسکول کے عوامی لیگی لڑکے کے مقابلے میں پٹ گیا۔ صوبائی اسمبلی کی تقریباً ۳۱۰ (تین سو دس) نشستوں میں سے مسلم لیگ کو صرف نو ملیں اور مرکزی اسمبلی میں تو صرف ایک ہی نشست نصیب ہوئی۔

اب قارئین کرام خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ایسی جماعت نوکر شاہی کے مقابلے میں کس طرح پاکستان میں جمہوریت کو بچا سکتی تھی۔!

اور یہی جماعت تھی جس کی اسمبلی پارٹی کے لیڈر (اسی زمانے میں جب اسکندر مرزا مرکزی وزارت بنا رہا تھا اور اس کا ذکر اس نے اپنے انٹرویو میں کیا ہے) چوہدری محمد علی مرحوم بنے ہوئے تھے۔

میں چاہتا ہوں کہ اس سے آگے کا قصہ ذرا اور تفصیل سے بیان کر دوں ـــ شاید کہ میرے بعد اس دور کی اندرون خانہ کارگزاریاں بتانے والا کوئی اور نہ رہے۔ مگر اس کے لیے اگلے ہفتے کا انتظار کرنا پڑے گا۔

Marfat.com

اور پھر اگلے ہفتہ کی شائع ہونے والی اس "انٹرویو" کی چوتھی قسط میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا وہ یوں ہے کہ :۔

پچھلے ہفتے ، اسکندر مرزا مرحوم کے انٹرویو کے سلسلے میں ، اس نکتہ پر بحث ہو رہی تھی کہ چوہدری محمد علی مرحوم کیسے وزیر اعظم پاکستان بنے ۔؟

مرزا صاحب فرما گئے ہیں کہ جب چوہدری صاحب سہروردی مرحوم کے حق میں مسلم لیگ پارٹی کی پاس کردہ قرارداد لے گئے تو انہوں نے "چوہدری صاحب" خود کو وزیر اعظم بننے کی دعوت دے دی جو انہوں نے فوراً قبول کر لی !!

برعکس اس کے خود چوہدری صاحب اپنی کتاب میں لکھ گئے ہیں کہ انہوں نے یہ عہدہ اسکندر مرزا کے مجبور کرنے پر قبول کیا تھا ۔ بقول ان کے یہ "آفر" لے کر مرزا صاحب خود ان کے گھر پہنچے تھے اور تب تک وہاں سے ٹلنے کا نام نہیں لے رہے تھے جب تک کہ انہوں نے یہ "آفر" قبول نہ کر لی ۔

---

(۲)

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں تصحیح طلب ہیں ۔

چوہدری صاحب کو وزیر اعظم بنانے کا منصوبہ ، نوکر شاہی کی طرف سے پہلے سے بنایا ہوا تھا اور اس کے لیے حالات کو ساز گار بھی بنایا گیا تھا ۔ مثلاً

(۱) غلام محمد مرحوم نے جس طرح کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے ، بوگرہ مرحوم کو دباؤ کر اور پستول وغیرہ دکھا کر اس سے پرانی مرکزی اسمبلی تڑوا ڈالی تھی ۔

(۲) مولوی تمیز الدین والے مقدمے میں جناب منیر کا سیاسی فیصلہ (ان کے اپنے کہنے کے مطابق) صادر ہو چکا تھا جس کے تحت اسی ممبروں پر مشتمل نئی اسمبلی وجود میں آئی تھی ۔

Marfat.com

(۳) اس فیصلے کے تحت نئی مرکزی اسمبلی (جس کو شروع میں کنونشن کا نام دیا گیا تھا) کیلئے ازسر نو انتخابات کرا دیئے گئے تھے۔ انتخابات کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ سارے مشرقی پاکستان سے مسلم لیگ کا صرف ایک ممبر منتخب ہو کر آیا تھا۔ باقی ساری سیٹیں سہروردی مرحوم اور مولوی فضل الحق مرحوم کی پارٹیوں نے لے لی تھیں۔ مغربی پاکستان تو یہاں پوزیشن یہ بنی تھی کہ یہاں کی نوکر شاہی نے جس کا قبضہ مسلم لیگ پر ہو چکا تھا مسلم لیگ کے نام پر اکثریت تو اپنے آدمیوں کی منتخب کرالی تھی مگر کچھ لوگ اپنے ذاتی اثر و رسوخ کی بنا پر بھی منتخب ہو کر آ گئے تھے جن لوگوں کو نوکر شاہی نے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر مغربی پاکستان سے منتخب کروایا تھا ان میں اسکندر مرزا، چوہدری محمد علی اور نواب گورمانی شامل تھے۔ گورنر جنرل غلام محمد نے اپنا اختیار چلا کر نواب گورمانی کو اس نئی اسمبلی کا چیئرمین مقرر کر دیا تھا۔ گورمانی اس عہدہ کے علاوہ پہلے سے پنجاب کی گورنری پر بھی فائز تھے۔ جہاں سے اسمبلی ممبروں کی اکثریت کو اس نے اپنی صوابدید کے مطابق نئے انتخابات میں کامیاب کروالیا تھا۔ یہ انتخابات عوامی ووٹ سے نہیں کرائے گئے۔ صوبائی اسمبلیوں کے ممبروں کو ہی مرکزی اسمبلی کے لیے ممبر چنا گیا تھا۔

(۴) نئی اسمبلی کا ابتدائی اجلاس جولائی ۱۹۵۵ء میں کراچی کے بجائے مری میں بلا لیا گیا اس میں کیا حکمت یا مصلحت تھی اس کی خبر نہیں ہو سکی۔ البتہ نتیجہ یہ نکلا کہ مری پہنچتے ہی بنگال سے آئے ہوئے اکثر ممبر نزلہ زکام اور بخار میں مبتلا ہو گئے۔ بوگرہ مرحوم کی بیگم صاحبہ راستے میں مری پہنچنے سے پہلے بیمار پڑ گئیں اور ان کو پنڈی کے ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا۔ ایک بنگالی ممبر کی مری میں ٹانگ ٹوٹ گئی۔ مولوی فضل الحق پر جن کی عمر ۸۵ سال سے زیادہ تھی پہلے روز ہی شدید بخار کا حملہ ہو گیا۔ چنانچہ اجلاس شروع ہوتے ہی بنگالی ممبروں نے آہ و فریاد کی کہ مری میں اجلاس بلانے کا مقصد محض ان کو تنگ کرنے اور ان کی حاضری کو کم کرنے کا ہے اور اگر اجلاس فوراً ختم کر کے کراچی نہیں بلایا گیا، تو وہ اس کا بائیکاٹ کر دیں گے۔ مجبوراً دو دن کے اندر اجلاس ختم کر دیا گیا۔ اجلاس بلانے والوں کو اتنا فائدہ ضرور پہنچا کہ ان کو معلوم

Marfat.com

ہوگیا کہ بنگال کے گروپوں کے مابین شدید رقابت ہے۔ اس صورت حال کو اپنے مقاصد کے لیے آسانی سے ایکسپلائٹ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس کام کے لیے کچھ وقت کی ضرورت تھی۔ اجلاس ملتوی ہو جانے کی وجہ سے ان کو یہ وقت بھی مل گیا۔ جب سب لوگ کراچی پہنچ گئے تو یہاں سیاسی دلالوں نے جوڑ توڑ بازی کے ذریعے بنگالی گروپوں کی باہمی رقابت کو ہوا دینے اور ایکسپلائٹ کرنے کا کام کافی سرگرمی سے شروع کر دیا۔ دلالوں کا ایک گروپ سہروردی کے پیچھے لگ گیا اور دوسرا فضل الحق کے پیچھے یہی دو بڑے گروپ تھے جن میں بنگالی نمائندے بٹے ہوئے تھے۔

(۵) اس اثناء میں گورنر جنرل غلام محمد بیمار پڑ گئے اور ان کی جگہ اسکندر مرزا بنفس نفیس گورنر جنرل بن گئے۔

(۶) دراصل ایک مغربی پاکستان کے سب ممبر مل کر بھی اسمبلی اکثریت نہیں بن سکتے تھے اور اس وجہ سے مرکزی وزارت نہیں بنا سکتے تھے، لہٰذا وزارت بنانے کے لیے ضروری ہو گیا کہ بنگال کے دو گروپوں میں سے کسی ایک کو ضرور اپنے ساتھ شامل کر کے اکثریت بنائی جائے۔

(۷) یہی مقصد تھا جس کے حصول کے لیے بنگالی گروپوں کو آپس میں لڑانے اور ان میں سے کسی ایک کو کم سے کم قیمت پر اپنے ساتھ ملا لینے کے لیے دلالوں کے ذریعے یہ دوڑ دھوپ شروع کروا دی گئی تھی۔

(۸) نوکر شاہی کے سامنے اس وقت پروگرام یہ تھا۔

(الف) بوگرہ مرحوم جو اس وقت تک وزیر اعظم بنے بیٹھے تھے ان کو نکال کر ان کی جگہ پر چوہدری محمد علی کو وزیر اعظم بنایا جائے تاکہ باقی کام آسان ہو جائیں۔

بوگرہ کو دو سال استعمال کیا جا چکا تھا اب ان کا مزید مصرف نہیں رہا تھا۔

(ب) بنگالیوں کے اس گروپ کو اپنے ساتھ وزارت میں شامل کیا جائے جو ان چیزوں پر راضی ہو جائے (۱) وزارت عظمیٰ کے خواب نہ دیکھے (۲) ون یونٹ بنوائے (۳) بنگال کے لیے

اکثریت کی پوزیشن چھوڑ کر PARITY مساوات قبول کر لے

(۳)

کراچی واپس آنے کے بعد وزارت سازی کا کاروبار ان خطوط پر چلا:-

(۱) مسلم لیگ پارٹی کا اجلاس ہوا۔ بوگرہ کو اجلاس سے اس بنا پر نکال دیا گیا کہ ان کی اپنی امیدواری کا سوال (لیڈری کے لیے) در پیش ہوگا، اس وجہ سے ان کا وہاں موجود رہ کر خود اجلاس کی صدارت کرنا ممبر صاحبان کی آزادی سے اظہار رائے میں حائل ہوگا۔ وہ غریب اٹھ کر چلے گئے۔

(۲) ان کے جاتے ہی فیصلہ ہوا کہ بوگرہ کی جگہ چوہدری محمد علی پارٹی کے لیڈر ہوں گے۔

(۳) چوہدری محمد علی نے لیڈر بنتے ہی پارٹی کے سامنے اعلان کیا کہ سہروردی گروپ سے ان کا معاہدہ ہوگیا ہے اور وہ مسلم لیگ پارٹی کے ساتھ مل کر وزارت بنانے کے لیے تیار ہیں انہوں نے شرط صرف یہ ڈالی ہے کہ وزیر اعظم ان ہی کو بنایا جائے گا جو شرط ممبران نے بطیب خاطر قبول کر لی۔

(۴) بنا برایں اجلاس نے چوہدری صاحب کو منظوری دے دی کہ وہ اس معاہدہ کے مطابق مسلم لیگ پارٹی کی طرف سے گورنر جنرل کو وزارتِ عظمیٰ کے لیے سہروردی کا نام بھیج دیں۔

(۵) اجلاس دعائے خیر پر ختم ہوگیا۔ ہم سب ممبر اس وقت یہ اثر لے کر اٹھے کہ اب گورنر جنرل سہروردی کو ہی وزیر اعظم بننے کے لیے دعوت بھیج دیں گے کیونکہ قانونی اور آئینی لحاظ سے گورنر جنرل کے لیے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ وجہ یہ تھی کہ مسلم لیگ پارٹی اور سہروردی گروپ مل کر اسمبلی کی اکثریت بن گئے تھے۔

(۶) اس خبر کو اخبارات میں خوب مشتہر کر دیا تھا۔ لوگ سہروردی کو مبارک باد دینے کے لیے جوق در جوق ان کے یہاں حاضر ہونے لگے۔ خود اس غریب نے بھی یہ سمجھ لیا کہ وہ واقعتاً اب وزیر اعظم بن گئے ہیں حالانکہ یہ باتیں ہی باتیں تھیں سے کہاسے نمائی کہاسے زنی والا معاملہ تھا۔

Marfat.com

ادھر یہ خبریں پڑھ کر فضل الحق گروپ کے جوش رقابت میں اضافہ ہو گیا۔

(۴)

ایک طرف تو یہ ہو رہا تھا دوسری طرف اسکندر مرزا نے فضل الحق کو بلا کر ان سے کہا کہ "غضب ہو گیا! اب سہروردی وزیراعظم بن رہے ہیں اور تمہارے لیے خود بنگال کی سیاست میں بھی کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا، اس مصیبت سے بچنے کے لیے تمہارے واسطے ایک ہی راستہ رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم غیر مشروط طور پر مسلم لیگ سے تعاون کر لو اور چوہدری محمد علی کو بطور وزیراعظم قبول کر لو۔"

مرتا کیا نہ کرتا؟ فضل الحق نے مجبوراً سہروردی سے بچنے کی خاطر چوہدری محمد علی کو وزیراعظم بنا کر اس کے تحت معمولی وزیر بن کر رہنا منظور کر لیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے سہروردی والی دو شرطیں، یعنی ون یونٹ اور PARITY بھی قبول کر لیں۔ فضل الحق کی اس قدر "فراخدلی" کے پیش نظر ان سے وعدہ کیا گیا کہ مشرقی پاکستان کی صوبائی وزارت ان کے گروپ کے ہی حوالے کر دی جائے گی۔

---

(۵)

یہ بندوبست کرنے میں ڈیڑھ دو دن لگ گئے اسی اثنا میں مسلم لیگ پارٹی کو خبر نہیں رہی کہ اندرون خانہ کیا ہو رہا ہے۔

تیسرے روز چوہدری محمد علی نے پارٹی میٹنگ بلائی اور اس کے سامنے گورنر جنرل کا خط رکھ دیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ وہ مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ خود وزیراعظم بنیں اور وزارت بنا لیں وہ سہروردی کے حق میں کی ہوئی مسلم لیگ پارٹی کی سفارش کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔"

چوہدری صاحب ابھی یہ خط پڑھ ہی رہے تھے کہ یار لوگوں نے نعرۂ تکبیر لگانے شروع

Marfat.com

کر دیئے، ایک شور سا بپا ہوگیا۔ مبارک مبارک، الحمداللہ وزارت عظمیٰ خود چل کر مسلم لیگ کے یہاں پہنچ گئی ہے، اس کو فوراً قبول کر لیا جائے۔ زندہ باد اسکندر مرزا، زندہ باد چوہدری محمد علی۔ وغیرہ وغیرہ۔

میں میٹنگ میں موجود تھا۔ میں نے پوچھا کہ سہروردی سے کیے ہوئے معاہدے کا کیا بنے گا۔؟ جواب ملا:۔ ان نئے حالات میں وہ معاہدہ خود بخود ختم ہو گیا۔ اب چوہدری صاحب وزیراعظم بن کر بنگال کے فضل الحق والے گروپ سے سمجھوتہ کر کے وزارت بنا لیں گے۔

یہ جواب سن کر میں نے کافی گڑبڑ کی۔ میں نے کہا۔ معاہدہ کر کے گورنر جنرل کی شرارت کی وجہ سے اس سے منحرف ہو جانا سیاسی بداخلاقی ہوگی۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے مابین غلط فہمیاں پیدا ہوں گی۔ آئندہ ہمارے کسی وعدہ پر بنگال والوں کا اعتبار نہیں رہے گا۔ پرائم منسٹری کوئی بڑی چیز یا مستقل چیز نہیں ہے جس کے لالچ میں آکر مستقل بے اعتمادی کی کیفیت پیدا کی جائے۔ اس کے نتائج دور رس اور ملک کے حق میں سخت نقصان دہ ہوں گے۔

میرے وعظ کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں غصہ میں آکر میٹنگ سے واک آؤٹ کر کے باہر نکل آیا اور برآمدہ میں دور پڑی ہوئی چپراسیوں کی ایک بنچ پر جا کر بیٹھ گیا۔ مجھے سمجھا کر واپس لے جانے کے لیے ڈاکٹر خان صاحب مرحوم کو میرے پیچھے بھیجا گیا۔ وہ آکر مجھے نصیحت کرنے لگے کہ سیاست جوڑ توڑ کا نام ہے۔ ہر وقت اپنی پارٹی کا مفاد پیش نظر رہنا چاہیے۔ وغیرہ۔ وغیرہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا تکیہ کلام ہوتا تھا "تم نہیں جانتے ہو" YOU DON'T KNOW اس روز جب انہوں نے یہ الفاظ کہے تو میں نے بڑے گستاخانہ انداز میں جواب دیا کہ "یہ ڈونٹ نو ڈونٹ نو کی جو رٹ آپ لگا رہے ہیں وہ فضول ہے۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے بلکہ یہاں تک معلوم ہے کہ اس بیوپار میں کسی روز آپ کا یہ سر بھی آپ کے کاندھے پر رہنے نہیں دیا جائے گا"

وہ واپس گئے تو گورمانی صاحب تشریف لے آئے مجھے قریب ہی اپنے اسپیکر کے کمرے میں لے گئے۔ ان کی گفتگو کا انداز نرالا ہوتا تھا۔ ہر بات دلائل کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ مجھ سے صاف کہہ دیا کہ یہ واقعہ ہے کہ اسکندر مرزا اپنا کھیل کھیل رہے ہیں۔ وہ بضد ہیں کہ وہ کسی صورت میں سہروردی کو وزیراعظم بننے نہیں دیں گے۔ اگر ہم مسلم لیگ والے ان کی آفر نہیں مانتے تو وہ کوئی اور گل کھلائیں گے جو اس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہوگا۔ اب صحیح سیاسی تدبیر یہ ہوگی کہ ہم ان کی آفر قبول کر کے ان کا راستہ بند کر لیں اور ایک ایسی مضبوط وزارت بنا لیں جو ان کے مستقبل کے جملہ خوابوں کو فضول ثابت کرتی رہے۔

یہ ایک طویل تقریر تھی جو گھنٹہ بھر جاری رہی اور میں بالآخر قائل ہو گیا۔

سچ تو یہ ہے کہ یہ زمانہ ہماری "جاہلیت" کا تھا۔ ہم کو ہائی پالیٹکس کا تجربہ نہیں تھا ہم ان بزرگوں کو نہیں جانتے تھے، ایک دور افتادہ چھوٹے علاقے کے نوآموز سیاسی ورکر تھے۔ ایسے گھاگ سیاستدانوں کی گھاتوں سے پہلے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا، ان کے چکر میں آ گئے۔ اگر چاہتا تو میں اس وقت بھی ان کے کام میں کچھ رخنہ اندازی کر سکتا تھا۔ اندرون اسمبلی مجھے کم از کم پانچ چھ ممبروں کا تعاون حاصل تھا۔ ہم لوگ کچھ بنگالیوں کو اپنے ساتھ ملا کر اوپر والوں کے بنائے ہوئے نقشہ کو بگاڑ سکتے تھے (کیوں کہ ابھی تک محمد علی مرحوم یا اسکندر مرزا مرحوم مجوزہ میجارٹی کو پختگی حاصل نہیں ہوئی تھی۔) مگر ہم نے یہ نہیں کیا۔

دوسرے روز نئی وزارت بن گئی۔ چوہدری محمد علی مرحوم اس کے وزیراعظم ہوئے فضل الحق اور ان کے گروپ کے تین چار اور لوگ اس میں بحیثیت وزیر شامل۔ سندھ کی طرف سے یہ ناچیز۔ (نوٹ: کیا یہ شک درست نہیں کہ وزارت کے لالچ میں آپ نے (راشدی صاحب) وہ کچھ نہیں کیا جو آپ اوپر بیان کے مطابق کر سکتے تھے)

چند مہینے کے اندر یہ محسوس ہونے لگا کہ ہم نے سہروردی کی عوامی لیگ سے بدعہدی کا مظاہرہ کر کے متحدہ پاکستان کے تابوت میں پہلی کیل گاڑ دی تھی۔ مگر موقع آئے بغیر اس کی تلافی نہیں ہو سکتی تھی یہ موقع ہم کو ریپبلکن پارٹی بنتے ہی مل گیا۔ فوراً میں اور چندریگر مرحوم مستعفی ہو گئے اور چوہدری محمد علی کی مجارٹی ٹوٹ گئی۔

Marfat.com

مجبوراً اسکندر مرزا کو اس کا سہروردی کو بلاکر وزیر اعظم بنانا پڑا۔ مگر ایک سال کے اندر اندر مرزا صاحب نے ان کو بھی دو گھنٹے کے نوٹس پر باہر نکال پھینکا۔ مرزا صاحب کو ایوب خان کو بلانا تھا جن کے لیے وہ راستہ بناتے رہے!

---

(۴)

یہ تھا ڈرامہ چوہدری محمد علی مرحوم کے وزیر اعظم بننے کا۔ مرزا صاحب نے اپنے انٹرویو میں یہ غلط کہا ہے کہ انہوں نے سہروردی کو رد کر کے محمد علی کو اس وجہ سے وزیر اعظم بنایا تھا کہ سہروردی کو صرف چودہ ممبروں کی حمایت حاصل تھی۔

فی الحقیقت اسکندر مرزا نے اس موقع پر یہ چال چل کر اور محمد علی کی گیارہ ماہ کی پرائم منسٹری کی خاطر مغربی پاکستان کے سیاست دانوں کو جھوٹا، بدعہد اور ناقابل اعتماد ثابت کر کے پاکستان کے دونوں حصوں کے مابین ایک ایسی خلیج پیدا کر دی جو پھر کبھی پُر نہ ہو سکی اور بالآخر مستقل علیحدگی پر منتج ہوئی۔

جناب صدیق سالک نے WITNESS TO SURRENDER کتاب میں لکھا ہے کہ "بنگالیوں نے اس واقعہ کو اس طرح لیا گویا بنگالیوں کو سیاسی پاور سے محروم کرنے کی یہ ایک اور سازش تھی" (صفحہ ۲۱۸)

اور جناب عطاء الرحمٰن خان کی مشرقی بنگال میں اسمبلی میں کی ہوئی تقریر کا بھی یہ ٹکڑا شائع کیا ہے۔

"مسلم لیگ والوں کا بنگالیوں کے بارے میں ATTITUDE حقارت پر مبنی ہے یہ حقارت ان کی مشرقی بنگال، بنگالی کلچر، بنگالی زبان، بنگالی ادب، بلکہ بنگال کی ہر چیز کے لیے ہے فی الحقیقت میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ ہم کو حصہ دار سمجھنے کے عوض ہم کو ایک محکوم قوم اور اپنے کو فاتح قوم سمجھتے ہیں" (صفحہ ۲۱۹)

Marfat.com

تقریر ۷ ستمبر ۱۹۵۵ء کو کی گئی۔ انہی دنوں اسکندر مرزا سہروردی کو رد کر کے چوہدری محمد علی کو وزیر اعظم بنا رہے تھے۔ یقیناً پاکستان کو اکٹھا رکھنے اور اس کی خدمت کرنے کے یہ طریقے نہیں تھے۔ مگر سر پھری نوکر شاہی اور اس کے حامیوں کو کون سمجھاتا۔؟"

یہاں تک تو آپ نے "اسکندر مرزا کا شجرہ" اور چوہدری محمد علی صاحب کی کتاب بزبان انگریزی The Task Before us سے حوالہ کے ساتھ ہی جناب پیر علی محمد راشدی کے خیالات ملاحظہ فرمائے جو ماشاءاللہ بقید حیات ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں تادیر زندہ و سلامت رکھے تاکہ وہ ممتاز لیگی لیڈر جناب ممتاز محمد خاں دولتانہ (جو ابھی اس دنیا میں موجود ہیں) کے کارناموں پر بھی کچھ نہ کچھ ان کی زندگی ہی میں روشنی ڈال سکیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ پیر علی محمد راشدی صاحب تو اس کے عادی ہیں کہ وہ جس کسی کے متعلق انکشافات فرماتے ہیں اس کی موت کے بعد ہی فرماتے ہیں۔ جتنے انکشافات انہوں نے فرمائے ہیں وہ سب کے سب اس حقیقت پر گواہ ہیں شاید آئندہ وہ زندہ لیڈروں کی کارستانیاں بیان کرنے کی جرأت کہیں سے "مستعار" ہی لے سکیں۔ کاش ایسا ہو جائے اے کاش ایسا ہو جائے۔

اب ذرا پیپلز پارٹی کے "Second Hand" یعنی بھٹو صاحب کے Right Hand اور صوبہ سندھ کے وزیر اعلیٰ جناب غلام مصطفیٰ جتوئی صاحب کی تقریر جو مشرقی پاکستان کے قتل کے تقریباً گیارہ بارہ سال بعد مورخہ ۲ اگست ۱۹۸۳ء کو کراچی پریس کلب کے پروگرام "میٹ دی پریس" میں صحافیوں سے خطاب فرماتے ہوئے کی گئی ہے اور جو ان کے دس سال پہلے سیاسی نابالغ ہونے کا بجائے خود ثبوت فراہم کرتی ہے ملاحظہ فرمائیے۔

Marfat.com

کراچی، اگست (اسٹاف رپورٹر) کالعدم پیپلز پارٹی کے رہنما جناب غلام مصطفیٰ جتوئی نے کہا ہے کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سبب پیریٹی (برابری) کا اصول تھا۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ پیریٹی کی بنیاد پر ایک صوبے کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے۔ وہ آج کراچی پریس کلب کے پروگرام "میٹ دی پریس" میں صحافیوں سے خطاب کر رہے تھے انہوں نے کہا کہ پیریٹی کا اصول اگر اتنا ہی اچھا ہے تو چھوٹے صوبوں کو مطمئن کرنے کے لیے موجودہ پاکستان میں بھی یہی اصول وضع کیا جانا چاہیے۔ پیریٹی کے بارے میں کئے جانے والے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم سندھ والے بڑی نازک پوزیشن میں ہیں۔ میں یہاں جناب ممتاز دولتانہ کے حالیہ انٹرویو کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جس میں کہا گیا تھا کہ پنجاب نے اپنی روش نہ بدلی تو پاکستان قائم نہ رہ سکے گا۔ جناب جتوئی نے کہا کہ پاکستان کو قائم رکھنا پنجاب کی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ ملک کی ۶۰ فیصد آبادی اس صوبے سے تعلق رکھتی ہے۔ ۷۰ فیصد بیوروکریسی اور ۹۵ فیصد مسلح افواج بھی اس صوبے سے آتی ہیں پھر چھوٹے صوبوں میں بے دلی کیوں نہیں پھیلے گی چھوٹے صوبوں کا ملک کے انتظامی امور میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس وقت حکومت اسی صوبے کے پاس ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ مجھے یہ ملک بے حد عزیز ہے میں صوبائی عصبیت کا قائل نہیں یہ بہت چھوٹی باتیں ہیں لیکن لوگوں کو چبھتی ہیں۔ جناب جتوئی نے سابق صدر یحییٰ خان کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا کہ انہوں نے پیریٹی کے اصول کو ختم کیا، ون یونٹ کو توڑا اور اس طرح ملک کی عمر میں طوالت پیدا کی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو آج موجودہ پاکستان بھی نہ ہوتا۔ تاہم انہوں نے اس بات پر کڑی نکتہ چینی کی کہ یحییٰ خاں نے وزارت عظمیٰ مجیب الرحمٰن کے حوالے کیوں نہیں کی یحییٰ خاں کو چاہیے تھا کہ وہ حکومت مجیب الرحمٰن کے حوالے کر دیتے۔ جب انتخابات کرائے تھے تو اس کے نتائج بھی تسلیم کر لینے چاہیے تھے۔ بلاشبہ مجیب کے چھ نکات خطرناک تھے لیکن اس کا یہ مطلب نہ ہونا چاہیے تھا کہ منتخب افراد کو ان کے حق سے محروم کر دیا جائے۔ اس سے اس تاثر کو یہ تقویت ملی کہ مشرقی پاکستان کو اس کے حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے۔ ان کے دو وزرائے اعظم حسین شہید سہروردی

Marfat.com

اور خواجہ ناظم الدین کو برطرف کیا گیا۔ شیر بنگال فضل الحق کو غدار قرار دیا گیا۔ بھٹو صاحب نے مزید کہا کہ بلوچستان کی منتخب کردہ حکومت کو توڑنا نہیں چاہیے تھا لیکن مجھے علم نہیں کہ کن حالات کے تحت اس وقت کے وزیر اعظم نے ایسا کرنا ضروری سمجھا تھا۔ پاکستان میں سیاسی حکومتوں کی برطرفی کا پس منظر بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ بیورو کریسی اور جرنلوں کی سازشوں سے حکومتیں تبدیل ہوتی رہیں۔ ایک اور سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جہاں تک اپنے دور اقتدار میں زیادتیوں کا تعلق ہے تو ہر برسر اقتدار جماعت سے تھوڑی بہت زیادتی اور غلطی ہو ہی جایا کرتی ہے اس کے لیے معافی مانگنے کا سوال عوام کی جانب سے اٹھنا چاہیے دوسری سیاسی جماعتیں کس کھیت کی مولی ہیں۔ یہ معاملہ ہمارے اللہ اور عوام کے درمیان ہے ویسے میں ذاتی طور پر معافی مانگتا ہوں۔

(نوٹ:۔ مذہبی اعتبار سے آپ کی ذاتی اور جماعتی بھیانک غلطی مختلف فرقوں کے "علماء" کہلانے والے حضرات کی مختلف قیمتیں ادا کر کے خریداری کی غلطی تھی جس نے آپ کو اور آپ کے لیڈر کو ذاتی اور جماعتی طور پر مطمئن کر دیا تھا کہ آپ نے "اسلام" کو خرید لیا ہے اور اگر کسی کو بکنے سے انکار تھا تو وہ آپ کے لیے بیکار تھا)

مشرقی پاکستان کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے ضمن میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر مجیب الرحمن سے چھ نکات پر عملدرآمد کا خطرہ تھا تو فوجی اقدام کا پھر بھی امکان موجود تھا لیکن اب اسے حکومت کا حق دیئے بغیر جو فوجی اقدام کیا گیا اس سے دنیا بھر میں رسوائی ہوئی اور یحیٰی خان نے جتنے آزادانہ اور منصفانہ عام انتخابات کروائے تھے اس پر پھولوں کی بجائے ایسے رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑا انہوں نے الزام عائد کیا کہ ملک کی بیورو کریسی نے اکثریتی صوبے کے دونوں وزرائے اعظم خواجہ ناظم الدین اور حسین شہید سہروردی کو برطرف کیا انہوں نے کہا کہ پاکستان کو رکھنا یا ختم کرنا اس وقت سب سے بڑے صوبے پنجاب کے ہاتھ میں ہے جس کی آبادی ۶۰ فیصد ہے بیورو کریسی میں جس کا حصہ ۸۵ فیصد ہے فوج میں حصہ ۹۰ فیصد سے زیادہ ہے

Marfat.com

غلام مصطفیٰ جتوئی نے ملک کی سیاسی صورت حال کے حوالے سے کہا کہ مرحوم لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد سے ہی بیورو کریسی اور فوج نے حکومت پر غلبہ پالیا تھا مشرقی پاکستان میں انتخابات ہوئے تو ۹۹ فیصد سیٹیں حاصل کرنے کے باوجود اکثریتی پارٹی کو حکومت نہیں بنانے دی گئی نہیں غدار کا لقب بھی دیا گیا لیکن پھر اس غدار کو چند ماہ بعد اسکندر مرزا نے مشرقی پاکستان کا گورنر بنا دیا۔ ۔۔۔ یہ صوبہ میں منتخب وزیراعلیٰ کو ہٹا کر ایک انسپکٹر جنرل پولیس کو وزیراعلیٰ بنا دیا گیا۔ وفاقی حکومت نے یہ اختیار سنبھالے رکھا اور وہ اپنے منظور نظر افراد کو نامزد کر کے بعد میں منتخب کراتی رہے۔

"جتوئی صاحب کی یہ کار توبہ و استغفار پر یہ شعر صادق آتا ہے"

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

جتوئی صاحب کا یہ بیان میری اس کتاب میں "بھٹو صاحب و ۔ ناتجربہ کار نو عمر سیاست دان کے طور پر پیش کرنے کی صداقت پر گواہی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس نے مولف مضامین سے اس صورت حال کی حقیقت سمجھنے میں قارئین کو سہولت فراہم کی ہے جو اس کتاب کے موضوع سے متعلق ہے اس لیے اس کا اضافہ امید ہے کہ قارئین "عظیم المیہ ڈرامہ" کے لیے خوشگوار ہوگا۔ بالخصوص جناب غلام مصطفیٰ جتوئی صاحب نے اب جو ارشادات فرمائے کہ بارہ تیرہ سال پہلے ۱۹۷۰ء میں کہنے کی باتیں تھیں کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ اس وقت کم از کم نو منتخب اسمبلی کے اجلاس کو ملتوی کرانے کی بھٹو صاحب کی رائے ہی سے اختلاف کرنے کی جرأت و حوصلہ کرتے۔

اب تو عبرت کے لیے یہ شعر ہی پڑھنا کافی ہے۔

نہ کر بھول کر بھی کسی سے سلوک ایسا
جو کوئی تجھ سے کرتا تجھے ناگوار ہوتا

جیلانی چاندپوری

Marfat.com

مشرقی پاکستان

سے

بنگلہ دیش

حضور آقائی و مولائی سیدی مرشدی

شیخ المشائخ حضرت علامہ

جیلانی چاندپوری صاحب مدظلہ العالی

کا

تجزیہ و تبصرہ

Marfat.com

مشرقی بنگال؟ مشرقی پاکستان؟

بنگلہ دیش؟ مسلم بنگال؟

کراچی کے موقر اردو "روزنامہ حریت" نے کچھ عرصہ قبل اپنے کالموں میں "بنگلہ دیش کے مسئلہ" پر اظہار خیال کی عام دعوت دی تھی۔ میرے بعض دوستوں کی شدید خواہش ہے کہ میں اس مسئلہ پر اظہار خیال کروں کہ "پاکستان سے بنگلہ دیش کے آئندہ تعلقات کیا ہوں گے"۔ قبل اس کے کہ اس موضوع پر اظہار خیال کروں میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ آج سے ٹھیک ۲۴ سال قبل قائد اعظم محمد علی جناح کی وفات پر تعزیتی مضمون لکھ کر میں نے اپنا قلم زینت قلمدان کر دیا تھا اور قلمدان زینت طاقِ نسیاں ہو گیا تھا۔ عجیب اتفاق ہے کہ ۱۱ ستمبر ۷۲ء کو یوم وفات قائد اعظم ہی پر ایک ایسے موضوع پر جس کا قائد اعظم سے ذاتی اور سیاسی تعلق ابدی ہے، پھر قلم اٹھا رہا ہوں اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ قائد اعظم کے یوم وفات پر "قائد عوام" جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے جاری کردہ بیان کی تیسری سرخی کے یہ الفاظ کہ "اب بھی ہم نے اگر اپنا احتساب نہ کیا تو تباہی کو دعوت دیں گے" اخبار "روزنامہ حریت" مورخہ ۱۱ ستمبر ۷۲ء کے صفحۂ اوّل سے دعوت عمل دے رہے ہیں۔ چنانچہ ضروری ہو گیا کہ ہم سب سے پہلے احتسابی نگاہ سے یہ دیکھیں کہ پاکستان کیا ہے؟ ..... بنگلہ دیش کیا ہے؟!

Marfat.com

بنگلہ دیش سے ہمارا کیا تعلق تھا؟ اور کیا تعلق ہے؟ اور اس کے بعد آئندہ تعلقات کیا ہوں گے"۔

اس میں شک نہیں کہ "پاکستان" اسلامیان ہند کی طویل جدوجہد آزادی کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا اور اس کے قیام کا سہرا قدرت نے "مسلم لیگ" کے سر پر باندھ دیا جو یقیناً برصغیر کے مسلمانوں کی سب سے بڑی اور عظیم نمائندہ جماعت تھی مگر کبھی حقیقی تنظیم نہ بن سکی۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں مسلم لیگ نے پاکستان جیسی نعمت حاصل کی وہاں سیاسی شعور اور تعمیری طرز فکر جیسی عظیم دولت سے محروم رہی۔ اسی بنا پر عامۃ المسلمین میں سیاسی انداز نظر غیر شعوری یا شعور ناپختہ کا حامل رہا اور محض جذباتیت ہی کے سہارے ہماری سیاسی بصیرت سانس لیتی رہی۔ ان ہی حقائق کے پیش نظر سیاسی مبصرین نے بالعموم اور مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم جیسے پختہ کار سیاسی رہنما نے بالخصوص پاکستان کی سیاسی حیات کی مدت پچیس ۲۵ سال مقرر فرمادی تھی اور ٹھیک پچیس ۲۵ سال بعد "پاکستان کے جغرافیہ میں بنگلہ دیش کا ظہور ہوا (پاکستان کی سیاسی زندگی میں اس کا ظہور اگرچہ کہ بہت پہلے سے ہو چکا تھا جسے دیکھ کر اہل بصیرت نے پاکستان کی جغرافیائی حیات کی مدت پچیس ۲۵ سال مقرر کی تھی) اس دعوت فکر کا موجب بنا کہ یہ پاکستان سے بنگلہ دیش کے آئندہ تعلقات کیا ہوں گے"۔

اب ایک اچٹتی ہوئی نگاہِ فکر پاکستان پر ڈالئے کہ وہ کیا ہے تو صاف نظر آئے گا کہ پاکستان برصغیر ہند کے نقشہ پر "مسلمانان ہند کے وطن عزیز" کے طور پر ابھرا ہے۔ ہم نے اسے صرف اہالیانِ بنگال، پنجاب، سندھ، بلوچستان اسرحد یا پختونستان کا وطن قرار دیا تو پھر لازمی اور لامحالہ نتیجہ جس سے بچنا ناممکن ہے یہ ہوگا کہ پاکستان پانچ قومیتوں کا مشترکہ وطن ہے اور یہ پانچوں قومیں پانچ جداگانہ قومیتوں میں منقسم ہیں۔ اب سیاسی فکر و بصیرت کے مالک کس انداز نظر کو

Marfat.com

قبول کرتے ہیں اور نظریۂ پاکستان کی مختلف تاویلات کرنے والے اپنے وطن عزیز کی ایک حیثیت کو تسلیم کرتے ہیں یا مختلف گروہ مختلف حیثیتوں کے قائل ہو کر ملک کی نظریاتی طور پر تقسیم کر دینا چاہتے ہیں بلکہ تقسیم کر ڈالتے ہیں، یہ دیکھنے کے لیے متحدہ پاکستان کی ابتدائی تاریخ کے پہلے صفحہ پر نظر ڈالیے اور جس جماعت کے سر پر پاکستان کے قیام کا سہرا سجا ہوا ہے اس کی ہیئت کذائی پر نگاہ کیجئے۔

مسلم لیگ جو ہمیشہ سے ایک پرجوش اور ناقابل قرار تحریک تھی مگر مستحکم تنظیم کبھی نہ بن سکی، پاکستان کے قیام کے پہلے ہی سال (اپنے وجود کو "آل انڈیا مسلم لیگ" کی جگہ "پاکستان مسلم لیگ" میں تبدیل کرنے میں) ناگفتہ بہ اور شرمناک سازشوں کا شکار ہو گئی۔ یہ سازشی کہیں باہر سے "امپورٹ" کردہ نہ تھے اور نہ ہی بھارت کے "ففتھ کالم" تھے بلکہ خود مسلم لیگ ہی کے پیداوار تھے اور بعض ایسے بھی تھے کہ مسلم لیگ جن کی پیداوار تھی۔ اس کی تھوڑی سی تفصیل یوں سمجھیے کہ "مشرقی بنگال" صوبہ میں سید حسین شہید سہروردی صاحب مرحوم جو شیر بنگال فضل الحق کے معتوب بارگاہ اور غدار قرار پانے کے بعد بنگال کے شیر ببر بن گئے تھے (اور یہ بات حقیقت پر مبنی بھی تھی کیونکہ تمام مسلم لیگی انہیں شیر پاکستان کہا کرتے تھے) سب سے پہلے پارلیمانی اور جماعتی سازشوں کا شکار ہوئے اور انہیں اور ان کے تمام ساتھیوں کو "غدار اور بھارت کے ففتھ کالم" جیسے شاندار خطابات سے سرفراز فرمایا گیا۔ پنجاب میں نواب ممدوٹ جو کبھی قائداعظم کے لخت جگر اور نور نظر کہلانے کے ساتھ ہی "شیر پنجاب" اور پاکستانی پنجاب کے پہلے وزیراعلیٰ اور پنجاب مسلم لیگ کے صدر بھی تھے بدعنوان، نااہل اور غیر نمائندہ قرار پا کر معتوبین "غدار اور ففتھ کالم" افراد کی فہرست میں شامل کر لیے گئے۔ سرحد میں پیر مانکی شریف مرحوم (جنہیں سرحد کے ریفرنڈم کا فاتح اور قائداعظم کا اس صوبہ میں سب سے

Marfat.com

بڑا اور دگار خیال کیا جاتا تھا اور یہ امر واقع بھی تھا) اور ان کے ساتھیوں پیر ژکوڑی تخر دعبد اللطیف صاحب)، خان غلام محمد خان لونڈخور (جو آجکل اپنے شکاری خان عبد القیوم خان کے دست راست ہیں) اور دیگر حضرات کو بھی سرکاری مہمان خانوں کی زینت بنائے جانے کے لائق سمجھا گیا اور اسی زمرہ میں شامل کر لیا گیا جس میں پنجاب اور بنگال کے رہنمایان اور حقیقی نمائندگان کو داخل کیا گیا تھا یعنی "غدار اور بھارت کا ففتھ کالم" اسی طرح سندھ میں قائداعظم کے معتمد خصوصی پیر الٰہی بخش صاحب کو (قائداعظم نے مسٹر محمد ایوب کھوڑو کی علاقائی عصبیت سے ناراض ہو کر سندھ کی زمام قیادت ان کے سپرد فرمائی تھی اور شیر سندھ بنا دیا تھا یعنی سندھ کا وزیر اعلیٰ) یک لخت عتاب نہ صرف مسلم لیگ کے دروازے سے باہر دھکا دیا بلکہ اسی زمرہ میں شمار کر لیا جس میں مذکورہ بالا صوبوں کے نمائندگان حقیقی اور قائدین محترم شمار ہوتے تھے۔

تمام صوبوں سے ان غداروں اور ففتھ کالم افراد کی چھانٹی اس طرح کی گئی کہ سب سے پہلے ان پر سازشوں کے ذریعہ مسلم لیگ کے دروازے بند کئے گئے۔ مذکورہ بالا حضرات کو مسلم لیگ کی ممبر سازی کے فارم نہیں دیئے گئے اور اگر دیئے بھی تو برائے نام۔ پارلیمانی سیاست کے دروازے ان پر یوں بند کیے گئے کہ ان میں سے بعض کو لچر اور کمزور بہانے بازیوں کے سہارے قومی آئین ساز اسمبلی کی رکنیت سے زبردستی محروم کر دیا گیا اور جہاں کہیں بھی نئے اور ضمنی انتخابات کی نوبت آئی وہاں ان کے ساتھیوں کو اسمبلیوں کے ٹکٹ کا نااہل سمجھا گیا۔ ظاہر ہے کہ "ففتھ کالم اور غدار" ہونے کی وجہ سے وہ اس کے مستحق کس طرح ہو سکتے تھے۔ اس طرز عمل پر مذکورہ بالا حضرات اور ان کے ساتھیوں کے مسلسل احتجاجات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا اور برابر نظر انداز کیا جاتا رہا۔ پاکستان میں شرمناک سیاست کا وجود مسلم لیگ کے بطن سے ظہور میں آیا اور اس کی قیادت

Marfat.com

کا سہرا پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم شہیدِ ملت خان لیاقت علی خاں مرحوم کے سر کی زینت ہوا۔ اس سہرے کی ان گنت پھولوں کی لڑیوں میں خواجہ ناظم الدین مرحوم، ان کے برادرِ اصغر خواجہ شہاب الدین صاحب، جناب عزت مآب ممتاز محمد خاں دولتانہ، عزت مآب خاں قیوم خاں (بقول جناب بھٹو ڈبل بیرل خاں) معمر سیاستدان جناب چودھری خلیق الزماں صاحب اور مرحوم سر محمد عبداللہ ہارون جیسے نامور بزرگ کی ذریّت کا وجود شامل تھا۔

ذہنی طور پر بنگلہ دیش کا قیام

اس تحریر کا اصل موضوع چونکہ وہ بنگلہ دیش سے پاکستان کے آئندہ تعلقات" سے متعلق ہے اس لیے میں یہ بتاؤں گا کہ مذکورہ بالا سازشوں کا اثر اس خطہ ارضی پر کیا پڑا کہ جو گذشتہ چھبیس [26] سال میں "مشرقی بنگال" سے "مشرقی پاکستان ہوا" اور اب مجیب الرحمٰن صاحب کے ارشاد کے مطابق "بنگلہ دیش" اور کبیٹ صاحب کے ارشاد کے مطابق "مسلم بنگال" کے مختلف ناموں سے پکارا جا رہا ہے۔

حقیقت تو یہی ہے کہ جس طرح برصغیر ہندوستان میں انگریزوں اور ہندوؤں کی مسلم کش پالیسی کی بنیاد پر سازشوں کے بطن سے آخر کار پاکستان نے جنم لے کر دنیا کے نقشہ کو بدلا بالکل اسی طرح پاکستان نے ابتداء ہی سے اپنے آپ کو کچھ اس طرح سازشوں کا گہوارہ بنا لیا کہ اس گہوارۂ حمل میں پلنے والا بچہ "بنگلہ دیش" کے نام سے "پچیس [25] سال کی قلیل مدت ہی میں دنیا کے سامنے آگیا۔ آیئے اور منصفانہ نظر اس پس منظر پر ڈالیے کہ جس کا شکار "مشرقی بنگال" (یعنی مشرقی پاکستان) کے پاکستانی باشندے اپنے ہی ہم مذہبوں، ہم قوموں اور ہم وطنوں کے ہاتھوں ہوئے۔ ان گھناؤنی سازشوں کا تھوڑا سا ذکر کرنے سے پہلے راقم الحروف یہ واضح کر دینا چاہتا ہے

Marfat.com

کہ سیاست میں اصل مرکز خیال اقتدار ہوا کرتا ہے اور جمہوریت میں مرکز اقتدار عوام اپنے منتخب نمائندوں کی اکثریت کو بناتے ہیں اور یہی اکثریت تمام تر سیاسی قوتوں کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ لہٰذا پاکستان کی سیاست میں اگر جمہوریت کو دخل تھا تو اس کے اکثریتی صوبہ مشرقی بنگال کو پاکستان کی اقتداری قوتیں حاصل ہونی چاہیے تھیں اور اگر پاکستان کا پہلا نامزد گورنر جنرل قائداعظم کو بننا تھا (اس لیے کہ اوّل تو قائداعظم کی شخصیت پورے پاکستان کے مسلمانوں کے لیے غیر متنازع تھی اور دوسرے تاج برطانیہ کی طرف سے گورنر جنرل کا تقرر ہوا کرتا تھا) تو پہلا وزیراعظم تو کسی بنگالی ہی کو ہونا چاہیئے تھا لیکن ہوا کون ـــ لیاقت علی خاں ـــ جنہیں پاکستان کی قومی مجلس آئین ساز میں پاؤں رکھنے کی کوئی جگہ نہیں ملی اور نہ پاکستان میں کوئی ایسا خطہ موجود تھا کہ جس کی نمائندگی کرنے کا انہیں حق پہنچتا ـــ لیکن ہوا کیا ـــ اسی مشرقی بنگال نے جسے اب "بنگلہ دیش" یا "مسلم بنگال" کہا جا رہا ہے انہیں سر پر اٹھالیا اور نہ صرف انہیں بلکہ ان کے تمام ساتھیوں کو جنہیں قومی دستور ساز اسمبلی میں نمائندہ بنا کر بھیجنے والی کوئی صوبائی اسمبلی سرزمین پاکستان پر موجود نہ تھی، مشرقی بنگال کی اسمبلی نے بنگالی نہ ہونے کے باوجود اپنا نمائندہ چنا اور قومی دستوریہ میں اپنی نمائندگی کا اہل سمجھا ـــ لیکن یہ ستم ظریفی تاریخ کے اوراق پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہے کہ وہ بنگالی جن کے ذہن کے کسی ادنیٰ سے گوشہ میں بھی علاقائی عصبیت کا شائبہ تک موجود نہ تھا سب سے پہلے علاقائی عصبیت کا شکار ہوئے اور ان کے اس مقدس صوبہ کو سب سے پہلے گھناؤنی سازشوں کی آماجگاہ بنایا گیا۔

سازشوں کے لامتناہی سلسلہ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ عالیجناب سید حسین سہروردی جو قیام پاکستان کے وقت غیر منقسم بنگال کے وزیراعلیٰ اور مسلم لیگ کے شیر بنگال تھے آنجہانی مہاتما گاندھی کے ساتھ امن کے مشن پر مسلمانوں کے

Marfat.com

خون سے کھیلی جانے والی ہولی کو بند کرانے کی جد وجہد میں مصروف تھے۔ مشرقی بنگال کی نئی اسمبلی جو منقسم بنگال اور منقسم آسام کی اسمبلیوں کے مشترکہ نمائندوں پر مشتمل ہو کر عالم وجود میں آئی تھی اچانک طلب کر لی گئی اور یہ کام اس قدر تیزی، عجلت اور پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق اس طرح کیا گیا کہ اس وقت کے سب سے بڑے بنگالی رہنما عالیجناب حسین شہید سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ موقع نہ مل سکے کہ وہ اسمبلی کا لیڈر منتخب ہونے کے لیے کوئی کام کر سکیں اس غیر متوقع سازش میں مولانا بھاشانی کو بھی یہ دھوکہ دے کر شریک کیا گیا کہ اگر سلہٹ (جو اس وقت آسام سے علیحدہ ہو کر مشرقی بنگال میں شامل ہوا تھا) کے نمائندے اسمبلی میں مسلم لیگ کے نمائندے کو لیڈر منتخب کرنے میں سازشی گروہ کے مددگار ہوں تو انہیں بنگالی کابینہ میں چار وزارتیں اور پانچ پارلیمانی سکریٹریوں کے عہدے پیش کیے جائیں گے یہ وعدہ بھی درحقیقت بھاشانی صاحب کے ساتھ ایک فریب اور دھوکہ تھا۔ بھاشانی صاحب اور ان کے ساتھی اس فریب اور دھوکے کے زخم سے بلبلا اٹھے۔ ادھر عالیجناب حسین شہید سہروردی کو نہ صرف یہ کہ کامیاب سازش کے ذریعہ مشرقی بنگال کی اسمبلی کی قیادت سے نکال باہر کیا گیا بلکہ قومی دستوریہ کی نشست بھی ان سے جبراً چھین لی گئی اور نہ صرف اسی پر اکتفا ہوا بلکہ خود ان کے صوبہ میں ان کے داخلہ پر پابندی لگا دی گئی اور انہیں نظر بند کر دیا گیا۔ ادھر مسلم لیگ کے دروازے ان پر اور ان کے ساتھیوں پر اس طرح بند کئے گئے کہ انہیں مسلم لیگ کی ممبری کے فارم یا تو دیئے ہی نہیں گئے اور یا برائے نام دیے گئے اور ان کے مسلسل احتجاجات کو درخور اعتنا نہ جان کر نظر انداز کیا جاتا رہا۔ اس طرح جماعتی اور پارلیمانی سازشوں کا شکار ہو کر بنگال کا فعال طبقہ (جس کا زبردست اثر پورے بنگال پر تھا) تلملا اٹھا بدقسمتی سے ان تمام سازشوں کا سرچشمہ جماعتی اور پارلیمانی طور پر غیر بنگالی قیادت تھی اور یہ بات بھی غیر شعوری طور پر ذہنوں میں بنگلہ دیش کے قیام کا باعث ہوئی۔

Marfat.com

بنگلہ دیش کے پودے کی آبیاری

پاکستان کے قیام کو ایک سال اور اٹھائیس روز کی قلیل مدت گزری تھی کہ قائد اعظم محمد علی جناح اس نوزائید مملکت کو اس گروہ کے سپرد کر کے داغ مفارقت دے گئے کہ جس کی اکثریت سازش کے فن میں طاق اور مہارت کلی رکھتی تھی۔ چنانچہ میدان صاف پاکر اس گروہ نے جہاں مشترکہ مساعی سے مشرقی بنگال کو سازشوں کا تختۂ مشق بنایا وہاں خود بھی ایک دوسرے کے خلاف سازش در سازش میں منہمک ہو گئے۔ اس کا قدرتی نتیجہ سخت ردعمل کی صورت میں سب سے پہلے مشرقی پاکستان میں ظہور پذیر ہوا جہاں ہر معتمد عوام کو "غدار اور بھارت کا ففتھ کالم" کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ سازشی اقتدار کی طرف سے جس شدت سے مشرقی بنگال کے عوام دوست رہنمایان کے خلاف "غدار اور ففتھ کالم" ہونے کا پروپیگنڈہ کیا جاتا رہا اسی قدر وہ عوام کے محبوب ہوتے ہو گئے۔ خوش قسمتی سے اس وقت کے سب سے زیادہ محبوب رہنما حسین شہید سہروردی رحمتہ اللہ علیہ جنہیں آج پاکستان کے عظیم رہنما اور محب وطن کے القاب سے پکارا جاتا ہے اور جو بنگالی عوام کے دلوں پر حکومت کرتے تھے، اس بدترین صورت حال کا مقابلہ کرنے اور جذبات کے دھارے کو تعمیر کی طرف موڑنے کے لیے اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے میدان میں آ گئے اور انہوں نے پاکستان میں آئینی حزب اختلاف کی بنیاد ڈالتے ہوئے مسلم لیگ سے مایوس اور سازشی گروہ کے شکار زخم خوردہ لوگوں کو جد وجہد کے لیے ایک آئینی پلیٹ فارم "عوامی مسلم لیگ" کے نام سے مہیا کر دیا جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ جماعت "عوام کی مسلم لیگ" تھی جو سازشی گروہ کے شکار اور عوام دوست مسلم لیگیوں جو سرکاری "مسلم لیگ" سے مایوس ہو گئے تھے پر مشتمل تھی۔ چنانچہ جہاں جو

Marfat.com

مولانا عبدالستار خاں نیازی، سرحد میں پیر صاحب مانکی شریف مرحوم، خان غلام محمد خان لونڈ خور، پیر عبداللطیف صاحب زکوڑی شریف، سندھ میں جناب پیر الٰہی بخش صاحب اور کراچی میں راقم الحروف جیلانی چاند پوری اس کے بانی ہوئے اور باقاعدہ طور پر اس جماعت کا قیام عمل میں آگیا۔ ملک میں آئینی حزب اختلاف (جو جمہوری نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے) کے باضابطہ اور جماعتی قیام کے ساتھ ہی آمرانہ ذہنیت کے حامل سازشی گروہ نے اس پر "غداری" کے بے ہنگم الزامات کی گولہ باری شروع کر دی اور ایسے گھٹیا ذلیل اور گھناؤنے طریقے اختیار کئے کہ جو پاکستان کی تاریخ میں اقوام عالم کے سامنے اسے شرمندہ کرنے والے باب کی حیثیت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گئے جن کا تھوڑا سا تذکرہ محض اس لیے کیا جانا ضروری ہے تاکہ مشرقی بنگال کی قیادت کے ساتھ کی جانے والی سازشوں اور روا رکھے جانے والے سلوک کو نمونہ کے طور پر "مشتے از خروارے" کے مثل قارئین کے سامنے پیش کیا جا سکے۔

یہ بھی ایک ستم ظریفی تھی کہ پاکستان کے اکثریتی صوبہ کے حصہ میں حزب اختلاف کے قیام و قیادت کی ذمہ داریاں آئی تھیں اور ان ذمہ داریوں کی بجا آوری کے لیے انہیں "غدار اور بھارت کے ففتھ کالم" کی گالی برداشت کرنی پڑ رہی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب پاکستان میں "غداری اور بھارت کے ففتھ کالم" کی گالی سے زیادہ سستی کوئی شئے نہ تھی اور جسے پاکستان کا سازش پسند گروہ بڑی فیاضی کے ساتھ تقسیم کر رہا تھا۔ ان حالات میں صحت مند جمہوریت کے قیام کے لیے جدوجہد کرنا اور ملک میں حزب اختلاف کی جماعت بنانا بڑے دل گردے اور بے حد بے جگری کا کام تھا۔ چنانچہ جن بلند ہمت اور دلیر حضرات نے اس کا بیڑہ اٹھایا تھا اس کے لیے انہیں بڑی بڑی قربانیاں پیش کرنا پڑیں اور بڑے ہولناک حالات سے گزرنا پڑا۔

مشرقی بنگال میں ایک پرجوش اور نوجوان قیادت شیخ مجیب الرحمٰن کے نام

Marfat.com

سے ابھری اور بزرگ مسلم لیگی مولانا بھاشانی کے ساتھ بے جوڑ اشتراک سے "عوامی مسلم لیگ" کی رہنمائی کے لیے سامنے آئی اور بہت سنگین حالات سے گزر کر جیلوں کی تاریک کوٹھڑیوں کو بسا بسا کر اور طرح طرح کی گالیاں اور غداریوں کے الزامات کی بوچھاڑ برداشت کرتے ہوئے "عوامی مسلم لیگ" کو مشرقی بنگال کے ہر گھر میں پہنچانے میں کامیاب ہو گئی۔ اس طرح عوامی مسلم لیگ پاکستان کے اکثریتی صوبہ کے عوام کی اکثریت کی نمائندہ جماعت بن گئی جس کی حقیقی قیادت بنگالی قائدین کے ہاتھوں میں تھی اور یہی بات پاکستان کے اس گروہ کو دہلا دینے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتی تھی جو سازشوں کے ذریعہ اقتدار سے چپکا رہنا چاہتا تھا۔ اس علاقائی عصبیت کا سبب مشرقی بنگال کی یہ بدقسمتی تھی کہ وہ پاکستان کی اکثریت کا صوبہ تھا جہاں مخلص، محنتی، قربانیاں دینے اور اصولوں پر ڈٹ جانے والے سیاسی کارکنوں کی بہتات تھی جن کی قیادت شہسواران سیاست، اہالیان تفکر و تدبر، حاملان شعور و فراست اور صاحبان فہم و بصیرت حضرات کے ہاتھوں میں تھی جو علاقائی عصبیت کے زہر سے اپنے اس عظیم صوبہ کو محفوظ رکھتے ہوئے اپنے موقف کی صداقت پر یقین کامل رکھتے تھے انہوں نے علاقائی عصبیت کا جواب علاقائی عصبیت سے نہ دینے کا پختہ ارادہ کر رکھا تھا اور مشرقی بنگال کے شدید ردعمل پر ایسے حالات میں بھی کہ جن کی موجودگی میں متعصبانہ جذبات امنڈ امنڈ کر طوفانی سیلاب کی طرح برق رفتاری کے ساتھ پورے صوبہ مشرقی بنگال پر پھیلتے جا رہے تھے، اپنی ذات کو سیسہ پلائی ہوئی دیواروں کی طرح اس طوفان کے سامنے لا کر عصبیت کے سیلاب پر بند باندھنے کا کام جاری رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس بدترین اور ہنگامہ پرور دور میں پیریٹی (یعنی مساوات) کا اصول بنگالی عوام سے تسلیم کرانا عالیجناب سید حسین شہید سہروردی مرحوم کی ہر دلعزیز اور ذہین قیادت کے سوا کسی اور کے بس کا روگ نہ تھا۔

Marfat.com

پاکستان میں سازش کا ابتدائی دور

پاکستان میں علاقائی عصبیت کی نحوست نے۔

جب سر ابھارا تو سازشوں کا ایک جال تھا جو ملک میں بچھتا چلا گیا۔ ابتداء ہی سے ملک کے ایک سازشی گروہ نے اقتدار پر دائمی قبضہ کی بدنیتی سے پاکستان میں حزب اختلاف کے قیام کے ساتھ ہی (جس کی قیادت پوری طرح مشرقی بنگال کے حصّہ میں آئی تھی) اس کی بیخ کنی کے لیے شرمناک پروپیگنڈہ اس شد و مد کے ساتھ کیا کہ عوام کے لیے صحیح اور غلط، نیک و بد اور بھلائی و برائی میں امتیاز کرنا سخت دشوار بلکہ ناممکن ہو گیا چونکہ ابلاغ عامہ کے تمام ذرائع اس گروہ کے قبضہ میں تھے اس لیے ملک کے چھوٹے حصہ (مغربی پاکستان) کے صوبوں میں بنگال کے خلاف علاقائی عصبیت کی ہوا بہت تیزی سے چلنے لگی۔ حزب اختلاف کی واحد موثر جماعت عوامی مسلم لیگ کو تباہ کرنے کے لیے جس قدر گھٹیا اور ذلیل پروپیگنڈہ کیا گیا اور اسے عوام کی نگاہ اور دل سے گرانے کے لیے کیسے کیسے شرمناک ہتھکنڈے اختیار کیے اس کے ان گنت نمونے پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن یہ تحریر اس طوالت کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے صرف تین مثالوں پر قناعت کی جاتی ہے جس سے قارئین کو اندازہ ہو گا کہ بنگالی قیادت میں ابھرنے والی حزب اختلاف میں شامل ہونے والے غیر بنگالی بھی گیہوں کے ساتھ گھن کی مثال کسقدر بے دردی اور ظالمانہ طریق پر پیسے گئے۔ سب سے پہلے کراچی کی مثال ملاحظہ ہو جو ملک کا دارالخلافہ اور لٹے پٹے اور بھڑکے ہوئے جذبات کے حامل مہاجرین کی بستی ہونے کیوجہ سے ملک کا حساس ترین اور موثر ترین شہر تھا۔ جب عوامی مسلم لیگ کا پہلا کنونشن (اگست ۵۰ء میں) راقم الحروف نے اپنے ساتھیوں کی انتھک مساعی سے منعقد کیا تو مخالفت کا ایک زبردست طوفان امنڈ امنڈ کر حزب اختلاف کو تباہ کر ڈالنے کے لیے شہر بھر میں پھیلا دیا گیا

اس کی مخالفت میں نہایت شرمناک اور ہولناک حربے استعمال ہوئے۔ جلسوں
گڑبڑ کرنا اور حزب اختلاف کے رہنماؤں بالخصوص عالیجناب سید حسین شہید سہرور
مرحوم پر پتھراؤ کرنا اور جوتے پھینک کر سیاسی شرافت کا مظاہرہ کرنا تو معمولی بات سمجھی
جاتی تھی کیونکہ اس سے زیادہ انسانیت سوز اور بے حیائی کا رویہ اس پروپیگنڈے
ظاہر ہوتا ہے جو ایک مقامی اخبار میں (جس کی ادارت بعد میں پیر پگاڑا صاحب کی مسلم
کے نائب صدر مرحوم کی ملکیت تھی) چھپی ہوئی لغو، شر انگیز اور حیا سوز خبر جس کا عکس بصورت
پیش خدمت ہے۔ [اخبار نوروز کراچی ۱۲ اگست ۱۹۵۰ء]

قائداعظم پر قاتلانہ حملہ کرانیوالے کی پاکستان میں

بمبئی کا خاکسار لیڈر عوامی لیگ کا پروپیگنڈہ سکریٹری نا

کراچی ۱۱ اگست۔ عوامی مسلم لیگ کی سرگرمیاں پاکستان کے خلاف تیز تر ہوتی جارہی
اس پارٹی میں ان لوگوں کی شرکتیں۔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن پر قائداعظمؒ پر قا
الزام تھا۔ تقسیم ہند سے قبل قائداعظم پر بمبئی میں جو قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا۔ اس کی ساز
جیلانی چاندپوری کو ... مسلم لیگ کا صف اول کا سکرٹری مقرر کیا گیا ہے۔

اس طرح بیہودہ، لغو اور گندی خبر کے مطالعہ سے جہاں اس طبقہ کی ذہنی نجاست کا اند
بخوبی ہو سکتا ہے جو مکروہ سازشیوں کا خوشامدی کاسہ لیس اور آلہ کار تھا وہاں اس
پروپیگنڈہ کی نوعیت بھی سامنے آجاتی ہے جو اہل اقتدار اور حکومت کے کرتا دھرتا
مسلم لیگ کے شوہران محترم کا طرۂ امتیاز تھا اور "عوامی مسلم لیگ" کے ر
جس کا شکار تھے۔ یہ خبر جس کا عکس چھاپا گیا ہے چونکہ راقم الحروف کی ذات سے تعلق رکھ
اس لیے اس کی لغویت پر کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھتا بلکہ صرف اس قدر
کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ "قائداعظم پر قاتلانہ حملہ" کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا کہ جس

Marfat.com

لوگ بے خبر ہوں ۔ یہ ایک عالمی نوعیت کی شہرت کا واقعہ تھا جس کے مقدمہ کو بھی عالمی شہرت حاصل ہے اور اس مقدمہ کی صفائی کی چھوٹی سے چھوٹی جزیات بھی اخبارات کے فائلوں اور عدالتی ریکارڈ میں محفوظ ہیں ۔ نیز یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ جس شخص پر قائداعظم پر قاتلانہ حملہ کا الزام تھا اس کا نام رفیق صابر مزنگوی تھا جسے بمبئی کی عدالت عالیہ کے جسٹس مسٹر بلیکڈن نے سزا سنائی تھی ۔

جہاں تک میری ذات کا اس مقدمہ سے تعلق ہے وہ یہ تھا کہ مجھے عدالت عالیہ نے اس مقدمہ میں اپنی طرف سے بطور گواہ طلب کیا تھا اور جسٹس مسٹر بلیکڈن نے جیوری سے خطاب کرتے ہوئے راقم الحروف کے لیے شاندار الفاظ استعمال کیے اور کہا کہ "جیلانی چاندپوری ایک معزز شہری اور صادق القول گواہ ہے ۔ میں کوئی وجہ نہیں پاتا کہ اس کی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ نہ دوں" درحقیقت جسٹس موصوف نے میری گواہی کو مقدمہ کے فیصلہ کی بنیاد بنایا جس کسی کا دل چاہے اس مشہور عالم مقدمہ کی کارروائی اور تفصیلات اردو زبان میں چھپی ہوئی کتاب "قائد پر قاتلانہ حملہ" جو مشہور بیرسٹر مسٹر پیر بھائی نے انگریزی میں لکھی ہے اور پاکستان کے سابق اٹارنی جنرل جناب پیرزادہ شریف الدین صاحب نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے (جو راقم الحروف کے کبھی حامی نہ تھے اور اسی زمرہ اور گروہ سے متعلق تھے اور شاید اب بھی ہیں کہ جو ملک کی حزب اختلاف کو غداروں اور دشمن کے ایجنٹوں کا ٹولہ کہا کرتا تھا) دیکھ سکتا ہے کتاب بعنوان "قائد پر قاتلانہ حملہ" کے بعض متعلق صفحات کی عکسی نقل پیش خدمت ہے ۔

Marfat.com

Page 97-103 1/-
121 to 129

قائد پر قاتلانہ حملہ

JINNAH FACES AN ASSASSIN

کا

اُردو ترجمہ

1/-

مصنفہ :- جناب اکبر پیر بھائی صاحب بیرسٹرایٹ لا

مترجمہ :- سید شریف الدین پیرزادہ

ساؤنڈ پبلیکیشنز
بمبئی
۱۹۴۴ء

Rs. 2-0-0

۱۲۰ 1/-

چاقو کس جگہ سے نکل گیا۔ اس کے متعلق بھی بیانوں میں اختلاف ہے۔
ہزلارڈشپ :- تمہارا کہنا بالکل درست ہے۔ بیانوں میں اختلاف ہے۔
ملزم :- اس کے بعد میں اپنا مقدمہ یورلارڈشپ اور دلکین جیوری کو سونپتا ہوں۔ اور مجھے آپ لوگوں کا فیصلہ منظور ہوگا۔ بس اتنا ہی مجھے عرض کرنا تھا۔ میں مسٹر جناح سے جو کچھ ان کے بنگلے پر کہنا چاہتا تھا۔ وہ میں نے بیان کر دیا ہے۔ اور اب میرا دل مطمئن ہو گیا۔

ہزلارڈشپ کا جیوری سے خطاب :-

دلکین جیوری!

آخر کار اب آپ کو اور مجھے اس نہایت ہی آسان مقدمے کا فیصلہ کرنا ہے۔ میں "آپ کو اور مجھے" کے الفاظ استعمال کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ واقعات کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ اور مجھے یہ بتانا ہے کہ قانون کیا ہے۔ اور قانون کے متعلق جو کچھ میں کہوں وہ بلا چون و چرا آپ کو براہ کرم ماننا ہوگا۔ اگر آپ اس شخص کو مجرم گردانیں تو اس کو سزا دینے کی ذمہ داری بھی میری ہی ہوگی۔ آپ کی نہیں —— [illegible] اس مقدمے میں بہت مشکل مسئلہ ہے۔ اس کے لئے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس ذمہ داری کا بار مجھے اپنے کندھوں پر اٹھانا ہے۔

اچھا تو حضرات! ملزم نے آپ سے جو کچھ کہا سنا اور جسے میری رائے میں بڑا کہنا شاید مناسب ہوگا۔ اس میں کم از کم ایک بات نہایت معقول ہے۔ یوں تو میں بھی آپ سے کہنے ہی والا تھا۔ تاہم مجھے خوشی ہے کہ ملزم نے میری یاد دہانی کر دی۔ اور وہ بات یہ ہے کہ آپ لوگوں نے شہادتوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے کا حلف

Marfat.com

۱۲۱

اٹھایا ہے "شہادت" کا مطلب وہ باتیں ہیں - جو گواہوں نے آپ کے اس عدالت میں بیان کی ہیں - اور آپ کے عدالت میں پیش کردہ چیزوں سے جو نتائج اخذ کئے ہیں مجھے کامل یقین ہے کہ اخباروں میں اس مقدمے پر جس کا پس منظر کسی حد تک سیاسی ہے کافی رائے زنی ہو چکی ہے جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے - میں نے اخباروں میں کسی بھی ایسی چیز کی رپورٹ نہیں دیکھی جو ہمارے سامنے نہ آئی ہو - یا جو صحیح اور مناسب ہو - یہ ہو سکتا ہے کہ بعض اخباروں میں چند ایک ناخوشگوار باتیں لکھ دی گئی ہوں -
حضرات! آپ نے اخباروں میں چاہے کچھ بھی پڑھا ہو، اور اس مقدمے کے بارے میں اس عدالت کی چہار دیواری کے باہر کسی بھی ذریعے سے جو کچھ سنا ہو - اسے آپ کو مکمل طور پر اپنے دماغوں سے نکال دینا چاہئے - آپ کو "شہادتوں کے مطابق" ایک ایسا فیصلہ سنانا ہے جس کی بنیاد عدالت کی گواہیوں اور ان چیزوں پر ہو جو آپ کے سامنے ثبوت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں - حضرات! گواہی وہ نہیں جو اخباروں میں لکھی ہوئی ہے - گواہی وہ نہیں جو گپ شپ سے بنتی ہے - اور گواہی وہ بیانات بھی نہیں - جو آپ انجمن وکلا کے فاضل رکن سے سنتے ہیں -
آپ حضرات کو یاد ہو گا کہ سوئمی صاحب نے استغاثہ کی طرف سے اس مقدمے کا افتتاح کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کا وعدہ کیا تھا کہ ملزم نہ صرف یہ کہ خاکسار نامی ایک جماعت کا رکن ہے - بلکہ اس میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے - جسے "جاں باز" کہا جاتا ہے - میری سمجھ میں "جاں باز" ایسے شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو خاکسار تحریک کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دینے کو تیار ہو - جو لوگ ایک خاص رنگ کی قمیص پہننے کی تحریکوں میں شامل ہوتے یا اسی قسم کے دیگر بکھیڑوں کے مظاہروں میں حصہ لیتے ہیں

۱۲۲

وہ معلوم ہوتا ہے کہ سنسنی خیز القاب کے شائق ہوتے ہیں - اسی کی ایک مثال جرمنی میں "اسٹارم ٹروپر" (طوفانی دستے کا سوار) کے نام سے موجود ہے - اس مقدمے کے سلسلے میں جو شہادتیں ہمارے سامنے آئی ہیں - ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سوئمی صاحب اپنے وعدے کو پورا نہ کر سکے - اور یہ بات اکثر مقدموں میں پیش آتی ہے - سچ پوچھا جائے تو آپ کے سامنے ایک بھی شہادت ایسی نہیں جس کی بنا پر آپ کہہ سکیں کہ یہ شخص خاکسار تحریک کا ممبر ہے - تاہم آپ یہ خیال کر سکتے ہیں ملزم اس تحریک کے خیالات سے واقف ہے - اور اس سے ہمدردی رکھتا ہے - اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس کے لئے وہ کچھ کر گزرے جس کی فرمائش بظاہر اس کے لیڈر نے اپنے پیروؤں سے کبھی نہ کی ہو - بہرحال جو کچھ بھی ہو - آپ کے سامنے ایک بھی شہادت ایسی نہیں کہ وہ اس تحریک کا ایک رکن ہے - پھر اس کا تو ذکر ہی کیا کہ اس میں وہ کوئی ممتاز حیثیت رکھتا ہے میں نے آپ کو آگاہ کر دیا ہے کہ آپ کس مواد کو مدنظر رکھ سکتے ہیں - اب میں یہ حقیقت بھی آپ کے گوش گزار کر دوں کہ مجرمانہ مقدموں میں جسے "ثبوت کا بار" کہتے ہیں وہ شروع سے آخر تک استغاثہ ہی کے کندھوں پر رہتا ہے - اپنے آپ کو معصوم ثابت کرنا اس شخص کا کام نہیں - بلکہ یہ استغاثہ کا کام ہے کہ وہ اسے مجرم ثابت کرے بیشک ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس کے جرم کو بالکل اسی طرح ثابت کر دیں کہ جس میں تمام کوئی بھی کمزوری نہ رہ جائے - ملزم کے جرم کو اس طرح ظاہر نہیں کیا جا سکتا جس طرح علم ہندسہ کا ماہر یہ ثابت کر سکتا ہے کہ دو اور دو مل کر چار ہی ہوتے ہیں پانچ یا تین نہیں ہوتے - استغاثہ کا فرض صرف اس قدر ہے کہ وہ ملزم کو بغیر کسی معقول شبہ کے مجرم ثابت کر دے - "معقول شبہ" اس کے سوا اور کچھ نہیں جو ایک مرد معقول

Marfat.com

کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے۔ مرد معقول میں ایک حد تک اخلاقی جرأت ہوتی ہے۔ جو کسی بھی فیصلے کے لئے ضروری ہے۔ وہ ایک ایسا آدمی ہوتا ہے کہ جو فیصلہ کرتا ہے اسی پر عمل بھی کرتا ہے۔ وہ حقائق سے روگردانی نہیں کرتا۔ بلکہ ان کا مقابلہ کرتا ہے مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے ہر شخص لیا ہی ہے جب آپ شہادتوں کا جائزہ لے لیں تو آپ کو یہ سوچنا ہے کہ اگر خود آپ کی زندگی کا کوئی مسئلہ اس شخص کے جرم کی طرف رجوع ہوا تو آپ اسے مجرم گردانتے ہوئے یقین و اعتماد سے عمل کریں گے یا آپ اس پر سوچ بچار کرنا چاہیں گے یا کسی اور سے مشورہ کریں گے؟ اگر بات اول الذکر ہے تو استغاثہ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا ہے۔ اور اگر موخر الذکر بات ہے ـــــ اگر آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس معاملے میں آپ درحقیقت لیت و لعل کر رہے ہیں ــ تو آپ کے اس شبہ کا فائدہ ملزم کو ملنا چاہئے۔ حضرات! حقیقت تو یہ ہے کہ موجودہ مقدمے میں اس بات میں کوئی کلام نہیں کہ وہ جان بوجھ کر آزار پہنچانے کا مرتکب ہوا ہے۔ آپ کے سامنے اصل سوال تو ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ کہ استغاثہ کے بیان کے مطابق وہ اس سے زیادہ سنگین جرم یعنی اقدام قتل اور ایذا رسانی کا مرتکب ہوا یا نہیں۔

حضرات! میں آپ کو بتاؤں گا کہ اس جرم کے اجزاء کیا ہیں۔ اس مقدمے میں یہ ایک نہایت ہی آسان کام ہے۔ اگر آپ کسی شخص کو مارنے کے لئے حملہ کریں اور اسے مار ہی ڈالیں تو آپ ایک ایسے جرم کا ارتکاب کریں گے۔ جسے قتل کہتے ہیں۔ اگر آپ کسی کی جان لینے کے ارادے سے اسے چاقو چھری ماریں لیکن وہ مر نہ سکے تو آپ اقدام قتل اور ایذا رسانی کے مرتکب ہوں گے۔ اسی جرم کا الزام اس شخص پر بھی لگایا گیا ہے سچ پوچھئے تو یہ بھی قتل ہی ہے۔ اور اگر کوئی فرق ہے تو صرف اتنا کہ اس مقدمے میں اتفاق

Marfat.com

ذلیل سازشوں کی نوعیت صرف اس قدر نہ تھی بلکہ اس کا خطرناک رخ یہ تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے حسین شہید سہروردی کو ایسے مکروہ الزامات میں پھانس کر کے جو خود عوام کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت کا طوفان برپا کر دیں، انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سیاست کے میدان سے اسی طرح نکال پھینکا جائے جس طرح ملک کی دو قومی دستور یہ سے نکال باہر کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جہاں اور بہت سے منصوبے بنے وہاں ایک نہایت ہی خطرناک منصوبہ اس موقع پر بنایا گیا جبکہ لیاقت علی خاں نے لاہور کے ایک جلسہ عام کو خطاب کیا۔ اس عظیم الشان جلسہ عام میں گڑبڑ کرائی گئی (واضح رہے کہ اس دور میں لیاقت علی خاں صاحب کے جلسہ میں تو کیا کسی عام مسلم لیگی کے خطاب کے وقت بھی کسی کو گڑبڑ کرنے کی نہ کبھی پہلے جرأت ہوئی اور نہ اس کے بعد ہوئی۔ لیاقت علی مرحوم کا یہ پہلا مثالی جلسہ تھا جس میں گڑبڑ کرائی گئی اور دوسرا جلسہ وہ تھا جس میں انہیں گولی ماردی گئی) اور اس گڑبڑ کا الزام کسی نہ کسی طرح عالیجناب حسین شہید سہروردی پر ڈال کر انہیں مطعون کرنے کی کوشش کی گئی۔ اگرچہ سازشی گروہ کا یہ بیہودہ اور حیا سوز پلان بری طرح ناکام ہوا اور انہیں اس منصوبہ میں پوری طرح شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا لیکن راقم الحروف جیلانی چاندپوری کو اس منصوبہ کو ناکام کرنے اور شکست دینے کی بھیانک قیمت ادا کرنی پڑی۔ اس بھیانک منصوبہ پر مندرجہ ذیل خبر کا عکس پوری طرح روشنی ڈالتا ہے، ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

دستاویز پر دستخط کرانے کی غرض سے مجھ پر تشدد کیا گیا

روزنامہ امروز

ع۲-(ب) ۱

ہائی کورٹ میں عوامی لیگ کے کارکن کی شکایت

لاہور ۱۸ نومبر۔ [illegible] مسلم لیگ کے کارکن سید ظہور الحسن جیلانی چاند پوری کی طرف سے مسٹر حسین شہید سہروردی اور مسٹر محمود علی قصوری نے جو درخواست پیش کی تھی اسے لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر محمد منیر نے منظور کر لیا ہے اور یہ حکم دیا ہے اگر ظہور الحسن کو گرفتار کیا جائے تو ایک ہزار روپے کی ضمانت پر رہا کر دیا جائے۔

سید ظہور الحسن جیلانی نے اپنی درخواست میں کہا تھا کہ لاہور کے قلعہ میں جب اسے ۱۲ اکتوبر سے ۲۰ نومبر تک قید رکھا گیا تھا تو وہاں اس سے ایک دستاویز پر دستخط کرانے کی غرض سے پولیس نے بہت گھٹیا طریقے اختیار کئے۔ اس دستاویز میں کہا گیا تھا کہ اس کے رشتہ داروں نے لاہور میں اس غرض سے [illegible] کیا تھا کہ وزیر اعظم پاکستان کی جس جلسہ میں تقریر کرنی تھی اس میں انتشار پیدا کیا جائے۔ ظہور الحسن نے کہا ہے کہ جب اس نے دستاویز پر دستخط کرنے سے انکار کیا تو مجھ پر تشدد کیا گیا اور وحشیانہ برتاؤ کیا گیا۔

درخواست کنندہ نے آگے چل کر بتایا کہ ۲۰ نومبر گذشتہ کو مجھے رہا کیا گیا اور مجھے حکم دیا گیا کہ حکم ملنے کے بعد چوبیس گھنٹے کے اندر اندر پنجاب سے نکل جاؤ اور چھ ماہ تک یہاں واپس نہ آؤ۔ لیکن لاہور میں میرا قیام ضروری تھا۔ نہ صرف اس لئے کہ میں اپنے معاملات طے کروں بلکہ اس لئے بھی کہ جن پولیس افسروں نے مجھ سے وحشیانہ برتاؤ کیا ہے ان کے خلاف مقدمہ چلاؤں۔

چیف جسٹس موصوف نے درخواست کی سماعت کے بعد متذکرہ بالا حکم جاری کیا۔ (اے پی پی)

جناح لیگ کے کارکن جیلانی چاند پوری کو ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر پنجاب سے نکل جانے کا حکم

لاہور ۱۵ مئی۔ آج شام مسٹر جیلانی چاند پوری (کارکن [illegible]) کو [illegible] جناح عوامی مسلم لیگ) سے حکومت پنجاب کے اس حکم کی تعمیل کرائی گئی کہ وہ ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر پنجاب کی حدود سے نکل جائیں اور اس وقت تک صوبہ میں داخل نہ ہوں جب تک اس حکم کی میعاد ختم نہیں ہو جاتی۔ یہ حکم پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کے ماتحت جاری کیا گیا ہے۔

کل شام قانونی مشورہ کے لئے [illegible] چاند پوری نے مسٹر شہید سہروردی سے ملاقات کی۔

یاد رہے کہ مسٹر چاند پوری [illegible] کی تعمیل [illegible] نومبر گذشتہ کو قلعہ لاہور سے ان کو رہائی کے [illegible] کرائی گئی تھی۔ [illegible] چاند پوری نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تھی۔ بعد ازاں [illegible] ضمانت قبل از گرفتاری کے لئے ان کی طرف سے پیش کردہ درخواست منظور کرلی گئی تھی۔ اب حکومت پنجاب کے حکم کی خلاف ورزی کی بناء پر ان کے خلاف پیر صلاح الدین کی عدالت میں مقدمہ زیر سماعت ہے۔

چاند پوری نے [illegible] سی آئی ڈی [illegible] پولیس [illegible] کے خلاف [illegible] مقدمہ [illegible] (یہ مقدمہ ابھی عدالت میں زیر سماعت ہے۔)

اخبار روزنامہ "جہاد"
(روزنامہ نوائے وقت کا بدل)
۱۷ مئی ۱۹۵۱ء

ع ۴

Marfat.com

واقعات وحقائق یوں ہیں کہ اگست ۱۹۵۰ء میں کراچی میں آل پاکستان عوامی مسلم لیگ کا کامیاب کونشن منعقد کرنے کے بعد اکتوبر ۱۹۵۰ء میں راقم الحروف دو مقاصد کے تحت لاہور پہنچا۔ ان میں سے پہلا مقصد ذاتی اور تجارتی نوعیت کا اور دوسرا سیاسی یعنی نواب افتخار حسین خاں صاحب ممدوٹ اور ان کے ساتھیوں میاں عبد الباری صاحب مرحوم وغیرہ پر زور دے کر ان کو مسلم لیگ سے مستعفی کرا کر "آل پاکستان عوامی مسلم لیگ" میں شامل کرانے کی جدوجہد میں اپنے لیڈر عالیجناب سید حسین شہید سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی مدد کرنا۔ چنانچہ آخرالذکر کام اس وقت کی حکومت کے مزاج کو برافروختہ کر کے خود کو مظالم کا شکار بنا لینے کی بنیاد بن گیا اور بغیر کسی خاص وجہ کے (کیونکہ نہ تو پنجاب کے کسی حصہ میں راقم الحروف نے جلسوں میں تقاریر کی تھیں، نہ ہی بیانات دیئے اور نہ ہی مضامین لکھے تھے) راقم الحروف کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور جو اس خبر کے عکس کے متن میں موجود ہے، سازش کی بنیاد بنا گیا اور چاہا گیا کہ حسین شہید سہروردی کو اسی کے ایک ساتھی کے بیان کی بنیاد پر نہ صرف سیاست سے بیک بینی و دوگوش نکال باہر کیا جائے بلکہ پورے بنگال کی ناک کاٹ لی جائے اور ان کے محبوب لیڈر کو غنڈہ گردی کے نہایت ہی شرمناک الزام کا شکار بنایا جائے۔ چنانچہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو راقم الحروف کو پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۳ کے تحت گرفتار کر کے لاہور کے قلعہ میں قید کر دیا گیا اور نہ صرف طرح طرح کی دماغی اور ذہنی اذیتوں ہی شکار بنایا گیا (جس کا سلسلہ قید کرنے کے دو چار روز کے بعد ہی سے شروع کر دیا گیا تھا) بلکہ جسمانی طور پر ایسے وحشیانہ مظالم کیے گئے جن پر درندگی کو بھی شرم آجائے۔ اس مضمون میں ان مظالم کی تفصیلات کا اپنے قلم سے ذکر کرنے کی جگہ میں صرف ایک خبر کا عکس ہدیہ قارئین کرنا کافی سمجھتا ہوں مظالم کی داستان بہت طویل ہے۔ مختصر یوں سمجھ لیجئے کہ ان مظالم کے سلسلہ میں میرا ایک

Marfat.com

ایڈیٹر حمید نظامی

روزنامہ نوائے وقت (مدیر مسئول / بانی) لاہور (پاکستان)

جلد ۱۔ ہفتہ ۲۴ رجب سنہ ۱۳۷۱ھ — مارننگ ایڈیشن — ۱۹ اپریل سنہ ۱۹۵۲ء — نمبر ۸۵

سیشن جج کی عدالت میں مشہور سیاسی کارکن جیلانی چاندپوری کی اپیل

"پنجاب سے نکل جانے کے بارے میں حکومت پنجاب کا حکم ناجائز تھا" (سہروردی)

(ہمارے نامہ نگار سے)

لاہور ۱۸ اپریل ڈسٹرکٹ ایڈیشنل سیشن جج جناب پی۔ آر۔ پی۔ سے کی عدالت میں آج جناح عوامی مسلم لیگ کے مشہور کارکن جناب جیلانی چاندپوری کی اپیل پیش ہوئی۔ مقامی مجسٹریٹ پیرصلاح الدین نے حکومت پنجاب کی طرف سے جاری کردہ حکم کے مطابق مقررہ میعاد کے اندر پنجاب سے نہ نکلنے کے الزام میں جناب چاندپوری کو دو سال قید کی سزا دی تھی۔ یہ اپیل اس حکم کے خلاف کی گئی ہے۔ جناب چاندپوری آج کل سنٹرل جیل لاہور میں مقید ہیں۔

جناب حسین شہید سہروردی اور خواجہ عبدالرحیم اپیل کنندہ کی طرف سے پیش ہوئے۔ مسٹر سہروردی نے تقریباً اڑھائی گھنٹے تک بحث کی جس کے بعد سماعت ۱۹ اپریل بروز ہفتہ تک ملتوی کر دی گئی۔

جناب سہروردی نے پہلے نقطۂ نگاہ کے مطابق مقدمہ کی تفصیل بیان کی۔ آپ نے بتایا کہ جناب جیلانی چاندپوری کو پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کی دفعہ کے ماتحت ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو گرفتار کیا گیا تھا۔ ۵۰ [illegible] نے جلسہ عام میں [illegible] خطاب کیا [illegible] نومبر ۱۹۵۰ء کو [illegible] سپرنٹنڈنٹ [illegible] نے ملزم سے [illegible] ملاقات کی [illegible] نومبر ۱۹۵۰ء کو [illegible] انسپکٹر [illegible] کا سلسلہ [illegible] نوبت یہاں تک پہنچی [illegible] کا یہ سلسلہ پانچ دن تک جاری رہا اور ملزم کو نہایت ظالمانہ طریقے سے زدوکوب کیا گیا [illegible] سردیوں کے موسم میں ملزم [illegible]

پنجاب میں ہم گھنٹے تک رہنے کی اجازت دے دی گئی۔

جناب سہروردی نے کہا کہ مسٹر چاندپوری مہاجر کی حیثیت سے کراچی چلے گئے تھے۔ کراچی میں انہوں نے [illegible] کوئی سبب [illegible] ۱۹۵۰ء میں لاہور آ گئے اور یہاں انہوں نے [illegible] مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس لئے وہ پنجاب کے باشندے تھے۔ پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۲۰ کے ماتحت پنجاب کے کسی باشندے کو نکل جانے کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے مسٹر چاندپوری سے جس حکم کی تعمیل کرائی گئی تھی وہ سراسر ناجائز تھا۔ آپ نے بتایا کہ رہائی کے بعد مسٹر چاندپوری نے [illegible] ڈاکٹر [illegible] سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی کوشش کی [illegible] ایک ڈاکٹری سرٹیفکیٹ حاصل کیا اور ایک درخواست [illegible] یہ منظور کر لی گئی [illegible] چاندپوری پنجاب سے باہر گئے اور انہوں نے [illegible] ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ [illegible] دائر کر دیا۔ مقدمہ دائر کرنے سے قبل دو مختلف مجسٹریٹوں کی عدالتوں میں حاضر ہوئے اور زخموں کے معائنہ کی درخواست کی مگر انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر وہ فرسٹ کلاس مجسٹریٹ پیر صلاح الدین کی عدالت میں حاضر ہوئے اور فاضل مجسٹریٹ نے ہدایت کی [illegible] عدالت کی ہدایت کے مطابق [illegible] کرنے سے انکار کر دیا۔

[illegible] حکومت پنجاب نے پنجاب سے نکل جانے کے حکم کی خلاف ورزی کرنے کے الزام میں مسٹر چاندپوری کے خلاف مقدمہ [illegible] کی عدالت میں منتقل کر دیا گیا [illegible]

جاپان میں زبردست آندھی!

ٹوکیو ۱۸ اپریل۔ اطلاعات جاپان کے ایک شمالی جزیرے میں زبردست آندھی آئی جس سے ۵ ملازم غرق ہو گئے۔ آندھی کی رفتار ۱۲۴ میل فی گھنٹہ تھی۔

پچھلے ماہ بھی جاپان میں زبردست طوفان کے سبب ۳۰ آدمی ہلاک اور لاکھوں پونڈ کا نقصان ہوا تھا۔ (رائٹر)

حکومت کی طرف سے دائر کردہ مقدمہ کی سماعت [illegible] ۱۹۵۱ء کو شروع ہوئی۔ اس موقعہ پر ملزم نے درخواست دی کہ پولیس کے مبینہ تشدد کا اندازہ کرنے کے لئے عدالت میں موقعہ کا معائنہ کیا جائے۔ مستغیث کی طرف سے اس درخواست پر شدید احتجاج کیا گیا مگر فاضل مجسٹریٹ حمایت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ معائنہ کے شعور کی [illegible] کی تاریخ مقرر کی گئی مگر پیشتر اس کے کہ معائنہ کی تاریخ آتے حکومت پنجاب نے ملزم کو ایک حکم کی تعمیل کرائی جس کے مطابق انہیں پنجاب سے نکل جانے کی ہدایت کی گئی۔

جناب سہروردی نے کہا کہ فاضل مجسٹریٹ نے [illegible] شہادت کے مطابق [illegible] ملزم [illegible] معائنہ [illegible]

سیاسی کارفیق سید حسن ناصر (جو محض سیاسی کارکن ہونے کی حیثیت سے رفیق تھا حالانکہ ہم ایک دوسرے کے ہم خیال نہ تھے) اس دور کے بعد آنے والے زمانہ میں اسی قلعہ میں اسی درندگی کا شکار ہو گیا جس کی ابتداء جیلانی چاندپوری سے ہوئی تھی اور جس کے خلاف سب سے پہلے علم بغاوت بلند کرنے اور رازہائے درون پردہ کو فاش کرنے کی ہمت اسی جیلانی چاندپوری نے کی تھی۔ وہ زمانہ کس قسم کا جمہوری زمانہ تھا اس عکس صفحہ ۹۷ پر مندرجہ خبر کے عکس میں ملاحظہ فرما لیا ہو گا۔

PRIME MINISTER
PAKISTAN

Karachi, June 20, 1957.

My dear Mujibur Rahman,

This is to introduce to you Mr. Geelani Chandpuri. He believes that he has a claim on the attention of Government. Will you kindly see. He is a friend of mine.

Yours sincerely,

(H.S. Suhrawardy)

Shaikh Mujibur Rahman,
Minister for Commerce,
Government of East Pakistan,
Dacca.

Marfat.com

اس خبر کے عکس کے مطالعہ سے تھوڑا سا اور ہلکا ہلکا عکس جمہوریت کا سامنے آجاتا ہے اور اس دور کی عکاسی کرتا ہے جس دور کو پاکستان کا "شاندار جمہوری دور" کہا جاتا ہے۔ میں یہاں خبر میں چھپے ہوئے اس المیہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جو ڈاکٹری معائنہ اور ظالموں کے خلاف ایک مظلوم کا مقدمہ درج نہ ہونے کے بارے میں ہے۔ حقیقت میں تو یہ واقعات کچھ اس قسم کے ہیں کہ جن کی سفاکی کو ضبط تحریر میں لانا محال ہے کیونکہ الفاظ حقیقت کا اظہار کرنے سے عاجز اور واقعات کا احاطہ کرنے سے مجبور و عاری ہیں۔ کاش کہ قارئین کو جو کچھ گزرا ہے اس کا مشاہدہ کرایا جا سکتا؟؟؟ اس وقت بھی مشاہدہ کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد زندہ ہے۔ ان میں موجودہ وزیر قانون جناب محمود علی قصوری، سابق جسٹس سید جمیل حسین رضوی، خواجہ عبدالرحیم (راقم الحروف کے وکیل) اور پاکستان کے دو صدر الصدور انصاف چیف جسٹس محمد منیر صاحب اور جناب چیف جسٹس اے۔ آر۔ کارنیلیس اور ان حضرات کے علاوہ متعدد سیاسی شخصیتیں موجود ہیں۔ یوں بھی تاریخ میں یہ واقعات ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ عدالت عالیہ کے ریکارڈ سے انہیں حذف نہیں کیا جا سکتا۔ آج بھی ملک کے نامور قانون دانوں کی لائبریریوں میں عدالت عالیہ کی روئیدادوں کے اوراق ان واقعات کی امانت داری سنبھالے موجود ہیں۔ مجھے جملہ معترضہ کے طور پر ڈاکٹری معائنہ اور مقدمہ کے اندراج کے سلسلہ میں جو وضاحت کرنی ہے وہ یہ ہے کہ عالیجناب حسین شہید سہروردی میرے زخموں کے معائنہ کے لیے لاہور کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ ایک ایک ڈاکٹر کے پاس مجھے لیے لیے پھرتے رہے لیکن کسی ڈاکٹر کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ ایک مظلوم زخمی اور جاں بلب انسان کا معائنہ اور علاج کر کے اسے سرٹیفیکیٹ دے سکے حتیٰ کہ مجبور ہو کر عدالت سے رجوع کر کے سہروردی صاحب نے مقامی مجسٹریٹ جناب پیر صلاح الدین صاحب سے یہ کہا کہ مجھے عدالت عالیہ کا دروازہ اس کام کے لیے کھٹکھٹانا

Marfat.com

ہوگا۔ تب کہیں جاکرانہوں نے سول سرجن صاحب کو حکم دیا کہ زخمی کا معائنہ کر کے رپورٹ کی جائے لیکن ہوا کیا ؟

سول سرجن صاحب کی طرف سے صاف انکار ــــ عدالت کے حکم سے انکار اور انصاف کے تقاضے خاموش ــــ عدالت بے بس ــــ یہ تھی وہ جمہوریت جس کو پاکستان کی تاریخ کا شاندار جمہوری دور کہا جاتا ہے۔ایک مظلوم کو ظالم کے خلاف عدالت میں مقدمہ درج کرانا تھا۔مظلوم حزب اختلاف کے بانیوں میں سے ایک تھا پولیس کے بہیمانہ مظالم کے خلاف سہروردی جیسے عظیم قانون داں اسے ہر عدالت میں لیے پھرتے رہے بالآخر اس وقت تک مظلوم کو انصاف طلب کرنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آئی جب تک کہ سہروردی صاحب نے اسکی شکایت عدالت عالیہ سے نہ کر دی اور عدالت عالیہ نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ (ایس ایس جعفری صاحب جو ابھی زندہ ہیں) کو اس مقدمہ کی سماعت کے ساتھ ساتھ یہ حکم نہ دے دیا کہ اگر ٹھیک سماعت نہ ہوئی تو مقدمہ مذکورہ ہائی کورٹ میں زیر سماعت لے لیا جائے گا۔ اس کے علاوہ سیاسی قیدیوں کی مجبوریوں سے جیل میں کس طرح فائدہ اٹھایا جاتا تھا اس کی مثال جملہ معترضہ کے طور پر سن لیجئے ۔

راقم الحروف عدالتی حکم کے تحت باعزت کلاس میں جیل کاٹ رہا تھا کہ ایک روز سپرنٹنڈنٹ صاحب نے فرمایا کہ ہم آپ کو یہ خوشخبری سناتے ہیں کہ حکومت آپ پر اعتماد کر کے یہ چاہتی ہے کہ آپ کو خان عبدالغفار خاں (باچا خاں) کے ساتھ شاہی وارڈ میں منتقل کر دے (واضح رہے کہ عبدالغفار خاں صاحب اس زمانہ یعنی جون ۱۹۵۲ء میں لاہور جیل کے شاہی وارڈ میں نظر بند تھے)۔ راقم الحروف نے جواب دیا کہ میں ایک قیدی ہوں اور حکومت کے قبضہ میں ہوں، وہ جہاں چاہے مجھے رکھ سکتی ہے۔ فرمانے لگے نہیں کیونکہ آپ کوئی کانگریسی نہیں ہیں

Marfat.com

اور عبدالغفار خاں پاکستان کے خلاف ہیں۔ آپ ان سے گھل مل جائیں اور ان
خیالات معلوم کر کے حکومت کو مطلع کرتے رہیں۔ راقم الحروف نے کہا کہ گویا آپ نے
مجھے جاسوسی کی خدمت پر مامور فرمانا چاہا ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک
آپ عبدالغفار خاں صاحب کو مقدمہ چلا کر غدار ثابت نہ کر دیں میں انہیں لائق
اور قابل احترام پاکستانی سمجھتا ہوں۔ رہی یہ بات کہ آپ کی حکومت نے مجھے اپنا جاسوس
بنا کر میری سخت توہین کی ہے تو میں اس ذلت کے لیے آپ کی حکومت کو کبھی معاف
نہیں کر سکوں گا۔ یہ سن کر سپرنٹنڈنٹ صاحب خاموش تو ہو گئے مگر مجھے اس کی یہ سزا
ملی کہ مجھے گورا وارڈ سے اس وارڈ میں منتقل کیا گیا جہاں بے حد گرمی میں پنکھے کا کوئی
انتظام نہ تھا اور جہاں راولپنڈی سازش کیس کے ملزموں کو بھی رکھا گیا تھا۔ اس جاسوسی
کے کام کے لیے حکومت نے ایک لیڈر کی خدمات حاصل کیں اور بہانہ بنا کر انہیں
جیل میں رکھا گیا اور پھر باچا خاں سے ملاقاتیں کرائی گئیں۔ اگر میں اس لیڈر کا نام ظاہر
کر دوں تو دنیا دنگ رہ جائے۔ وہ آج بھی حزب اختلاف کی حمایت میں جیل میں
ہے۔ (اب جبکہ یہ کتاب کتابت کے مرحلے میں ہے تو وہ اپنے رب کے پاس پہنچ چکا ہے)

سازشوں کا پہلا بھیانک نتیجہ

مندرجہ بالا سطور سے اس بات کا اندازہ ہو گیا ہو گا
عالیجناب حسین شہید سہروردی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے خلاف کیسی کیسی بدترین سازشیں
کی گئی تھیں اور ان کا ردعمل مشرقی پاکستان پر کیا ہوا اس کی وضاحت حالات و واقعات نے
پوری طرح کر دی ہے۔ تاہم اس شدید ردعمل کی ایک مثال یہ ہے کہ "عوامی مسلم لیگ
مشرقی پاکستان" نے جناب خیرات حسین صاحب کو جو صوبائی وزیر خوراک بھی رہ چکے
ہیں، مذکورہ واقعات کی تحقیقات کرنے کے لیے لاہور بھیجا جہاں انہوں نے

Marfat.com

شاہی قلعہ لاہور سے رہائی کے فوراً بعد مورخہ ۱۴ نومبر سنہ ۵۰ء

بائیں طرف سے (بیٹھے ہوئے) ۱ داؤ پرویز اختر صاحب صدر پنجاب این۔ ڈی۔ پی ۲ گلے میں ہار پہنے ہوئے مسٹر جیلانی چاند پوری ۳ مسٹر سراج الدین ۴ ڈاکٹر اسلم چشتی (مدیر ہفت وار نباض لاہور۔)
بائیں طرف (کھڑے ہوئے) ۱ جناب محمد اقبال قاضی ۲ خواجہ صادق کاشمیری برادر نسبتی جناب شورش کاشمیری (ہفتہ وار ادارہ چٹان ویکلی لاہور) جناب غلام رسول بٹ۔ جناب حفیظ قریشی جنرل سیکرٹری سرحد عوامی لیگ اور ڈاکٹر سعید صاحب (میڈیکل اسٹورز لاہور)

Marfat.com

مسٹر جیلانی چاندپوری کی درخواست ضمانت قبل از گرفتاری منظور کر لی گئی

ایڈیشنل سیشن جج کی طرف سے پانچ ہزار روپے کی عارضی ضمانت پیش کرنے کا حکم

(احسان مدیر روزنامہ جہاد لاہور — نوائے وقت ۲۰ مئی ۱۹۵۱ء)

لاہور ۱۸ مئی۔ آج ایڈیشنل سیشن اینڈ ڈسٹرکٹ جج لاہور مولوی محمد ابراہیم نے جناب عوامی مسلم لیگ کے کارکن مسٹر ظہیر الحسن جیلانی چاندپوری کی درخواست ضمانت قبل از گرفتاری منظور کر لی اور درخواست دہندہ کو اجازت دی کہ وہ پانچ ہزار روپے کی عارضی ضمانت پیش کرے۔

حکومت پنجاب نے پبلک سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۔۔ کے ماتحت ۱۵ مئی ۱۹۵۱ء کو مسٹر جیلانی کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر پنجاب سے نکل جائیں۔ ۱۶ مئی کو مسٹر جیلانی نے ہائی کورٹ لاہور میں درخواست ضمانت قبل از گرفتاری پیش کی۔ عدالت عالیہ نے یہ درخواست سیشن جج لاہور کے روبرو پیش کرنے کی ہدایت فرمائی۔ ۱۸ مئی کو یہ درخواست فاضل سیشن جج لاہور کی عدالت میں پیش کی گئی تو انہوں نے اس درخواست کو ایڈیشنل سیشن جج کی عدالت میں منتقل فرمایا۔ چنانچہ آج ایڈیشنل سیشن جج کی عدالت میں سماعت ہوئی جس کے نتیجہ میں درخواست دہندہ کو پانچ ہزار روپیہ کی عارضی ضمانت پیش کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

درخواست دہندہ کی طرف سے مسٹر حسین شہید سہروردی اور چوہدری نذیر احمد خاں ایڈووکیٹ پیش ہوئے۔

مسٹر جیلانی نے اپنی درخواست میں لکھا تھا کہ درخواست دہندہ کو ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو پبلک سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۳ کے تحت گرفتار کیا گیا۔ گرفتاری کے دوران میں اسے لاہور قلعہ میں رکھا گیا اور اذیت پہنچا کر مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے لیڈروں کو پھنسائے۔ ۱۴ نومبر ۱۹۵۰ء کو اسے رہا کر کے پبلک سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۵ کے ماتحت ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر پنجاب سے نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ بعد ازاں درخواست دہندہ کی التجا پر اس حکم کی میعاد میں ۴۸ گھنٹوں تک توسیع کر دی گئی۔ درخواست دہندہ کو یقین تھا اور اب بھی ہے کہ گرفتاری کا حکم ناجائز تھا۔ تاکہ اسے مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے لیڈروں کو پھنسائے۔ اسی طرح پنجاب سے نکل جانے کے متعلق حکم بھی ناجائز تھا۔ تاکہ جن پولیس افسروں نے اس پر ظلم کیا تھا ان کے خلاف قانونی کارروائی نہ کر سکے۔ چنانچہ اس نے ان احکامات کے جواز کے متعلق عدالت میں چیلنج کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور عدالت عالیہ میں درخواست ضمانت قبل از گرفتاری پیش کی جو منظور فرمائی گئی۔

مسٹر جیلانی نے اپنی درخواست میں مزید لکھا کہ درخواست دہندہ نے پولیس افسروں کے خلاف ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کی عدالت میں زیر سماعت مقدمہ کے انتقال کے لئے عدالت عالیہ میں درخواست پیش کی۔ مگر یہ درخواست نامنظور ہوئی جس کے بعد فاضل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ۱۵ مئی ۱۹۵۱ء تک درخواست دہندہ کی شہادت قلمبند کی گئی۔ درخواست دہندہ کو یقین ہے کہ مذکورہ دونوں مقدمات کا فیصلہ اس کے حق میں ہوگا۔ ۱۵ مئی کو جب درخواست دہندہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت سے واپس گھر آ رہا تھا تو تقریباً ۵ بجے سہ پہر اسے پنجاب پبلک سیفٹی ایکٹ کی دفعہ نمبر ۵ کے ماتحت ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر پنجاب سے نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ یہ حکم سراسر ناجائز ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ فاضل مجسٹریٹ پیر صلاح الدین لاہور قلعہ میں مقام واردات کا معائنہ نہ کر سکیں اور درخواست دہندہ کی بیانات نہ ہو۔ علاوہ ازیں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں زیر سماعت مقدمہ کی مزید سماعت نہ ہو۔ درخواست دہندہ نے کبھی کسی قابل اعتراض سرگرمی میں حصہ نہیں لیا۔ درخواست دہندہ ۱۵ مئی ۱۹۵۱ء کو وصول کردہ حکم کے جواز کو عدالت میں چیلنج کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اندیشہ ہے کہ اسے گرفتار کر کے پبلک سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۱۵ کے ماتحت مقدمہ چلایا جائے گا۔ اس لئے درخواست ضمانت قبل از گرفتاری پیش کی گئی ہے۔

Marfat.com

شاہی قلعہ لاہور سے رہائی کے بعد کراچی پہنچنے پر مسٹر جیلانی چاند پوری کے اعزاز میں ترتیب دیئے جانے والے استقبالیہ کا منظر سہروردی صاحب کے برابر میں ہار پہنے ہوئے جیلانی صاحب تشریف فرما ہیں اور سہروردی صاحب کے دوسری طرف برابر میں محمود الحق عثمانی اور جیلانی صاحب کے برابر میں مشہور سوشلسٹ لیڈر اور صحافی جناب مبارک ساغر ہیں جبکہ پیچھے کھڑے ہوئے خلیل ترمذی ہیں اس استقبالیہ میں کراچی کے میئر ایس۔ ایم توفیق کے علاوہ شہر کے ہر سیاسی جماعت کے لیڈر موجود تھے

Marfat.com

THE PAKISTAN TIMES

LAHORE, TUESDAY, DECEMBER 19, 1950.—9, RABI-UL-AWWAL, 1370, A.H.

High Court transfers Jilani's case to D.M.

Strictures against magistracy

(BY A STAFF REPORTER)

The petition of Mr Zaheerul Hassan Jilani Chandpuri praying the transfer of his case from the court of the Additional District Magistrate to the High Court came up for hearing before the Honourable Chief Justice Mr Mohammad Munir of the Lahore High Court on Monday. His lordship ordered the case to be transferred to the court of the District Magistrate, Lahore.

In his petition Mr Chandpuri stated that as the "petitioner's case is against important police officials who are charged with the most serious offences of an inhuman and bestial nature and the petitioner, particularly in view of the cordiality between the accused and the trying magistrate and the harassment he has already suffered, he has every reason to entertain the reasonable apprehension that he will not get a fair and impartial trial in that court nor in any subordinate court of the province."

The petitioner had also stated that during his detention in the Lahore Fort he was subjected to severe assaults and maltreatment in his private parts at the instance of Malik Habibullah, Superintendent of Police, C.I.D. by Inspector Ghulam Nabi and six constables whom he could identify. As a result of that he spat blood from his lungs and was still spitting blood.

IRREGULARITIES

Further, the petitioner lodged a complaint in the Court of the City Magistrate of Lahore on Nov. 18, 19[illegible] against Malik Habibullah, S.P. C.I.D. and Inspector Ghulam Nabi and the six constables. The City Magistrate refused to record his statement on oath which, the petitioner stated, he was bound to do under the law or to see his wounds and inflicted upon his person, and transferred the case to the Additional District Magistrate to whom he was subordinate.

As directed by the City Magistrate the petitioner went to the Ahlmad of the Additional District Magistrate who was then on tour. The Ahlmad took him to the Duty Magistrate Pir Salahuddin but he also refused to see and note his injuries.

CIVIL SURGEONS REFUSAL

He, however, ordered the petitioner to get himself examined by the Civil Surgeon of Lahore as a private case. The Civil Surgeon refused to examine him.

Next day the petitioner again applied to Pir Salahuddin to see and note his injuries as the Civil Surgeon had refused to examine him. The petitioner was directed to go to the then Duty Magistrate, Mr Omar Saeed, who in turn directed the petitioner to go to the Additional Deputy Commissioner. The Additional Deputy Commissioner first refused to pass any orders stating that he was not a magistrate but later on ordered that all the papers and applications and the complaints should be placed on the file of the Additional District Magistrate.

The petitioner then presented himself before the Additional District Magistrate who also refused to see and note the wounds and the blood upon his person. On the next day the petitioner was asked to give a sworn statement before the Reader while the Magistrate was trying summary cases. The petitioner's statement was taken piecemeal and the case was adjourned to another day. In this manner, the petitioner was harassed from day to day and his statement was taken piecemeal on five days. The statement was completed on Dec 2, and he was then called upon to sign the same without the same being read over to him, which he refused to do.

"SERIOUS CASE"

Presenting the petition, Mr. H. S. Suhrawardy submitted that Mr Chandpuri presented himself to the magistrates but none took notice of his application or wounds. Mr Suhrawardy dealt with all the points made in the petition and prayed that as the case was very serious his Lordship may order the case to be transferred to the High Court.

Mr Aziz Mahmud, Assistant Advocate-General, who represented the Crown submitted that according to a circular of the Central Government complaints like the one made by Mr Chandpuri were heard by the Additional District Magistrate.

It was because of those instructions that the magistrates did not take note of his complaint and his alleged wounds.

CHIEF JUSTICE: Show that circular. When a man comes to a magistrate and requests him to see his wounds, should not the magistrate see the wounds which are quite visible? remarked his Lordship. However, this does not mean that Mr Chandpuri was actually wounded, his Lordship added.

MR AZIZ MAHMUD: My Lord the Magistrate is not a medical man.

CHIEF JUSTICE: No question of technicality. Can't he see the wounds which are quite visible?

MR AZIZ MAHMUD: Submitted that the magistrates did not take note of such complaints according to that Circular.

CHIEF JUSTICE: Why was the statement recorded by the Reader and not by the Magistrate himself? I have already told them to record the statements themselves. And moreover, why was the statement recorded in 5 days, why it was not read over to Mr Chandpuri and [illegible] signed by him? According to Law a statement after being recorded should be read over to the [illegible] and [illegible]

MR AZIZ MAHMUD: My Lord, according to general practice the Magistrate does not record the statement himself because he hears and sees what is being recorded.

'MAGISTRATES WEAKNESS'

CHIEF JUSTICE: While it is our duty to protect our officials it is equally our duty to make them work on proper lines so that the people have confidence in them. I shall not allow them to commit such irregularities. This is the duty of the Magistrate to record the statements himself. I know it is the weakness of the Magistrates that they feel that since certain police officers are interested in the case therefore, they should try to satisfy their wishes. It is the job of the District Magistrate to pay more attention to this work if he feels that the magistracy is not working properly. He should pay more attention to this work then he pays to functions and parties. However, this is due to the defect in the system.

After hearing the arguments of the Assistant Advocate-General the Chief Justice asked Mr Suhrawardy that if the case is to be transferred why should not the District Magistrate try it?

Mr Suhrawardy submitted that the District Magistrate was more busy with his executive duties than judicial ones.

CHIEF JUSTICE: He may be but he is the head of the magistracy in the district.

His Lordship then ordered the case to be transferred to the Court of the District Magistrate.

His Lordship rejected another petition filed by Mr Chandpuri regarding a case of prosecution by the Crown against Mr Chandpuri pending in the court of Pir Salahuddin, a 1st Class Magistrate of Lahore.

Marfat.com

جناب محمود الحق عثمانی صاحب (جو اس وقت عوامی مسلم لیگ کراچی کے جنرل سکریٹری تھے اور لاہور آئے ہوئے تھے) کے ہمراہ پنجاب کا دورہ کیا اور عام حالات کی رپورٹ اپنی جماعت کو پیش کی۔ "عوامی مسلم لیگ مشرقی پاکستان" کی مجلس عاملہ نے پورے صوبے میں جلسے منعقد کر کے عالیجناب سہروردی صاحب کے خلاف کی جانے والی اس سازش کی بھرپور مذمت کی اور تجویزیں پاس کیں۔ بھاشانی صاحب جو اس وقت عوامی مسلم لیگ صوبہ مشرقی پاکستان کے صدر اور جناب شیخ مجیب الرحمٰن جو اس وقت جنرل سکریٹری تھے صوبہ بھر میں اپنی دھواں دھار تقریروں سے حکومت کی قلعی کھولنے میں مصروف ہو گئے۔ اس مہم نے حسین شہید سہروردی کے حامی بنگال کے تقریباً ۹۰ فیصد لوگوں کو حکومت کے کرتوتوں سے متنفر کر دیا۔ جہاں اس سازش کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنگال میں حکومت کے خلاف نفرت کے جذبات بھڑکے وہاں خود سازش کے اندر سازش وجود میں آتی چلی گئی اور بالآخر ان سازشوں نے ایک ایسی گہری اور کامیاب سازش کو جنم دیا کہ خود پہلے وزیر اعظم پاکستان جناب خان لیاقت علی خاں صاحب اس سازش کا شکار ہو کر "شہید ملت" ہو گئے۔ لیاقت علی خاں صاحب کے قتل کے متعلق جو کچھ عام خیال ہے وہ یہی کہ سازش کا شکار ہوئے اور اس سازش میں بعض کے نزدیک غلام محمد گورنر جنرل کا ہاتھ تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے ہاتھ میں سکندر مرزا صاحب کا ہاتھ تھا اور اس میں بھی شک نہیں کہ سکندر مرزا کے ہاتھ میں ایوب خاں کا ہاتھ تھا اور یہ بھی حق ہے کہ ایوب خاں صاحب کے ہاتھ میں آغا محمد یحییٰ خاں کا ہاتھ تھا اور ان کے ہاتھ سے جو زمام حکومت جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے ہاتھ میں آئی اس میں ان کا ہاتھ ابھی تک موجود ہے۔ بہرحال یہ ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھوں سے متعلق رہے اور چونکہ حکومت ایک دوسرے کے ہاتھوں ہاتھ سپرد ہوتی رہی اس لیے یہ سازش ابھی تک درون سازش ہے کہ لیاقت علی خاں کے قتل کی سازش میں کن کن لوگوں کا

Marfat.com

ہاتھ تھا۔

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے
پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

راقم الحروف جناب خاں لیاقت علی خاں صاحب کے قتل کی اطلاع پاتے ہی سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ اس سلسلہ میں اپنے عالی مرتبت رہنما سے تفصیلات معلوم کر سکے کیونکہ سہروردی صاحب کے ذرائع معلومات بہت وسیع تھے۔ اکثر سفراء بھی ان کے دوست تھے اور ان کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ چنانچہ اس وقت وہ اپنے بڑے بھائی کی کلفٹن والی کوٹھی پر موجود تھے اور مغموم بیٹھے ہوئے تھے۔ راقم الحروف بھی سلام کے بعد خاموش بیٹھ گیا۔ انہوں نے یہ کہہ کر خاموشی کو توڑا کہ " پاکستان میں بہت بری مثال قائم ہوئی ہے" پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ " آپ حضرات نے دیکھا کہ پاکستان میں کیا کچھ ہونے لگا ہے" میں نے نہایت ادب اور نرمی سے سوال کیا کہ " ہم نے جو کچھ دیکھا وہ دیکھا لیکن آپ اس بات پر تو روشنی ڈالیں کہ یہ قتل کیوں کیا گیا اور اس میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے" سہروردی صاحب نے مخصوص انداز میں فرمایا کہ " جی ہاں ـــ کیا کہا آپ نے ـــ یعنی ہاتھ ـــ جی ہاں ـــ میں تو یہ ہی کہوں گا کہ میرے دوست نے خودکشی کی ہے" ان کے ان الفاظ نے مجھے چونکا دیا ـــ حیرت واستعجاب کے ساتھ میں نے سوال کیا کہ جناب خودکشی کیسی وہ تو راولپنڈی کے جلسہ عام میں قتل کئے گئے ہیں۔ سہروردی صاحب نے پھر زور دے کر فرمایا " جی ہاں انہوں نے خودکشی کی ہے انہوں نے اپنے گرداگرد سازشیوں کا مجمع اکٹھا کر رکھا تھا۔ وہ انہیں پہچان ہی نہ سکے۔ دوسروں کے خلاف مرحوم کو خوش کرنے کی غرض سے یہ سازشی جو سازشیں کرتے رہے وہ لیاقت علی خاں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کرتی رہیں کہ سازشی ان کے بہترین دوست ہیں

Marfat.com

حالانکہ سازشی گروہ خود ان کے خلاف بھی سازشوں میں مصروف تھا اور بالآخر پاکستان میں سازشوں کا پہلا بھیانک نتیجہ برآمد ہوا اور میرے دوست لیاقت علی خاں خود اس کا شکار ہو گئے۔"

اس قتل کا بلاتخصیص مشرقی بنگال میں بھی مجموعی حیثیت سے وہی ردعمل ہوا جو پنجاب سندھ اور سرحد میں ہوا تھا۔ ہر ایک نے اسے سازش کا نتیجہ قرار دیا اور اس واقعہ کی بے حد مذمت اور سازشی گروہ پر لعنت وملامت کی گئی لیکن اس کے بعد سازشیوں کا دور زیادہ چمک دمک کے ساتھ نمایاں ہوا اور اس مرتبہ یہ عمل مشرقی بنگال کے مشہور فرزند خواجہ ناظم الدین جو شہید ملت لیاقت علی خاں کے جانشین تھے، کے خلاف ظہور میں آیا۔ خواجہ صاحب کیونکہ اس قدر آہنی شخصیت کے مالک نہ تھے کہ جنہیں قتل کے سوا مسند اقتدار سے علیحدہ کرنا ممکن نہ ہو اس لیے سازشی گروہ کو ان کے قتل کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ اوّل تو وہ ایک ایسی جماعت کے سربراہ تھے جو خود سازشوں کا اڈہ بنی ہوئی تھی اور اس میں پارلیمانی اکثریت (اور اکثریت بھی غیر معمولی اور لافانی) کے باوجود اتنی سکت نہ تھی کہ وہ اپنے حق کو چھیننے والے کے مقابلے میں کسی جدوجہد کا آغاز کر سکے لہٰذا سازشی گروہ نے انہیں بہت آسانی کے ساتھ بیک بینی و دو گوش ایوان اقتدار سے نکال باہر کیا۔ ان کی وزارت عظمیٰ کو کالعدم کر دیا گیا اور پارلیمنٹ (اسمبلی) توڑ دی گئی جس نے آئین قریب قریب مرتب کر لیا تھا اور جس میں خواجہ صاحب کی پارٹی کی غالب اکثریت تھی۔ خواجہ صاحب کے ساتھ ہی دوسرے بنگالی رہنما جناب مولوی تمیزالدین صاحب تھے جنہیں اس سازش کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت ہوئی لیکن بالآخر انہیں بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور وہ بھی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ مسلم لیگ نے نہ صرف اپنے صدر خواجہ ناظم الدین کی برطرفی کے خلاف کوئی عملی اقدام نہیں کیا بلکہ خواجہ صاحب کو وزارت کے ساتھ ساتھ صدارت سے بھی خارج کر دیا گیا۔

Marfat.com

محترم حضرت جیلانی چاند پوری۔

طریقت کے وجدان اور رہبر طریقت کے فیضان کا دور

Marfat.com

سب سے پہلے غلام محمدؒ نے بنگالیوں کو بنگالی ہونیکا احساس دلایا

مشرقی بنگال میں اس واقعہ کا شدید رد عمل ہوا جو کہ ہونا ہی چاہیے تھا۔ پہلی بار مشرقی بنگال کے عوام نے محسوس کیا کہ مرکزی حکومت کے ارباب حل وعقد جو سازشیں کر رہے ہیں وہ محض جماعتی سطح پر نہیں ہیں اور نہ ہی محض اس لیے ہیں کہ برسر اقتدار حضرات کو اپوزیشن سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے بلکہ برعکس اس کے حزب اقتدار ہی کا ایک گروہ نوکر شاہی کے کرتا دھرتا حضرات سے ملکر اس خاص علاقہ کی لیڈر شپ کے خلاف سازش میں مصروف ہے اور اب یہ علاقائی عصبیت بنگال کے خلاف شدید طور پر ابھر کر سامنے آگئی ہے اس واقعے سے پہلے جتنے بھی واقعات ظہور میں آئے بنگالی عوام نے انہیں حزب اقتدار کی طرف سے حزب اختلاف پر ظلم اور سفاکی تصور کیا لیکن یہ واقعہ تو ایسے دو فریقین کے مابین تھا جنکا تعلق حزب اقتدار ہی سے تھا۔ ان میں سے ایک لیڈر شپ بنگالی تھی اور دوسری غیر بنگالی۔ چنانچہ بنگالی عوام میں مسلم لیگیوں سے زیادہ غیر مسلم لیگی اس سے متاثر ہوئے کیونکہ مسلم لیگیوں کا تو یہ حال ہو چکا تھا کہ " جدھر اقتدار ادھر ہی نمک خوار"۔

ان کی اس عادت کا شرمناک مظاہرہ یوں ہوا کہ انکی جماعت ذلیل ہوئی تو ذلیل کرنے والے کو انہوں نے عزت مآب کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ کون نہیں جانتا کہ مسلم لیگیوں ہی نے غلام محمد صاحب مرحوم کے دست بازو مضبوط کیے اور انہیں قومی ہیرو تسلیم کر کے نت نئے خطابات عظمت سے نوازا۔ اس کے مقابلہ میں غیر مسلم لیگی بنگالیوں پر خواجہ ناظم الدین کی مظلومانہ ذلت خواری اور مولوی تمیز الدین صاحب کی بے یار و مددگاری

Marfat.com

نے گہرا اثر کیا اور ان کے قلوب مضروب اور جذبات مجروح ہو گئے۔ اس طرح بنگلہ دیش کے بیج کو پھوٹ نکلنے کے لیے پانی میسر آگیا۔ نفرت کی کھاد نے زمین کو جان دار کر دیا لیکن ابھی یہ سب کچھ غیر محسوس طور پر ہو رہا تھا۔ ابھی تک نہ بنگلہ دیش کے بیج کی شناخت ہوئی تھی اور نہ نفرت کی کھاد کی نشاندہی۔ اسی دور میں غلام محمد صاحب نے بنگال میں (جو اسمبلی ٹوٹنے اور گورنر راج کے قیام کے بعد بغیر اسمبلی ہی کے گزر بسر کر رہا تھا) صوبائی اسمبلی کے انتخابات کرانے کا اعلان کر دیا تاکہ غلام محمد صاحب کی مجوزہ آئین ساز اسمبلی وجود میں آسکے جو مشرقی بنگال کے چالیس نمائندوں اور پنجاب، سرحد، سندھ کے چالیس نمائندوں پر مشتمل ہو۔ بنگالی عوام نے اسے اپنی خوش قسمتی جانا کیونکہ برسوں کے مطالبات، مظاہروں، ایجی ٹیشنوں، جیلوں کی صعوبتوں اور طرح طرح کی قربانیوں اور بے انتہا مظالم کا شکار رہنے کے بعد انہیں یہ موقع ملا تھا کہ وہ اپنے نمائندے اپنی مرضی کے مطابق منتخب کر سکیں اور اپنے ووٹوں کی کثرت کی قوت سے نہ صرف طاقت اقتدار میں حصہ حاصل کر سکیں بلکہ اکثریت میں ہونے کی وجہ سے اقتدار کے مالک بن سکیں۔ چنانچہ بہت محنت اور مساعی کے بعد یہ الیکشن حزب اختلاف نے جیت لیا لیکن یہاں ایک عجیب بدقسمتی کا ذکر نہ کرنا اس موضوع کے ساتھ ناانصافی ہوگی اور وہ یہ کہ بدقسمتی سے الیکشن جیتنے والی حزب اختلاف "یونائیٹڈ فرنٹ" نامی ایک مشترکہ ہانڈی تھی جسے چوراہے پر پھوٹنے کا خطرہ بہت جلد لاحق ہو گیا اور مجیب الرحمٰن صاحب کے وہ تمام خدشات جنکی وہ شروع ہی سے پیشگوئیاں کرتے چلے آئے تھے روبہ ظہور ہو گئے۔

واقعات یہ تھے کہ عالیجناب سید حسین سہروردی صاحب مرحوم نے بنگال کے محترم اور معمر ترین رہنما جناب اے۔ کے فضل الحق صاحب کے ساتھ مل کر "یونائیٹڈ فرنٹ" نامی متحدہ محاذ الیکشن میں مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کے لیے بنایا تھا۔ مجیب الرحمٰن صاحب نے جو اس وقت عوامی مسلم لیگ مشرقی بنگال صوبہ کے جنرل سیکرٹری تھے شدید مخالفت

Marfat.com

کی تھی اور اپنے صدر مولانا بھاشانی صاحب کو بھی اپنی اس تجویز کی حمایت پر آمادہ کر لیا تھا کہ جناب مولوی۔ اے۔ کے فضل الحق صاحب مرحوم کے ساتھ متحدہ محاذ نہ بنایا جائے ان کا موقف یہ تھا کہ ہم نے صوبہ کے گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ گھوم کر اور دربدر ہو کر عوام کو عوامی مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع کیا ہے۔ اس الیکشن میں ہم مسلم لیگ کے ساتھ ہی اے۔ کے فضل الحق صاحب کی کرشک سرامک پارٹی اور دیگر پارٹیوں کو بخوبی شکست فاش دے سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ پھر ہم اے۔ کے فضل الحق صاحب کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر سیاسی بساط پر دوبارہ لے آئیں جبکہ خود سہروردی صاحب ہی نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اے۔ کے فضل الحق صاحب کو بنگال کی سیاست سے بارہ پتھر باہر کر دیا تھا۔ درحقیقت سیاسی سوجھ بوجھ کا فیصلہ یہی تھا کہ عوامی مسلم لیگ کسی پارٹی کے ساتھ بھی اشتراک کر کے الیکشنی محاذ نہ بنائے لیکن سہروردی صاحب اے۔ کے فضل الحق صاحب کی بہت عزت کرتے تھے اور انکی خواہش تھی کہ فضل الحق صاحب کی سیاسی تعظیم و تکریم بحال کر دی جائے جو قیام پاکستان کے آخری ایام میں ان کے مغلوب قائم ہو جانے کی وجہ سے خود سہروردی صاحب ہی کے ہاتھوں ضائع ہو چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے اس کی تلافی کے طور پر بھی اے۔ کے فضل الحق صاحب کے ساتھ متحدہ محاذ بنانا ضروری سمجھا اور بھاشانی اور مجیب الرحمٰن دونوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کر دیا۔ اس طرح اے۔ کے فضل الحق پر مکمل اعتماد کر کے جگتو فرنٹ کو وجود میں لے آیا گیا۔

قطع نظر اس کے کہ جگتو فرنٹ کے نمائندوں میں اے۔ کے فضل الحق کے حامیوں کی تعداد زیادہ تھی اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ سہروردی صاحب نے ان پر کامل اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ جگتو فرنٹ کی صوبائی قیادت بھی کلیۃً اے۔ کے فضل الحق صاحب ہی کے سپرد کر دی گئی تھی۔ معاہدہ کے تحت مرکزی قیادت عالیجناب حسین شہید سہروردی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد تھی اور یہ جگتو فرنٹ والوں نے انہیں اپنا مرکزی رہنما کلیۃً تسلیم کر لیا تھا۔

Marfat.com

چودھری محمد علی نے سہروردی صاحب سے کیا سلوک کیا

سازشی گروہ کی ساری کوششوں کا مدعا یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح مشرقی بنگال کی افرادی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر کے پورے پاکستان پر اس سازشی گروہ کا تسلط ہمیشہ کے لیے قائم ہو سکے کیونکہ صورت حال یہ ہو چکی تھی (بلکہ پیدا کرنے میں یہ گروہ کامیاب ہو چکا تھا) کہ پاکستان سے اس آمریت کا جو شروع ہی سے پاکستان کے بدقسمت عوام کا مقدر بن چکی تھی، خاتمہ کرنے کی جدوجہد کرنے والے مشرقی بنگالی، سہروردی صاحب کی لیڈرشپ میں جدوجہد کر رہے تھے۔ باقی صوبوں میں انہیں نہ صرف غدار تصور کیا جاتا تھا بلکہ باقی صوبے اس ازلی آمریت کی حمایت کو پاکستان کی وفاداری سمجھتے تھے بلکہ جو شخص ظالم و جابر اور سازشی گروہ کا جسقدر حامی تھا وہ اس قدر ملک کا وفادار مانا جاتا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ ان چاروں صوبوں کے عوام اس گروہ کے دل سے قطعاً حامی نہ تھے۔ ایک قلیل گروہ ان صوبوں میں ایسا موجود تھا کہ جو بحالی جمہوریت کے لیے اس سازشی گروہ کے خلاف جدوجہد میں مصروف رہ کر طرح طرح کی صعوبتیں برداشت کر رہا تھا اور عظیم الشان قربانیاں دے رہا تھا لیکن عوام اس گروہ کے ساتھ قربانیاں دینے اور جدوجہد کی صعوبتیں برداشت کرنے پر آمادہ نہ تھے یا یوں کہیئے اور یہ کہنا ہی زیادہ صحیح ہے کہ وہ مشرقی بنگال کے عوام کی طرح سیاسی طور پر بیدار نہیں ہوئے تھے اس لیے اس ظالم و جابر اور سازشی گروہ کی اقتداری زندگی کو ان سے کسی طرح کا خطرہ لاحق نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سازشی گروہ کے نزدیک مشرقی بنگال کی بیدار آبادی کو جو افرادی قوت کی بنا پر ایک لمحہ میں اس گروہ کا تختۂ حکومت الٹ سکتی تھی، اقلیت میں تبدیل کرنے کی

Marfat.com

۱۹۵۴ء میں مسٹر اے۔ کے فضل الحق صاحب نے اپنی چند روزہ حکومت کے دوران کلکتہ میں کچھ ایسی باتیں ارشاد فرمائیں کہ جن کو بنیاد قرار دے کر مشرقی بنگال کے تمام ہی مقبول، محبوب اور فعال رہنماؤں پر مسلم لیگی قیادت اور مرکزی حکومت نے مل کر غداری کے تیروں کی اس قدر بوچھاڑ کی اور پورے "جگتو فرنٹ" کو ایسا رسوا کیا کہ پنجاب، سندھ سرحد اور بلوچستان کے عوام کے دلوں میں ہر بنگالی کے لیے بالعموم اور غیر مسلم لیگی بنگالیوں کے لیے بالخصوص عدم اعتماد کا جذبہ پیدا ہو گیا اس بے اندازہ پروپیگنڈہ کے زیر اثر جو شروع ہی سے جاری وساری تھا لیکن اس زمانہ میں جس کی رفتار بہت تیز ہو گئی تھی ایسا جذبہ پیدا ہو جانا قدرتی امر تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مشرقی بنگال میں احساس محرومی اور ناکامی کی وجہ سے علاقائی ناانصافیوں کا حل تلاش کیا جانا شروع ہونے لگا اور اس ظلم و جبر کے تدارک کی تدابیر سوچی جانے لگیں جو ان کے ساتھ سیاسی طور پر روا رکھا جا رہا تھا لیکن اس قبیل کے فکر و تدبر کے سامنے ایک شخصیت سہروردی صاحب کی تھی جو ہمیشہ دیوار بن کر حائل ہو جایا کرتی تھی۔ وہ شخصیت جہاں مشرقی بنگال کی محبوب اور معتمد ترین شخصیت تھی وہیں پاکستان کے باقی ماندہ صوبوں میں "غدار" سمجھی جاتی تھی یہ عجیب ستم ظریفی تھی کہ ایک طرف تو ارباب اقتدار اور مسلم لیگ کی قیادت کے صاحبان حل عقد نے سہروردی صاحب کو مطعون کرنے اور "جگتو فرنٹ" کو غداروں کا ٹولہ قرار دینے پر ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رکھا تھا جبکہ دوسری طرف سازشوں کا ایک جال بچھایا جا رہا تھا جس میں سہروردی صاحب کو پھانسنے کی بھرپور کوششیں ہو رہی تھیں اور اس سازش کے روح رواں پاکستان کے بدنام صدر اسکندر مرزا تھے۔

Marfat.com

ہر ممکن تجویز اور ہر قسم کی سازش کا روا رکھا جانا ہر قیمت اور ہر حال میں ضروری ہو چکا تھا چنانچہ اس گروہ نے پیریٹی اور ون یونٹ (Parity and one unit) کی نہایت ہی حسین و خوبصورت سازش کا جال تیار کیا اور اسلامی اخوت کے نام پر اپیل کر کے اس میں سہروردی صاحب کو ان کے ملک کی یکجہتی اور اسلامی اخوت کے قابل قدر جذبہ کی وجہ سے بہر حال اس جال میں پھانس لیا اور ان سے پیریٹی اور ون یونٹ کی منظوری حاصل کر لی ساتھ ہی ساتھ اقتدار کے سلسلے میں یہ بات طے پا گئی کہ برابری کے اس فارمولے کے تحت اگر ملک کا صدر مشرقی حصہ سے تعلق رکھتا ہوگا تو وزیر اعظم مغربی حصہ سے لیا جائے گا۔ اسی طرح اگر صدر مغربی حصہ کا ہوگا تو وزیر اعظم مشرقی حصہ سے لیا جائے گا۔

یہاں یہ بات سب سے زیادہ قابل غور ہے کہ مشرقی بنگال (جو اب پیریٹی اور ون یونٹ کے تسلیم کئے جانے کے بعد مشرقی پاکستان کہلایا جا رہا تھا) کے عوام کے دلوں میں محرومیوں، ناکامیوں اور سیاسی مظالم کا شکار ہو کر مظلومیت کے احساس نے طوفان اور ہیجان بپا کر رکھا تھا۔ ایسی صورت حال میں ان کی آبادی اکثریت کو مساوات کا نام دے کر ختم کرنے کی جسارت ایک دلیرانہ جرأت تھی جس کی ہمت مولوی اے۔ کے فضل الحق صاحب جیسے منجھے ہوئے مکرم و معظم اور بزرگ رہنما کو بھی نہ ہو سکی تھی اور انہوں نے نہ صرف اس فارمولے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا بلکہ اسے تسلیم کرنے پر سہروردی صاحب کے خلاف بنگالیوں کو اکسانے کی مہم بھی شروع کر دی تھی۔ یہ بھی اس سازشی گروہ کا "شاندار کارنامہ" تھا کہ جس نے فضل الحق مرحوم کے ذریعہ سہروردی صاحب کی مقبولیت اور محبوبیت کا مشرقی پاکستان میں قلع قمع کرنے کی وہ ایک "منتہ دو کاج کی مثل" کے طور پر کامیاب سازش کی تھی اور بالآخر جس کا صلہ فضل الحق صاحب کو چند روزہ "وزارت داخلہ" کے اعزاز سے ادا کر دیا گیا۔

Marfat.com

اس موقع پر بھی جناب شیخ مجیب الرحمٰن صاحب اور جناب عبدالحمید خاں صاحب بھاشانی نے سہروردی صاحب کو اس فارمولے کو قبول کرنے سے باز رکھنے کی انتھک کوشش کی اور اپنے ان خدشات کا اظہار کیا جو بعد میں بالکل اسی طرح معرض وجود میں آئے جس طرح کہ مجیب الرحمٰن کی فراست نے انہیں محسوس کیا تھا۔ آل پاکستان عوامی مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں جس کا راقم الحروف بھی ممبر تھا شیخ مجیب الرحمٰن صاحب نے بلا تامل اور کھل کر یہ اعلان کیا بلکہ سہروردی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ۔

"جناب عالی! آپ ہمارے محبوب رہنما ہیں اور ہم آپ کے کسی فیصلہ سے کبھی انحراف نہیں کر سکتے لیکن میں اس میٹنگ میں واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ فارمولا ایک دھوکہ ہے اور فریب دے کر اسلامی اخوت اور ملکی یک جہتی کے نام پر ہمیں ایک بہت ہی گھناؤنی اور گندی سازش کا شکار کیا جا رہا ہے۔ جناب عالی! یہ گروہ پیریٹی کی بنیادی شرط (شرکت اقتدار) کو کبھی پورا نہیں کرے گا اور ہمیں ہماری اکثریت سے محروم کرنے کے بعد ہمارے عوام کو ہمارے خلاف اکسانے اور گمراہ کرنے کی مہم ہمارے صوبہ میں شروع کرے گا اور اس کام کے لیے اس کے پاس چند بکے ہوئے اور خریدے ہوئے بنگالی موجود ہیں جو ہمارے صوبہ میں جا کر ایک حشر بپا کر دیں گے کہ "عوامی مسلم لیگ" کے قائد نے اپنے اقتدار کی قیمت پر بنگال کی اکثریت کو فروخت کر دیا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہمارے جائز حقوق کو اپنی وزارت عظمیٰ کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ جناب عالی! میں یہ بھی کہوں گا کہ یہ گروہ اپنے وعدوں پر نہ پہلے کبھی قائم رہا ہے اور نہ آئندہ اس سے وعدوں کو پورا کرنے کی کوئی امید ہو سکتی ہے۔ اس حقیقت کے باوجود میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کو اپنا فرض منصبی جانتا ہوں۔"

جیسا کہ راقم الحروف کو یاد ہے اور یاد رہے گا کہ یہ تقریر مجیب الرحمٰن نے نہایت رقت انگیز انداز میں کی تھی اور اس کی تائید میں "عوامی مسلم لیگ" کے عام منتخب

Marfat.com

ممبران دستور ساز اسمبلی یہی رائے رکھتے تھے لیکن سہروردی صاحب کی محبوب شخصیت نے اپنی مقبولیت کے زیر اثر سب کو۔ مساواتِ نمائندگی اور صوبائی وحدت کی تجویز منظور کرنے پر مجبور کر دیا اور بالآخر یہ فارمولا آئین کا جزو بن گیا۔

لیکن ہوا کیا؟

وہی جس کا اظہار زیرک فہیم اور حساس مجیب الرحمٰن نے پہلے ہی کر دیا تھا۔ اسکندر مرزا صاحب نے جو صدر ہو چکے تھے سہروردی صاحب کو وزارت عظمیٰ کا حلف لینے کے لیے رات کو طلب کیا تھا حزب اختلاف کے لیڈر کی قیام گاہ کلفٹن پر ہم سب عوامی لیگی رات کو ایک بجے تک منتظر تھے کہ اب آدھ گھنٹے کے بعد ہمیں قصر صدارت میں تقریب حلف برداری میں شرکت کے لیے جانا ہے کہ ایک عظیم ملک کے سفیر تشریف لائے اور انہوں نے چپکے سے سہروردی صاحب کو ایک طرف بلا کر یہ اہم خبر سنائی جو یہ تھی کہ مسلم لیگ کے صدر جناب چودھری محمد علی صاحب نے (جو اب موجودہ دور میں اس ملک کے بہت بڑے جمہوریت نواز اور حزب اختلاف میں مولانا مودودی صاحب اور جناب نواب زادہ نصر اللہ خاں صاحب کے ساتھی شمار ہوتے ہیں) راتوں رات ان سے کیے ہوئے معاہدے کو کالعدم کر کے مولوی فضل الحق صاحب سے رشتہ استوار کر لیا ہے اور اب بحیثیت وزیر اعظم انہوں نے حلف اٹھا کر اپنی کابینہ میں آپ کے مشروط داخلے کے لیے دروازہ کھلا چھوڑ دیا ہے —— یہ انعام سہروردی صاحب کو اس خدمت کے صلہ میں دیا گیا تھا جو انہوں نے پیریٹی کو تسلیم کرانے کے لیے اپنی مقبولیت اور محبوبیت کو خطرہ میں ڈال کر انجام دی تھی۔ یہ ایک زبردست دھکا تھا جو بنگالیوں نے برداشت کیا۔ ان کے قلوب پر اس کا رد عمل کیا ہوا وہ بیان کا محتاج نہیں ہے۔ (یہ عبارت روزنامہ "حریت" کی ۹ نومبر ۶۲ء کو شائع ہونے والی تیسری قسط میں چھپی تھی۔ اس سلسلہ میں "اقراری مجرم" اسکندر مرزا اور چودھری محمد علی صاحب کا اپنا اپنا بیان بھی ملاحظہ

Marfat.com

عوامی مسلم لیگ کو عوامی لیگ کیوں بنایا گیا

نیز ہٹی کو قبول کر کے عوامی مسلم لیگ نے وہ کام انجام دیا تھا جس کو مغربی پاکستان کے عوام نے توسراہا لیکن سازشی گروہ نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بنگال کی صوبائی اسمبلی میں بعض بنگالیوں کے اشتراک سے اور بالخصوص ہندو کانگرسیوں کو اس سازش میں شریک کر کے ابوحسین سرکار مرحوم کی قیادت میں اقتدار پر قبضہ کر لیا اور صوبہ بھر میں عوامی مسلم لیگ کے خلاف زبردست مہم جوئی کا آغاز کر دیا۔ اسمبلی کے اندر ہندو ممبران اسمبلی نے جو توازن کے مالک بن گئے تھے، عجیب کھیل یہ کھیلا کہ کبھی ابوحسین سرکار اور مرکز میں مسلم لیگ کے ساتھ ہو جاتے اور کبھی عوامی مسلم لیگ کو اپنی مکمل حمایت کا یقین دلا کر دھوکہ بازی سے دونوں طرف سے اپنا مفاد حاصل کرتے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کی اکثریت کو ہندو اقلیت نے بے اثر ہی نہیں کر دیا بلکہ اپنے رحم و کرم کا محتاج بنا دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ آمر نواز گروہ کی ذلیل سازشوں کا نتیجہ شرمناک انداز میں یہی نکلنا تھا۔

اس صورت حال نے "عوامی مسلم لیگ مشرقی پاکستان کی قیادت" کو ایک قسم کے کرب میں مبتلا کر دیا تھا۔ انہوں نے ان تمام سازشیوں کا توڑ یہ کیا کہ مرکز میں "آئینی طور پر جداگانہ انتخاب کی جگہ مخلوط انتخاب" اور مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کی اجارہ داری کا صوبائی سیاست سے خاتمہ کرنے کے لیے "عوامی مسلم لیگ" کو محض عوامی لیگ بنا کر اس میں ہندو عوام کو شریک کرنے کی تجویز یں جماعتی طور پر مشرقی پاکستان عوامی مسلم لیگ کی کونسل سے منظور کرالیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے پاس ان سازشوں کو ناکام کر کے اپنے سیاسی حقوق کے حصول اور تحفظ کا اس سے زیادہ موثر اور کوئی ذریعہ

Marfat.com

موجود نہ تھا۔ لیکن جیسے ہی عوامی لیگ نے یہ رویہ اختیار کیا ویسے ہی مغربی پاکستان کے پریس اور ریڈیو کے علاوہ سیاسی پلیٹ فارم سے ان کے خلاف نفرت و عناد اور مخاصمت و مخالفت کا ایک طوفان امنڈ آیا اور "غداری" کے تمغے اس شدت سے تقسیم ہوئے کہ مشرقی پاکستان میں غداری کا لفظ ایک اعزازی خطاب کے معنی اختیار کر گیا۔

اس میں شک نہیں کہ شیخ مجیب الرحمن صاحب مولانا بھاشانی اور ان کے ساتھیوں نے اس ہنگامہ آرائی اور طوفانِ بدتمیزی کا شکار ہوتے ہوئے بھی نہایت صبر استقلال اور جرأت و پامردی کا ثبوت دیا، بالخصوص ایسے حالات میں جبکہ انہیں اپنی جماعت کے مغربی حصہ میں اندرونی طور پر موثر مخالفت کا مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ چنانچہ راقم الحروف خود اس جماعتی مخالفت میں پیش پیش تھا اور "عوامی مسلم لیگ" کے اصل نام کو برقرار رکھنے کا کامل طور پر تہیہ کیے ہوئے تھا اگرچہ اس معاملہ میں اسے عوامی مسلم لیگ کے قلیل ممبران کی حمایت حاصل تھی۔ سہروردی صاحب کو راقم الحروف اور اس کے بعض دوستوں کی دل جمعی اور خاطر نوازی منظور تھی۔ راقم الحروف کی تو اس لیے کہ ان کے نزدیک جہاں میں جماعت کے بانیوں میں سے ایک تھا وہاں اس جماعت کے لیے ان گنت بے بہا اور عظیم قربانیاں دے کر آزمودہ کار اور امتحان سے گذرا ہوا سپاہی ثابت ہو چکا تھا۔ نیز دیگر احباب کی خاطر ان کی اپنی مخصوص حیثیتوں کی وجہ سے انہیں منظور تھی۔ اس لیے انہوں نے اس مسئلہ کو مرکزی ورکنگ کمیٹی (آل پاکستان عوامی مسلم لیگ) کے اجلاس میں پیش کرنے کی بھی اجازت دے دی۔ اس مسئلہ پر بحث کے دوران شیخ مجیب الرحمن صاحب، شیخ ظہیر الدین، ابوالمنصور، دلدار احمد صاحب اور ان کے دیگر ممبر ساتھیوں نے جو وضاحت اس موقف کے حق میں پیش کی اس کا ایک رقت انگیز حصہ میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ شیخ مجیب الرحمن صاحب

Marfat.com

اور شیخ ظہیر الدین صاحب نے نہایت دردناک اور کرب واندوہ سے بھرپور لہجے میں تقریریں کیں جن کا لب لباب یہ تھا کہ:-

"ہمارے مغربی پاکستانی بھائیو ہم بھی آپ ہی کی طرح مسلمان ہیں - ہم نے بھی پاکستان کے لئے قربانیاں دی ہیں - ہمیں بھی اپنا مذہب اور اپنی قوم اسی قدر عزیز ہے جس قدر آپ کو لیکن ہمارا صوبہ جن حالات اور مشکلات میں پھنسا ہوا ہے، ہم پر جو ظلم وستم اور سیاسی ناانصافیاں قیام پاکستان کے بعد سے اب تک مسلسل روا رکھی جاتی رہی ہیں، ہماری اکثریت کو جس جعلسازی سے اقلیت میں تبدیل کیا گیا ہے اور ہمارے پارلیمانی حقوق غصب کئے گئے ہیں اور پھر ہمارے عوام کو گمراہ کرنے کے لیے ہمارے خلاف غداریوں کے الزامات جس مہم جوئی سے لگائے جا رہے ہیں آپ حضرات کو اس کا اندازہ نہیں ہے - ہم پر سازش کے ذریعہ ہندو اقلیت کو اس طرح مسلط کیا گیا ہے کہ ہم ان کی ہر خواہش اور ہر مطالبہ کی اگر تکمیل نہ کریں تو اقتدار سے ہمیشہ محروم رکھے جائیں گے - اسی طرح یہ ہندو اقلیت ہمارے مدمقابل سیاسی فریق کو بھی اس طرح اپنا آلۂ کار بنائے ہوئے ہے کیونکہ ہم نے اس کا آلۂ کار بننے سے انکار کر دیا ہے - ہم نے اس سازش پر قابو پانے کے لیے یہ تجویز رکھی ہے کہ عوامی سطح پر ہندوؤں کو بالکل اسی طرح اپنی جماعت میں شامل کریں کہ جس طرح مسلمان ہندوستان میں مجبور ہو کر کانگریس کا ساتھ دیتے ہیں اور اس میں شامل ہوتے ہوئے ملکی معاملات میں شرکت کرتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے - اس لیے آپ ہماری اس تجویز کی مخالفت نہ کریں - ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کیا گیا ہے - ہمیں امید ہے کہ آپ حضرات بھی ہماری اس مجبوری کے پیش نظر جماعت کے نام کی تبدیلی کو منظور فرمائیں گے۔"

Marfat.com

یہ کچھ اسی قسم کا استدلال انہوں نے مخلوط انتخاب کے سلسلہ میں بھی پیش کیا
تھا جس کی سیاسی طور پر معقولیت کا راقم الحروف کو اقرار تھا لیکن مذہبی جذبات
اس کی اجازت نہیں دیتے تھے اس لیے اس وقت ہم نے ان کی اس وضاحت
کو قبول نہیں کیا اور اپنے طور پر ہم اپنی اس جماعت کو "عوامی مسلم لیگ ہی کہتے
رہے" سہروردی صاحب نے ہمیں علیحدہ جماعت بنانے سے یہ کہہ کر روک دیا
کہ جماعت کے اندر آپ کو اس کا حق حاصل ہے کہ آپ کنویسنگ کر کے لوگوں کو
اپنا ہم خیال بنائیں اور پارٹی کا نام عوامی مسلم لیگ ہی منظور کرالیں اور ہم آپ کے اس
حق کی پوری حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں۔ بہرحال ہماری جماعت عوامی مسلم لیگ تھی جو
عوامی لیگ بن گئی۔ اس طرح عوامی لیگ نے قانونی طور پر ملک میں مخلوط انتخاب کی
منظوری اسمبلی سے حاصل کر لی اور اس سازشی گروہ کے اس منصوبے پر کہ وہ ہمیشہ
ہمیشہ اقتدار پر قابض رہے گا پانی پھر گیا لیکن انہوں نے اب ملک کو کھلم کھلا آمریت
کی راہ پر ڈال دیا اور اسکندر مرزا صاحب اس ملک کے صدر ہی نہیں بلکہ بے تاج
بادشاہ بن گئے۔ انہوں نے اپنے دست راست جناب فیلڈ مارشل
ایوب خاں کی مدد حاصل کر کے ملک میں جمہوریت کے مکمل خاتمہ کا اعلان کر دیا۔

Marfat.com

جنرل محمد ایوب خان

جنرل محمد یحییٰ خان

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

نوابزادہ نصر اللہ خان

Marfat.com

KARACHI

[illegible]

علامہ مشرقی اور عوامی لیگ کا حکومت کے خلاف متحدہ [illegible]

علامہ مشرقی کی جماعت اسلام لیگ عوامی لیگ میں شامل کر دی جائیگی

عوامی لیگ کے کنونشن میں شرکت کیلئے پنجاب اور سرحد کے خاکسار کراچی [illegible]

کراچی ۱۱ اگست۔ کراچی میں ۱۱، ۱۲ اگست کو عوامی لیگ کا جو اجتماع ہو رہا ہے اس میں عوامی لیگ [illegible]
دشمن عناصر کو اکٹھا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں پیر الٰہی بخش صاحب نے جو
سندھ میں عوامی لیگ کا تنظیم کا کام ہے علامہ مشرقی اس عزم کے تحت آ رہے ہیں۔ یہی اطلاع موصول
جو کسی زمانہ میں خاکسار تحریک کے مدعو رواں تھے بتائی ہے کہ علامہ مشرقی کو [illegible]
کو اسی کنونشن میں شرکت کی دعوت دی تھی لیکن وقت کی جماعت اسلام لیگ کو عوامی لیگ میں مدغم [illegible]
کی تنگی کی وجہ سے علامہ موصوف خود تو نہ آ سکے ہیں وہ اپنی اس خواہش میں کامیاب ہو جائیں گے
لیکن آپ نے تمام خاکساروں کو شمولیت کا حکم دیا ہے علامہ مشرقی کراچی بھی آئیں گے۔
معلوم ہوا ہے کہ کنونشن میں کافی تعداد میں خاکسار

بے بنیاد پروپیگنڈے کا ایک اور نمونہ اس عکس میں ملاحظہ فرمایئے۔

Marfat.com

شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاندپوری

خلافت رشد و ہدایت اور مسندِ ارشاد و کرامت کی سجادہ نشینی کا دور

Marfat.com

مجیب الرحمٰن نے ۱۹۶۰ئہ میں کہا تھا کہ ایوبؔ خان کی سیاسی زندگی دس سال سے زیادہ نہیں اور ابھی میں صرف ۴۱ برس کا ہوں

سازش جب پھیل جائے تو وہ صرف ایک سازش نہیں رہتی بلکہ اس کے بطن سے بہت سی سازشیں جنم لیتی ہیں چنانچہ اس آمریت نواز گروہ میں بھی سازش در سازش کا سلسلہ چل نکلا اور وہی چودھری محمد علی جو ایک رات میں وزارت عظمیٰ کے مالک بنے تھے ایک دن بے یار و مددگار کر دیے گئے۔ ان سے جب وزارت عظمیٰ چھنی تو اپنی پرانی روایت کے مطابق مسلم لیگ نے بھی انہیں صدارت کی کرسی سے دھکا دے دیا اور وہ قتل عاشقان کے جرم میں بے کار رواں ہو کر اِدھر اُدھر بھٹکتے رہنے کی سزا بھگتنے لگے

اسی باعث تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو رہبر بے کارواں ہو کر

اس کے بعد سہروردی صاحب کی وزارت جس طرح اچانک آمریت کی خوراک بنی وہ پاکستان کی تاریخ کا ہمیشہ یاد رہنے والا المیہ اس لیے ہے کہ درحقیقت اس کے بعد بنگال پر جو اب مشرقی پاکستان تھا اپنے مغربی پاکستانی بھائیوں کی طرف سے قطعی مایوسی طاری ہو گئی کیونکہ اس مرتبہ مسلم لیگ کے میاں ممتاز دولتانہ نے قرآن کی تحریری قسم سے یقین دلا کر دھوکا دیا تھا اور بالکل چودھری محمد علی صاحب کے نقش قدم پر چل کر ہمیشہ کی طرح اس بار پھر مشرقی پاکستان کی پشت میں خنجر پیوست

Marfat.com

کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ کہ میاں ممتاز محمد خانصاحب دولتانہ نے جس وزارت کی خاطر سہروردی صاحب ہی سے نہیں بلکہ پورے مشرقی بنگال سے عیاری و عہد شکنی کا سلوک کیا تھا اس وزارت کی عمر تقریباً چالیس دن سے زیادہ نہ ہو سکی۔ ان کے اس معاہدہ کا جو انہوں نے اسکندر مرزا صاحب سے کیا تھا وہی حشر ہوا جو اس سے پہلے کے معاہدوں کا ہوتا رہا تھا اور جو پاکستان کی ممتاز ترین روایت کے طور پر آج بھی قائم ہے۔ سر فیروز خانصاحب نون جو اسکندر مرزا کے رازداران خصوصی اور محبان قریبی میں سے تھے تقریباً ایک سال کی مدت ہی میں خود بھی اسی سازش کا شکار ہوئے جس کا شکار دوسروں کو کرنے میں انہوں نے اسکندر مرزا کی بھرپور حمایت سے کبھی گریز نہ فرمایا تھا۔ اب وہ صورت حال پوری طرح سامنے تھی جس کا اس سازشی گروہ نے برسوں کی محنت شاقہ کے بعد رفتہ رفتہ نفاذ کیا تھا اور جسے بادی النظر میں "مارشل لاء" کا نام دیا جاتا ہے۔

اب جنرل محمد ایوب خاں (جو اس وقت خود ساختہ فیلڈ مارشل نہ ہوئے تھے) سامنے آگئے۔ پاکستان کی سیاست میں اس وقت تک ان کا رول "صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں" کے مصداق تھا۔ اسکندر مرزا صاحب نے خود کو بادشاہ اور انہیں وزیر اعظم بنا لیا تھا۔ بظاہر تو آمریت اپنی آخری حد تک پہنچ چکی تھی لیکن حقیقت میں ایسا نہیں تھا کیوں دو آمروں کا ایک ہی اقتدار سے وابستہ رہنا ناممکن ہے اس لیے حالات نے ایک اور کروٹ لی اور ایک اور مرحلہ سامنے آیا جس نے یہ منزل صرف بیس دن میں برق رفتاری سے طے کرا دی۔

فوجی جرنیلوں میں یہ خیال عام ہو گیا کہ آخر اسکندر مرزا صاحب کا بوجھ مارشل لاء کس لیے اٹھائے پھرے اور انہیں اپنے شانوں سے کیوں نہ اتار پھینکے اس خطرناک صورت میں بھی اسکندر مرزا جیسے سودے باز نے جرنیلوں سے اپنے ذاتی تحفظات کا وعدہ لے کر اور اپنی غداریوں اور مکاریوں کی سزا سے بچے رہنے کا اطمینان کر کے اقتدار

Marfat.com

کامل طور پر ایوب صاحب کے حوالے کر دیا۔ اس طرح پاکستان میں اقتدار کی منتقلی کی ایک نئی طرح ڈالی جس میں سربراہ مملکت ہر قسم کی بدعنوانیوں، غداریوں، مکاریوں اور ملک فروشی، قوم فروشی اور دین فروشی جیسے تمام جرائم کر کے سزا سے بچنے کی قیمت اقتدار کی منتقلی کو قرار دے کر خود کو ہر طرح محفوظ کر سکتا ہے۔

ایوب خاں صاحب نے اقتدار سنبھالتے ہی سب سے پہلے ایک بات واضح طور پر کی کہ یہ ملک تباہ ہو جائے، ختم ہو جائے، مٹ جائے یا قائم رہے، خواہ کچھ ہو جائے مگر یہ نہیں ہوگا کہ اقتدار سیاسی اور پُرامن طور پر سیاست دانوں کو منتقل ہو۔ اس واضح اور اٹل عزم میں ان کے ساتھ ان کے وہ تمام ساتھی شریک تھے جنہیں انہوں نے اپنی کابینہ میں شامل کیا تھا۔ باقی کو تو چھوڑیئے آج کے دو عظیم انقلابیوں اور اس وقت ایوب خاں کے اقتدار کے سب سے زیادہ مخالفت کے دعوے داروں یعنی جنرل محمد اعظم خاں صاحب اور جناب زیڈ۔ اے بھٹو صاحب کا ایما بھی اس عزم صمیم میں برابر شریک تھا۔ ان کی دھواں دھار تقریریں اور شعلہ نگار بیانات آج بھی اخبارات کی فائلوں میں اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ اس "انقلابی رجیم" نے غداری، وطن دشمنی اور سازشی کے الزامات کی بھرمار سے اس وقت اکثر رہنماؤں کو نوازا بالخصوص مشرقی پاکستان میں تو عوامی لیگ کا شاید ہی کوئی مقتدر ممبر بچا ہو جس کی چھاتی کو ان تمغوں سے نہ سجایا گیا ہو۔ مغربی پاکستان میں خان اعظم قیوم خان، بھٹو صاحب کے ڈبل بیرل خان، اور جناب محمد ایوب کھوڑو بھی اسی ذیل میں شامل ہو کر اس قطار میں کھڑے کر دیئے گئے جو مخصوص معتوبین پر مشتمل تھی اور جس کی بنیاد ڈالتے وقت یہ دونوں رہنما کبھی سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ایک دن خود وہ بھی اسی قطار میں کھڑے کر دیئے جا سکتے ہیں۔

جہاں تک خان اعظم بخطاب عطیہ جلالت مآب ذوالفقار علی بھٹو صاحب ڈبل بیرل خان صاحب سابق فولاد خان صاحب کا تعلق ہے ان سے متعلق مقدمے کے انکشافات

Marfat.com

بھٹو صاحب نے اخبارات کے کالموں کے ذریعہ ہم تک یوں پہنچائے کہ مذکور موصوف نے مصائب و آلام سے تنگ آکر اپنے کیے پر پچھتا کر اور معافی مانگ کر نمک خواروں میں شامل ہو جانا مناسب جانا یہ اس مسلم لیگ کی قیادت عظمیٰ کا جس نے پاکستان بنایا تھا ایک لاثانی شاہکار تھا اس دور میں قیوم خان مسلم لیگ کے صدر تھے ۔ دوسرے مغربی پاکستانی جناب ایوب کھوڑو کو قسمت نے اپنے ہم وطن و ہم شہر کی نظروں سے اس جرم کی پاداش میں کہ وہ ان کے والد کی حزب اختلاف تھے گرا رکھا تھا اس لیے وہ سنگین طور پر معتوب ایوب خاں ہوئے مگر ایسے وقت میں ایک جمہوریت نواز ہستی ایسی بھی موجود تھی جو ذاتی اختلافات کو نہیں بلکہ جماعتی اور سیاسی اختلاف کو بھی مخالف کے مصیبت میں پھنسنے کے بعد مخصوص فراخی دل سے نظر انداز کر کے اس کی بھرپور امداد کرنے کا حوصلہ رکھتی تھی اور وہ شخصیت ــــــــ تھی جسے اس کے مخالف ایوب کھوڑو صاحب نے انتہائی نازیبا ، ناشائستہ اور کریہہ خطابات اور الفاظ سے ہمیشہ یاد کیا تھا ۔ لہذا اس اعلیٰ انسان نے جس کا نام سید حسین شہید سہروردی تھا اس موقع پر بھی اپنے کردار کی بلندیوں کو عرش تک پہنچا کر ثابت کر دیا کہ رہنمائی کا جوہر اسے کہتے ہیں ۔ انہوں نے جناب محمد ایوب کھوڑو صاحب کی بھرپور مدد کر کے ان کے قلب کی گہرائیوں میں اپنی عظمت کی ایسی تخم ریزی کی کہ ایوب کھوڑو صاحب کا قلب آج اس سے باغ و بہار بنا ہوا ہے ۔

اس موقع پر اس واقعہ سے متعلق ایک بات کا ذکر نہ کرنا جس سے عالیجناب سید حسین شہید سہروردی صاحب کی عظمت کی بلندیوں کی نشاندہی ہوتی ہے حقیقت کو چھپانے کے مترادف ہو گا ــــ واقعہ یہ ہے کہ راقم الحروف ایک روز اپنے واجب التعظیم رہنما عالیجناب سید حسین شہید سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ محمد ایوب کھوڑو صاحب کے مشہور " بلیک مارکیٹ " کے مقدمے کے کاغذات

Marfat.com

ملاحظہ فرما رہے تھے۔ انہماک کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے میرے سلام کا جواب بھی سر کی ہلکی سی جنبش سے دیا اور پھر کافی دیر تک میری طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ بالآخر مجھ ہی کو گستاخانہ اقدام کرتے ہوئے عرض کرنا پڑا کہ "تو پھر میں کسی اور وقت حاضر ہو جاؤں آپ کچھ زیادہ مصروف معلوم ہوتے ہیں" یہ وقت صبح ۸ بجے کا تھا۔ اس وقت ان کے پاس وہی لوگ آتے تھے جن کو وہ آنے کی اجازت دیتے تھے ان کے ملازم نے ناشتہ کی چیزیں ان کے قریب لاکر رکھدی تھیں۔ انہوں نے کاغذات سے نظر ہٹائی اور میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "جی ہاں۔ آپ تشریف رکھتے ہیں۔ اچھا اس میں سے کچھ کھائیے" انہوں نے ناشتہ کی چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ مجھے سوال کرنے کا موقع ہاتھ آچکا تھا۔ میں نے کہا آپ کسی مقدمہ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ فرمانے لگے ہاں بھئی، مسٹر ایوب کھوڑو کے مقدمہ پر کام کر رہا ہوں۔ میری زبان سے بے ساختہ نکلا جناب عالی یہ وہی مسٹر کھوڑو ہیں جنہوں نے ہمیشہ آپ سے اور آپ کی جماعت سے مخاصمانہ اور معاندانہ رویہ روا رکھا اور ہر قسم کی مخالفت بلکہ اخلاقی قدروں کو پامال کر کے وطن دشمن جیسے الفاظ اور گھٹیا خطابات سے نوازنے سے بھی کبھی دریغ نہیں کیا۔ سہروردی صاحب نے جو جواب دیا وہ ایسی بے نفسی کا مظہر ہے کہ جس کی توقع کسی مرد فقیر اور درویش کامل ہی سے کی جا سکتی ہے۔ فرمانے لگے سے "جناب ہر شخص کی حیثیت حالات کے ساتھ ساتھ بدلتی ہے۔ کسی وقت وہ کسی کا دوست ہوتا ہے اور پھر کسی کا دشمن بھی ہوتا ہے لیکن جب وہ مظلوم ہو اور مصیبتوں کا شکار ہو جائے تو وہ نہ دوست رہتا ہے اور نہ دشمن بلکہ ایک مظلوم اور مصیبت زدہ انسان ہوتا ہے اور میں ایسے ہی ایک ایوب کھوڑو صاحب کا مقدمہ تیار کر رہا ہوں کہ جس کو ظلم کا شکار بنایا گیا ہے اور آفتوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو کر اب وہ میری مدد اور ہمدردی کا مستحق ہو گیا ہے"۔ راقم الحروف کے سامنے ان کے کردار کی بلندی کا یہ پہلا واقعہ نہ تھا بلکہ اس سے پہلے بھی

Marfat.com

متعدد مرتبہ وہ اپنے اندر پوشیدہ قلندرانہ اور درویشانہ اوصافِ حمیدہ کا مظاہرہ فرما چکے تھے۔ بہر حال ملک میں مارشل لاء کے دور کے آغاز ہی سے قوم کو طفل تسلیوں اور فریب کارانہ اصلاحات کے جال میں الجھایا گیا تجربہ کار لوگ ہمیشہ مارشل لاء جیسے نظام میں جس میں ایک مشہور ماہر قانون کے بقول مارشل پہلے اور لاء بعد میں آتا ہے، قوم کو ایسے ہی جالوں اور چالوں میں پھنسائے رکھ کر اپنے اقتدار کی مدت کو طوالت سے ہمکنار کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایوب خاں صاحب نے خود بھی ایسا ہی کیا اور اپنے شاگردوں کو جن میں ان کے براہ راست جانشین آغا محمد یحییٰ خاں صاحب بھی شامل ہیں اس فن کی اچھی خاصی ٹریننگ دے دی تھی یہ فن مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں کے لیے (سابقہ سے آئندہ تک) ایک روایت کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔

اس ہیرا پھیری اور "آنا کانی" کا مشرقی پاکستان پر کیا اثر ہوا، اس کا اندازہ مجھے ۱۹۶۰ء میں اس وقت ہوا جب میں شیخ مجیب الرحمٰن صاحب سے نیپیئر لگژری ہوٹل میں ملا وہ یوسف ہارون صاحب کی ایک انشورنس کمپنی میں ملازم ہو کر اپنی فرم کے کسی کام سے کراچی آئے تھے اور مذکورہ ہوٹل میں مقیم تھے۔ اس وقت ان پر تو سیاسی طور پر نااہلی کی مہر لگ چکی تھی اور راقم الحروف کافی عرصے پہلے عملی سیاست سے تقریباً ریٹائر ہو چکا تھا اور سہروردی صاحب سے ذاتی تعلقات اور عوامی لیگ میں انکی ورکنگ کمیٹی ہائی کمان کی ممبری کے علاوہ جماعت میں کسی عہدہ پر فائز ہو کر سرگرم عمل نہیں تھا۔

اس لیے اس ملاقات کا یوں تو سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا اور یہ ملاقات قطعی نجی قسم کی تھی لیکن یہ بات بھی کیسے ممکن تھی کہ ہم سیاست پر کوئی گفتگو نہ کرتے۔ چنانچہ حالات حاضرہ پر گفتگو کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ بات ان کے آئندہ

Marfat.com

سیاست میں حصّہ لینے کے پروگرام تک جا پہنچی تو مجیب الرحمٰن صاحب نے
مجھ سے کہا "جیلانی صاحب آپ نے بہت اچھا کیا کہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے ہیں یہ
دور سچائی کے ساتھ ملک کی خدمت کرنے والوں کا نہیں ہے۔ اس وقت تو میں
بھی خاموش ہوں لیکن سمجھتا ہوں کہ ایوب خاں کی سیاسی زندگی مزید دس سال
سے زیادہ نہیں اور اس وقت میری عمر اکتالیس سال ہے۔ میں دس سال میں
اکیاون برس کا ہو جاؤں گا اور اس وقت سے لے کر انشاء اللہ زندگی کے آخری
ایّام تک اپنے صوبہ اور ملک و قوم کی بغیر کسی رکاوٹ کے خدمت انجام دیتا
رہوں گا" میں نے ان سے کہا کہ تو پھر یہ دس سال آپ خاموشی سے گزاریں گے
شیخ صاحب نے فرمایا کہ "اگر مجھے خاموش رہنے دیا گیا تو؟ اس کے باوجود میں
ملک میں ایک ایسا نظام لانے کی کوشش کروں گا کہ جس میں ہر قسم کے ظلم و جبر اور
استحصال کا خاتمہ ہو کر امن و سکون کے ساتھ عوام کا مقدر عوام کے ہاتھ میں رہے۔
کسی سے کسی کو نقصان نہ پہنچ سکے اور انصاف ہر قدم پر موجود ہو لیکن مجھے یہ کہتے
ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ یہ کام صرف مشرقی پاکستان کو کرنا ہوگا جو ہمیشہ سے ظلم کے
خلاف لڑتا رہا ہے" ان کے اس جملہ سے میرے دل پر ایک چوٹ سی لگی اور میں
نے تڑپ کر پوچھا لیکن شیخ صاحب پورے پاکستان میں ایسے لوگ موجود ہیں
جنہوں نے ظلم کے خلاف اقدام کیا ہے اور اس لڑائی میں آپ کے شانہ بشانہ
کچھ زیادہ ہی قربانیاں دی ہیں۔ شیخ صاحب نے کہا "بالکل ٹھیک ہے لیکن ان
لوگوں کی اوّل تو مغربی پاکستان میں موثر آواز نہیں ہے اور دوسرے ان کی
تعداد بھی دو چار سے زیادہ نہیں ہے" شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کی اس بات
میں اگرچہ سو فیصد صداقت تھی لیکن مجھے ان کی مغربی پاکستان سے یہ مایوسی
بری معلوم ہوئی اور میں نے ان سے کہا کہ شیخ صاحب جہاں ہم مشرقی پاکستان

Marfat.com

کے ساتھ کی گئی ناانصافیوں کے معترف ہیں وہاں ہم آپ سے بھی یہ توقع رکھتے ہیں کہ آپ اس حقیقت کو تسلیم کریں گے کہ مغربی پاکستان میں عوامی لیگ کو عوام کی جماعت نہیں بننے دیا گیا۔ اسے ہمیشہ ایسے گروہ کے سپرد کیا گیا جو نااہل اور سازشی ہے اور جس میں عوام تک پہنچنے کی قطعی صلاحیت نہیں۔ جب بھی عوامی لیگ کو مغربی پاکستان میں عوام تک پہنچانے والوں اور اس کام کی صلاحیت رکھنے والوں نے طاقتور تنظیم بنانے اور عوام تک اس کی جڑوں کو پہنچانے کی کوشش کی فوراً ہی مرکزی قیادت ان کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح آ گئی۔ آپ مبارک ہیں کہ آپ کو اس کا پورا پورا موقع میسر آیا اور آپ نے مشرقی پاکستان میں اسے پوری طرح آرگنائز کر لیا۔ یہ سن کر شیخ صاحب مسکرائے اور خاموش ہو گئے۔

باتیں تو ان سے اور بھی بہت سی ہوئی تھیں لیکن پوری طرح یاد نہیں۔ یہ بات اس لیے یاد ہے کہ اس نے میری سیاسی زندگی پر گہرا اثر ڈالا اور میں "عوامی لیگ" سے جو میری جماعت تھی اور جسے میں نے خون سے سینچا تھا اور اب تک شیخ صاحب سے زیادہ اس کے لیے قربانیاں دے چکا تھا، قطعی مایوس ہو گیا اور اس دن سے اُسے ایک ایسی جماعت سمجھنے لگا جس کا مشرقی پاکستان پوری طرح مالک ہو کیونکہ میرے نزدیک اس وقت عوامی لیگ کا مستقبل جن ہاتھوں میں تھا وہ عالیجناب سہروردی صاحب کے بعد مجیب الرحمٰن صاحب ہی کے ہاتھ تھے۔ میری اس مایوسی کا نتیجہ بظاہر یہی ہونا تھا کہ میں اس میں کم سے کم عملی دلچسپی لوں اور سیاسی زندگی کو تقریباً خیر باد کہہ دوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ میری سیاسی سرگرمیاں سہروردی صاحب کی ورکنگ کمیٹی کی ممبری تک ان کی زندگی تک باقی رہیں اور میں صلاح مشوروں میں ان کا شریک کار رہنے تک محدود ہو گیا۔ اس کے بعد مجیب الرحمٰن سے میری ملاقات تقریباً دس سال کے بعد اس وقت ہوئی جب کہ وہ

Marfat.com

ایوب خاں صاحب کی طلب کردہ "گول میز کانفرنس" میں شریک ہونے کے لیے بہ مشہور اور نام نہاد اگرتلہ سازش کیس" سے نجات پاکر لاہور آئے اور ہوٹل ایمبسڈر میں مقیم تھے۔ ۱۹۶۹ء میں ایسے ہنگاموں میں میں ان سے کیوں ملا جبکہ میں عملی اور جماعتی سیاست کے میدان سے تقریبا ہٹ چکا تھا، اسکا ذکر اگرچہ کچھ ضروری نہیں تاہم اس مضمون کی آئندہ سطور میں کسی موقع پر آسکتا ہے۔ اس وقت تو ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۹ء تک کے کوائف وحالات کا ہلکا سا جائزہ جو میرے نزدیک "بنگلہ دیش" کے وجود کو سامنے لانے کا باعث ہوا قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں

سہروردی صاحب نے ۶۲ء میں تمام سیاسی عناصر کے ادغام کی کوشش کی تھی

جیسا کہ ظاہر ہے کہ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۲ء تک کسی قسم کی سیاسی سرگرمیوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ ۱۹۶۲ء سے سیاسی سرگرمیوں کے شروع ہوتے ہی عالیجناب حسین شہید سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری طرح کوشش فرمائی کہ پاکستان کے تمام سیاسی عناصر (جماعت اسلامی کے علاوہ جو کہ اپنی فریب کارانہ ہیئت کے اعتبار سے کسی بھی سیاسی جماعت یا جماعتوں کے ساتھ مستقل اتحاد قائم نہیں رکھ سکتی جیسا کہ مختلف مواقع پر اتحاد کے بارے میں انکا غیر مخلصانہ سیاسی کردار شاہد ہے اور ادغام کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا) کو ایک جماعت میں مدغم کر لیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے جناب نورالامین صاحب سے لے کر ممتاز محمد خاں دولتانہ تک اور مولانا عبدالستار خاں نیازی سے لے کر محمود علی قصوری اور محمود الحق عثمانی صاحب

Marfat.com

ہر ایک کو اس ادغام کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش شروع کر دیں ۔ ہمیشہ طرح اس بار بھی انہیں مشرقی پاکستان میں بہت زیادہ کامیابیاں حاصل ہوئیں وہ نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ (N.D.F) کے نام سے ایک پلیٹ فارم قائم نے میں پوری طرح کامیاب ہو گئے ۔ اگر وہ زندہ رہتے تو یقیناً ایوب خانصاحب مقابلہ کرنے کے لیے یہ پلیٹ فارم سب سے زیادہ موثر ثابت ہوتا لیکن ملک کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہوئی کہ عین اس وقت جبکہ ملک میں سیاست ل ہو رہی تھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں بلا لیا اور اس وقت کے مشرقی پاکستان ے عام تاثر کی بنا پر یوں کہیے کہ انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس بھیج دیا گیا ۔ س کی زیادہ صحت مندانہ تصدیق وہ حضرات کر سکتے ہیں کہ جو ان کی موت کے قت بیروت میں موجود تھے اور اس قدر بااثر تھے کہ تمام راز ہائے دروں پردہ ن سے چھپ نہیں سکتے تھے (اس تحریر کے تقریباً دس سال بعد بیگم اختر سلیمان ، ہروردی صاحب کی صاحبزادی مرحومہ نے بمبئی کے ہفت روزہ اخبار بلٹز کو جو انٹرویو یا تھا اس پر پیر علی محمد راشدی صاحب کے مضامین سے اقتباسات اور میرے مضامین ملاحظہ ہوں ۔) ۔

حسین شہید سہروردی کی موت

چند واقعات کی تصدیق ═══ جیلانی چاند پوری

روزنامہ جنگ ۱۶ نومبر ۸۲ء

ایسی اہم شخصیتوں کے بارے میں کچھ انکشافات کرنا جو ان انکشافات کی تائید ید کرنے کے لیے اس دنیا میں موجود نہ ہوں بہت بڑی جرأت کی بات ہے بالخصوص

Marfat.com

ایسے حالات میں جبکہ ان شخصیتوں کے حالات ہماری قومی اور ملکی تاریخ کا حصہ بن سکتے ہوں اور دوسری طرف انکشافات کرنے والوں کا فاصلہ اپنی اپنی قبر سے بہت کم رہ گیا ہو واقعی ایک جسارت ہی ہے کیونکہ انہیں اپنے ملک کی آئندہ نسلوں اور اپنے پیدا کرنے والے مالک حقیقی کے محاسبے کا سامنا کرنے کا معاملہ درپیش ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حالات و واقعات حق گوئی اور شہادت واجبی کے امتحان کا پھندہ ایسے حضرات کے گلے میں ڈال دیا کرتے ہیں کہ جو اس قسم کی جسارت سے پہلو تہی کو مصلحت امن و آشتی کی خاطر اختیار کر کے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھتے ہیں۔

چنانچہ ہمارے ملک کے موقر و وقیع اخبار روزنامہ جنگ کی ۱۱ نومبر ۱۹۸۲ء کی اشاعت میں جناب میاں ظفر احمد صاحب نے "کیا شہید سہروردی کو نوکر شاہی نے شہید کروایا تھا؟" کے زیر عنوان اپنے مضمون میں ہفت روزہ "بلٹز" بمبئی میں بیگم اختر سلیمان مرحومہ کے انٹرویو کے بعض حصوں کی تصدیق فرمائی ہے اس مضمون سے پہلے ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۲ء کے اس مؤقر جریدہ میں صاحب مضمون کے ممدوح جناب پیر علی محمد راشدی کے کالم "مشرق و مغرب" میں "یک نشد دو شد" کے عنوان سے بمبئی سے شائع ہونے والے ہفتہ وار بلٹز (انگلش) میں بیگم اختر سلیمان مرحومہ کے مذکورہ انٹرویو کا تذکرہ تھا چونکہ محترم کالم نگار پیر علی محمد راشدی نے اس انٹرویو کی ذاتی طور پر تصدیق یا تردید میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا اس لیے اس کے بارے میں کسی وضاحت کی مجھے ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ لیکن اب جبکہ میاں ظفر احمد صاحب نے ذاتی طور پر اس انٹرویو کے بعض حصوں کی تصدیق اس طرح فرمائی ہے کہ انہوں نے ایک اہم شخصیت کے تو نام بنام اس واقعہ میں ملوث ہونے کے انکشاف کو بیگم صاحبہ کے بیان میں شامل رکھا اور دوسری اسی قدر اہم شخصیت کے نام کو یا تو خود چھپانا مناسب

Marfat.com

خیال فرمایا یا پھر واقعی بیگم صاحبہ مرحومہ نے ان سے اس شخصیت کا ذکر نام بنام نہیں فرمایا۔ بہر حال اب اس بات کی تصدیق یا تردید کرنے کے لیے بیگم مرحومہ اس دنیا میں موجود نہیں اس لیے قدرتی طور پر یہ معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ اسی خداوند عزوجل کے سپرد جس کا واسطہ دیتے ہوئے جناب میاں ظفر احمد صاحب نے اپنے مضمون میں یہ الفاظ فرمائے ہیں کہ "ہمارے یہاں تو تاریخ سازی کی جگہ تاریخ کشی کا عمل جاری ہے۔ ۱۹۶۵ء میں مولانا راغب احسن کی برسی کے سلسلے میں تھیوسوفیکل ہال میں مرحومہ بیگم اختر سلیمان کی صدارت میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا تھا اس میں تقریر کرتے ہوئے میں نے اس بات پر زور دیا تھا کہ تحریک پاکستان میں جن لوگوں اور جن علاقوں کا جو CONTRIBUTION ہے اس کا کھلے دل سے اعتراف کرنا چاہیے اور زید کا کام زید کو اور عمر کا کام عمر کو دیا جانا چاہیے کہ یہی صحیح قومی تاریخ ہوگی اور اس کو ریکارڈ میں لانا چاہیے کتنے افسوس کی بات ہے کہ انگریزوں کے بارے میں ہم ان کے اچھے برے کردار پر انڈیا ہاؤس لائبریری اور برطانیہ کے علمی اور تحقیقی اداروں میں محفوظ دستاویزات اور ریکارڈ کی مدد سے ان پر تنقید کرتے ہیں اور ان کے حق میں فیصلہ دیتے ہیں لیکن ایک ہم ہیں کہ جن کے اسلاف نے تاریخ نویسی میں سے ورائت ورجال کو فروغ دیا۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب ایک حکمران جاتا ہے تو سارے ریکارڈ نذر آتش یا دریا برد کر دیتا ہے کہ مبادہ آنے والے دنوں میں اس کے اچھے برے اعمال کا احتساب نہ کیا جائے۔ خدا کے لیے پاکستان کی آنے والی نسلوں کے ساتھ اتنا بڑا ظلم تو نہ کیجئے اگر ہم اپنی نسل کو کچھ نہیں دے سکتے تو کم از کم تاریخ کیلئے وہ سارے مواد تو چھوڑ دیں تاکہ آنے والے زمانے میں ہمارے ریکارڈ سے وہ خود ہی اپنے ماضی، حال اور مستقبل کے لیے صحیح راہ کا تعین کر سکیں۔"

جناب میاں ظفر احمد صاحب کے ان ارشادات کی روشنی میں ہی میں نے

Marfat.com

یہ ضروری سمجھا ہے کہ تاریخ کے ریکارڈ میں آنے والی بعض باتوں کی وضاحت وصداقت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاؤں۔ اسی لیے یہ چند سطور سپرد قلم کر رہا ہوں۔

مجھے یہ تو معلوم نہیں ہے کہ جناب میاں ظفر احمد صاحب کا محترم المقام جناب سید حسین شہید سہروردی صاحب مرحوم سے جو ذاتی اور صفاتی طور پر ایک مکمل سیاسی شخصیت تھے کس قسم کا سیاسی تعلق تھا لیکن جہاں تک میرا اپنا تعلق ہے مجھے سہروردی صاحب مرحوم سے قلبی لگاؤ اس لیے تھا کہ پاکستان کے تمام بانیان و رہنما حضرات میں ان سے بڑا "جمہوری" "عوامی رہنما" کوئی بھی نہیں تھا۔ اور یہ بات میں اس قدر زور دے کر اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں ان کی سیاسی زندگی کے ایک حصے میں ان کا کٹر مخالف اور ایک حصہ میں ان کا جانثار ساتھی رہا ہوں اور جس جماعت کے وہ بانی وصدر تھے اس جماعت کا کراچی میں بانی میں اور میرے بعض ساتھی تھے۔ میں نے ان کی جماعت میں رہتے ہوئے جہاں جماعت اور اس کے لیڈر سے وفاداری اور جانثاری کا ریکارڈ قائم کیا ہے وہیں بسا اوقات ان کے نظریات اور تصورات کی ڈٹ کر مخالفت بھی کی ہے۔ حتیٰ کہ جماعت کے نام سے یعنی "عوامی مسلم لیگ" سے لفظ مسلم کو نکالنے کی پر زور مزاحمت کرتے ہوئے لفظ "مسلم" کو پنے طور پر جماعت کے نام کا حصہ بنائے رکھا لیکن مرحوم ومغفور رہنما نے اس پر کسی برہمی تو کجا خفگی اور بے رخی کا کبھی اظہار نہیں کیا۔ بہر حال ان سے میرا کس قدر گہرا تعلق تھا اس کے اظہار کی نہ مجھے ضرورت ہے اور نہ یہ اس کا محل ہے تاہم چند الفاظ اس لیے تحریر کرنے پر مجبور ہوں کہ جب میں اپنے محبوب رہنما سید حسین شہید سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اخبارات میں کسی "تازہ انکشاف" کو دیکھتا ہوں تو قدرتی طور پر ریکارڈ کی درستگی کی ذمہ داری کا بوجھ اپنے نحیف شانوں پر محسوس کرتا ہوں جو مجھے ریکارڈ کی درستگی کیلئے بے چین کر دیا کرتا ہے اور اسی بے چینی کے نتیجے میں مندرجہ ذیل سطور سپرد قلم کرنے پر مجبور ہوں۔

Marfat.com

یہ ۱۹۷۲-۷۳ء کی بات ہے کہ ایک دن اچانک محترمہ بیگم اختر سلیمان صاحبہ مرحومہ کا ٹیلیفون مجھے ملا۔ انہوں نے فوری طور پر مجھے "ویلکم ہاؤس" میں طلب فرمایا اور فرمایا کہ بہت ضروری باتیں کرنا ہیں فوراً آجائیے میں مرحومہ کی بہت عزت کرتا تھا اس لیے بھی کہ وہ میرے محبوب رہنما کی صاحبزادی تھیں اور اس لیے بھی کہ خدمت خلق کا جذبہ ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اسی طرح وہ مجھے ہمیشہ اپنا بزرگ سمجھتی اور اپنے نامور والد صاحب کا ایک ساتھی اور کارکن جانتی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ کسی خدمت خلق ہی کے مسئلے پر کچھ گفتگو اور تعاون کے لیے اپیل فرمائیں گی لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انہوں نے اور ان کے شوہر جناب سید شاہد احمد سلیمان نے علیک سلیک کے فوراً بعد یہ فرما کر سیاسی گفتگو کا آغاز کر دیا کہ جناب ہمارے پاپا کے پرانے ساتھی اور بزرگ سیاستدان ہیں اور اس نازک وقت میں آپ گوشۂ گمنامی میں چھپے ہوئے بیٹھے ہیں اور جیسا کہ آپ خود کہا کرتے ہیں کہ "ہم نے سیاست کو عبادت جان کر اختیار کیا تھا" اب آپ اس "عبادت" یعنی سیاست کو ترک کر کے کیوں بیٹھ گئے ہیں میں نے اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے ان سے کہا کہ آج آپ سیاست کی وکالت کچھ اس طرح خلاف معمول کر رہی ہیں کہ جیسے کسی موکل سے محنتانہ وصول کر کے اپنا فرض منصبی ادا کر رہی ہوں۔ وہ خود اور ان کے شوہر اور میں کافی دیر تک ہنستے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے اظہار مدعا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ ایئر مارشل اصغر خان صاحب کی تحریک استقلال میں شامل کیوں نہیں ہو جاتے میں چاہتی ہوں کہ آپ نے جس طرح قیام جمہوریت کیلئے ملک میں پہلی اپوزیشن کے استحکام میں میرے پاپا کا ساتھ دیا تھا اسی طرح اب ایئر مارشل اصغر خان صاحب کے ہاتھ مضبوط کریں اگرچہ مجھے تحریک استقلال میں شمولیت کی دعوت خود ایئر مارشل اصغر خان صاحب اور تحریک استقلال کے دوسرے کئی رہنماؤں کی طرف سے مل چکی تھی اور میرے متعدد دوستوں کی خواہش بھی تھی

Marfat.com

ہو جاؤں لیکن سب سے زیادہ مجھے تحریک میں شمولیت کے لیے "بیگم اختر سلیمان مرحومہ اور ان کے مرحوم شوہر نے مجبور کیا تھا۔" اور جذباتی طور پر ان کے اس انکشاف نے اپیل کی تھی کہ جو انہوں نے اپنے والد بزرگوار اور میرے محبوب رہنما سید حسین شہید سہروردی صاحب کی موت کو "شہادت" قرار دیتے ہوئے ان الفاظ میں فرمایا تھا کہ "آپ کو معلوم ہے کہ میرے پاپا کو کس طرح اور کن لوگوں نے شہید کیا ہے "میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو انہوں نے ان کی شہادت کی تفصیلات اس طرح بیان فرمائیں کہ جس طرح پیر علی محمد راشدی صاحب کے کالم "مشرق و مغرب" میں ہٹلر کے انٹرویو سے اقتباسات میں اور پھر جناب ظفر احمد صاحب نے اپنے مضمون میں بیان فرمائی ہیں یعنی یہ کہ جیلانی صاحب آپ کو معلوم ہے کہ ایوب صاحب اگر کسی سے خائف رہے اور اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھتے رہے تو وہ میرے پاپا ہی کی ذات تھی۔ جب ایوب خان صاحب سیاسی محاذ اور عدالتی محاذ پر میرے پاپا سے شکست کھا گئے اور میرے پاپا کو قید کر کے بھی اپنے اقتدار کی سلامتی کو غیر محفوظ سمجھنے لگے اور مشرقی پاکستان بلکہ پورے پاکستان کے عوام کی تائید و مقبولیت میں میرے پاپا کے لیے بے اندازہ اضافہ ہو گیا تو ایوب خان اور ان کی ٹولی نے میرے پاپا کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے ان کی موت کے گھناؤنے اقدام کے لیے سازشیں شروع کر دیں۔ پہلے تو دھمکیاں دی گئیں اور کہا گیا کہ ہم سیاستدانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ پھر میرے پاپا کو جیل میں نامناسب بلکہ ظالمانہ طور پر اذیتناک رویہ سے بیمار کر ڈالا۔ جب ان کی صحت کافی خراب ہو گئی اور عوام کا دباؤ خطرناک حد سے بڑھ گیا تو انہیں جیل سے تو رہا کر دیا لیکن ایسے اقدامات کیے جن سے میرے پاپا کو شدید صدموں سے دوچار ہونا پڑا اور وہ عارضۂ قلب میں مبتلا ہو گئے۔ اسی حالت میں انہوں نے بیروت چلے جانے کا فیصلہ کیا اور آخر کار وہ بیروت چلے گئے لیکن ایوب خان صاحب اور ان کی ٹولی جس میں موجودہ صاحب حکومت مسٹر بھٹو پیش پیش تھے،

Marfat.com

چین سے نہیں بیٹھی اور میرے پاپا کو قتل کرنے کی سازشیں ہونے لگیں۔ چنانچہ ایک دن شام کے وقت ایک گمنام ٹیلیفون آیا جس کو میرے شوہر نے سنا (اس موقع پر جناب شاہ احمد سلیمان صاحب بول پڑے کہ وہ شخص ان سے بات کرنا چاہتا تھا اس لیے میں نے ٹیلیفون پر انہیں بلا لیا تھا) اور پھر اس شخص نے مجھ سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی جب میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے تو اس نے کہا کہ ایک خطرناک خبر ہے جو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ آپ کے پاپا کے بارے میں ہے اس خبر سے قدرتی طور پر مجھ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ میں نے اس شخص سے کہا جلدی بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو۔ اس نے کہا یہ بات ٹیلیفون پر بتانے کی نہیں ہے اس لیے آپ آج ساڑھے چھ بجے اوڈین سینما کے سامنے مجھ سے ملئے میں بتا دوں گا اور یہ کہہ کر اس شخص نے ٹیلیفون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ یہ سب باتیں میں نے احمد سلیمان صاحب کو بتائیں اور ان کے ہمراہ ٹھیک چھ بجے اوڈین سینما کے لیے روانہ ہو گئی۔ ہمارے ساتھ ہماری بیٹی بھی تھی۔ ہم ساڑھے چھ بجے سے چند منٹ پہلے ہی اوڈین سینما کے سامنے پہنچ گئے جہاں وہ شخص ہمارا منتظر تھا وہ موٹر کے قریب آیا اور ہم سے کہا کہ گاڑی میں بیٹھ کر سب باتیں بتاؤں گا ہم نے اسے گاڑی میں بٹھا لیا۔ جب گاڑی چلنے لگی تو اس نے کہا کہ آپ کے پاپا کو قتل کر کے اپنی راہ سے ہٹانے کی سازش ایوب خان اور ان کے وزیر بھٹو صاحب نے کی ہے۔ یہ بہت مصدقہ خبر ہے۔ وہ شخص بار بار کہتا تھا کہ میں سہروردی صاحب کا بہت مداح ہوں اور جانتا ہوں کہ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو پھر پاکستان کو ایسا عظیم لیڈر کبھی میسر نہ آئے گا۔ ہم نے اس سے معلوم کیا کہ تم بتا سکتے ہو کہ بیروت میں پاپا کو قتل کرنے کا کیا انتظام ہوا ہے تو اس نے جواب دیا کہ ایک موجودہ وزیر صاحب کے سپرد یہ کام ہے اور وہ اس کام کے لیے بیروت جائیں گے قدرتی طور پر اس خبر نے ہم پر بہت وحشت اور گھبراہٹ طاری کر دی تھی۔ اس لیے گھر آ کر ہم نے

Marfat.com

یعنی میں نے اور مسٹر احمد سلیمان نے پاپا سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کیا اور انہیں اپنی حفاظت اچھی طرح سے کرنے کی درخواست کی وہ نہایت بے فکری سے کہتے رہے کہ جب تک رب العزت کا حکم نہ ہوگا مجھے کوئی طاقتور سے قوی تر شخصیت بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ ہم نے انہیں خطوط میں بھی اپنی حفاظت کرنے کی خاص طور پر درخواست کی اور ہمارا مفصل پیغام نواب زادہ نصراللہ خان صاحب کی معرفت پاپا تک پہنچا لیکن وہ لوگ اپنی سازش میں کامیاب ہوگئے اور آخر کار ہم نے یہ خبر سن لی کہ بیروت میں پاپا کا انتقال ہو گیا۔ احمد صاحب فوری طور پر بیروت کے لیے روانہ ہوئے ان کی روانگی میں بہت روڑے اٹکائے گئے لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ روانہ ہو گئے۔ (اس داستان کو یہاں تک بیگم اختر سلیمان نے بیان فرما کر فرمایا کہ) اب بیروت میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ احمد صاحب نے دیکھا آپ خود ان سے معلوم کریں۔ اس کے بعد سید شاہ احمد سلیمان صاحب نے بیان فرمایا کہ جب میں بیروت پہنچا تو جس ہوٹل میں پاپا ٹھہرے ہوئے تھے اس کی انتظامیہ نے مجھے اس کمرے تک جانے کی اجازت نہیں دی کہ جہاں وہ مقیم تھے بہر حال میں نے پاپا کے ایک خاص اخلاص اور معتمد یورپین سفارت کار دوست سے (جس کا نام تو شاہ احمد سلیمان صاحب نے اس وقت بتایا تھا لیکن اب دس سال کے قریب مدت گزرنے کی وجہ سے وہ نام میری یادداشت سے نکل گیا ہے بہر حال وہ صاحب یورپین تھے) رابطہ قائم کیا اور پاپا کا جسم حاصل کرنے کی کوشش شروع کردی۔ مجھے اس وقت بہت دکھ ہوا جب ہماری خواہش کے مطابق لبنان کی حکومت اور بیروت کے حکام نے ہم سے پورا پورا تعاون نہیں کیا اور انہوں نے ہمارے سفارتخانے کے درپردہ اور بعض ظاہر بظاہر احکامات اور خواہش کے دباؤ میں آکر ہر قسم کی ذمہ داری سے بچنے اور پہلو تہی کرنے کی پالیسی اختیار کی۔ بہر حال یہ تو مجھے بیروت پہنچ کر معلوم ہوگیا تھا کہ اس سانحۂ شہادت سے چند دن پہلے بھٹو صاحب جو اس وقت ایوب خان صاحب کی کابینہ کے ایک اہم ترین رکن تھے

Marfat.com

بیروت تشریف لائے تھے اور ان کے اعزاز میں دی گئی دو دعوتوں میں جن میں سے ایک پاکستانی سفارتخانہ کی طرف سے تھی ہمارے پاپا کو بھی مدعو کیا گیا تھا اور انہوں نے کھانے میں شرکت بھی فرمائی تھی۔ جس رات کو ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اس رات کو بھی وہ کھانے پر مدعو تھے۔ ان کے اس سفارت کار یورپین دوست نے یہ انکشاف کر کے میرے اس شبہ کو یقین میں بدل دیا کہ پاپا اپنی طبعی موت نہیں مرے بلکہ انہیں ظالمانہ طور پر شہید کیا گیا ہے۔ پاپا کے اس سفارتکار دوست نے بتایا کہ ایوب صاحب کے ان منہ لگے وزیر نے خود ان کی معرفت پاپا کو یہ پیغام پہنچایا تھا کہ وہ حسین شہید سہروردی صاحب اگر اپنی خیر چاہتے ہیں تو صدر فیلڈ مارشل ایوب کی مخالفت سے باز آجائیں اور اپنی چونچ (زبان) بند کرلیں۔ ورنہ انہیں اس کا خمیازہ بہت جلد بھگتنا پڑیگا" اس سفارت کار دوست نے اپنی طرف سے بھی پاپا کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ کچھ عرصہ کے لیے آپ سیاسی بیانات جاری نہ کریں اور خاموش رہیں لیکن پاپا نے خود اس سفارتکار یورپین دوست کے بقول انہیں جواب دیا کہ "میری زبان تو اس وقت بند ہوگی جب اللہ تعالیٰ بند کرے گا ورنہ کسی اور طاقت کے بس سے باہر ہے کہ میری (چونچ) زبان بند کردے" چنانچہ اس سفارتکار نے یہ جواب جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب تک پہنچا دیا اور پھر اس کا انجام وہی ہوا جو سب کے سامنے تھا اس کے بعد میرے اس سوال کے جواب میں کہ محترم المقام رہنما کی موت کس طرح واقع ہوئی۔ جناب سید شاہ احمد سلیمان مرحوم نے فرمایا کہ پاپا کے اس سفارتکار یورپین دوست نے ان کی شہادت کا حال مجھ سے یوں بیان کیا تھا کہ ان کی موت کی رات کو انہیں ٹیلیفون کی گھنٹی نے نیند سے بیدار کیا جب انہوں نے ریسور اٹھا کر بات کی تو وہ ٹیلیفون سہروردی صاحب کا تھا جو بول رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ آپ جلد پہنچئے میری طبیعت بہت خراب ہے اس کے علاوہ وہ اور کچھ کہنا چاہتے تھے ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی اس لیے الفاظ سمجھ میں نہیں آئے اور اس کے بعد ٹیلیفون بند ہوگیا۔

Marfat.com

اس سفارت کار نے ٹیلیفون کر کے ہوٹل کے ایکسچینج آپریٹر سے رابطہ قائم کیا تو اس نے جواب دیا کہ سہروردی صاحب کے کمرے سے کوئی جواب نہیں آرہا۔ بہر حال صبح کو یہ خبر عام ہوگئی کہ بیروت کے ہوٹل میں پاکستان کے عظیم رہنما سید حسین شہید سہروردی کا انتقال ہوگیا۔ جب ان کا کمرہ کھولا گیا تو ان کا بے جان جسم آدھا ان کی مسہری پر اور آدھا نیچے لٹکا ہوا تھا اور ان کے قریب ہی ٹیلیفون کا ریسیور پڑا ہوا تھا اور کمرہ میں گیس کی بدبو موجود تھی۔

اس قدر واقعات بیان کر کے سید شاہ احمد سلیمان صاحب نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ گیس کی بدبو کا کمرہ میں سے آنا کیسے ممکن ہے اور فرمایا کہ خود سمجھ لیجئے کہ کسی نے ان کی عدم موجودگی میں گیس کا سلنڈر ان کی مسہری کے نیچے ضرور رکھا ہوگا کیونکہ ان کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد کسی کے لیے گیس کا سیلنڈر رکھنا ممکن نہیں ہے۔ پھر یہ عمل کیسے ممکن ہوا جبکہ ہوٹل کا کمرہ بند ہو تو وہ چابی کے بغیر کھل نہیں سکتا اور ہر کمرے کی چابی علیحدہ ہوتی ہے جو کسی دوسرے کمرے کے تالے کو کھول نہیں سکتی۔ اور پھر ہر کمرے کی دو چابیاں ہوتی ہیں ایک ہوٹل کی انتظامیہ کے قبضے میں ہوتی ہے اور دوسری رہائش کنندہ کے قبضے میں۔

اس کے بعد محترم شاہ احمد سلیمان مرحوم نے سہروردی صاحب کے جسد خاکی کو کراچی تک پہنچانے کے مختلف مراحل کا ذکر کیا چونکہ اس کا شہید رہنما کی موت سے تعلق نہیں ہے اس لیے اس کا تذکرہ غیر ضروری ہے۔

اس قدر عرض کرنے کے بعد میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ مذکورہ بالا واقعات کا تذکرہ مرحومہ محترمہ بیگم اختر سلیمان یا ان کے شوہر جناب سید شاہ احمد سلیمان مرحوم نے صرف مجھ ہی سے نہیں بلکہ اور بھی کئی مخلص دوستوں اور محترم المقام سید حسین شہید سہروردی کے سیاسی ساتھیوں سے ایسی ہی تفصیل یا کچھ کم و بیش انداز میں

Marfat.com

فرمایا ہے۔ وہ حضرات بھی اگر اللہ رب العزت کے اس حکم پر عمل کریں کہ "حق کی شہادت (گواہی) کو نہ چھپایا کرو" اور یہ بھی کہ "سچی بات کی اگر گواہی طلب کی جائے تو بلا کم و کاست اور بلا جھجک گواہی دیا کرو"، تو میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے حضرات ایسے ہوں گے جو پاکستان کی تاریخ کے اس اہم واقعہ کو بیان کر کے پاکستان کی تاریخ کو مسخ ہونے سے بچانے میں ممد و معاون ہو سکتے ہیں۔

آخر میں ایک قابل ذکر واقعہ کا بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ مرحومہ بیگم اختر سلیمان اور ان کے مرحوم شوہر سے میری اس ملاقات کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی میں نے ایک دن اخبار میں یہ خبر پڑھی کہ "بیگم اختر سلیمان صاحبہ کو بنگال سے آئے ہوئے مہاجرین کی آباد کاری کے لیے مشیر خاص (جو وزیر مملکت کے درجہ کا عہدہ ہے) حکومت نے مقرر کیا ہے"۔ مجھے یہ خبر پڑھ کر بڑی حیرت ہوئی ــــ میں نے پہلے تو مرحومہ بیگم صاحبہ کو ٹیلیفون پر اپنی حیرت سے آگاہ کیا اور پھر ان کے اس اصرار پر کہ میں "ویلکم ہاؤس" آکر ان سے اس سلسلے میں گفتگو کروں، ویلکم ہاؤس جا کر ان سے پوچھا کہ آپ نے تو مجھے "بھٹو صاحب کی منتخب آمریت" کے خلاف جدوجہد کا مشورہ دیا تھا اب آپ کا یہ ذاتی طور پر بھٹو صاحب کی حکومت سے نہ صرف تعاون بلکہ ان کی حکومت (یعنی آمریت) میں شمولیت چہ معنی دارد۔ انہوں نے کہا کہ "خدمت خلق اور وہ بھی مہاجرین کی خدمت میرے سپرد کی گئی ہے۔ عوام کی بھلائی اور نیکی کے کاموں کے لیے اگر کوئی ہمارا بدترین دشمن جو ہمارے خاندان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہو مجھ سے تعاون طلب کرے تو مجھے اس سے اس کام میں تعاون کرنے میں ہرگز پس و پیش نہیں ہوگا۔ چنانچہ میرے اس تعاون سے عوام کو "جمہوریت جن کے مفاد کے لیے ہوتی ہے" فائدہ پہنچے گا نقصان نہیں"۔ مرحومہ بیگم اختر سلیمان کے ان خیالات نے میرے دل میں ان کے لیے قدر و منزلت کے جذبات کی گہرائی میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ خدا انہیں غریق رحمت کرے آمین۔ آخر میں اپنے سیاست دان اہل قلم حضرات سے یہ دردمندانہ اپیل کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ہر معاملہ کو

Marfat.com

جائز و ناجائز طور پر "نوکر شاہی" کے سرمنڈھ کر مطمئن ہو جانے کی عادت کے مضرات پر غور فرمائیں کہ وطن اور قومی تاریخ پر اس کے کس قدر غلط اثرات مرتب ہوں گے۔ محترم المقام رہنما جناب سید حسین شہید سہروردی کی موت کے اس واقعہ ہی کو سامنے رکھ کر سوچئے کہ اس کا تعلق اگر کچھ حکومت وقت سے ہے تو اس میں نوکر شاہی ملوث ہے یا سیاستدان کون کہہ سکتا ہے کہ "ایوب خان" کا جیسا زور آور صدر یا جناب ذوالفقار علی بھٹو جیسا قد آور اور طاقتور وزیر خارجہ (یا بعد میں ہونے والا صدر مملکت اور ملک کا وزیراعظم) وقت کی نوکر شاہی کی کٹھ پتلی یا اس کا کھلونا تھے۔ یا للعجب یا للعجب

شہید سہروردی کی موت ؟

ایک اور شہادت ——— علامہ جیلانی چاندپوری

روزنامہ جنگ ۱۱ جنوری ۸۳ء

"وہ حق کڑوا ہوتا ہے" یہ ایک ایسا کلیہ ہے کہ جس کی حقیقت کا مشاہدہ روزمرہ کی زندگی میں اکثر و بیشتر ہوتا رہتا ہے۔ یہ تلخی کام و دہن کی حس سے نہیں بلکہ گوش و ذہن اور نگاہ و فہم کے ادراک سے متعلق ہے اور اس کا اظہار زبان کی جنبش اور قلم کی نگارش سے ہی ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ یکم دسمبر ۱۹۸۲ء کے اخبار جنگ کے کالم "مشرق و مغرب" میں کالم نگار موصوف نے "مشرق و مغرب" کے قلابے کچھ اس طرح ملائے ہیں کہ "تلخ آب حقیقت" موسلا دھار برسا ہے۔ ان موصوف کا ارشاد ہے کہ "جنگ مورخہ ۲۷ نومبر میں ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ ان کو سہروردی مرحوم کی بیٹی محترمہ اختر سلیمان مرحومہ نے ایک دن ٹیلیفون پر بلایا اور ان سے اپنے باپ کی موت کے بارے میں جو قصہ بیان کیا۔ اس کا لب لباب" یہ تھا کہ

Marfat.com

یہ کام مرحوم ایوب خان کی طرف سے ان کے وزیر بھٹو صاحب مرحوم نے سرانجام کروایا۔"

"مشرق ومغرب" کے کالم نویس نے جو لب لباب برآمد کیا ہے نہ میرے مضمون میں اس کا کہیں نشان ہے اور نہ مرحوم بیگم اختر سلیمان اور ان کے مرحوم شوہر سے کوئی ایسی روایت منسوب کی گئی ہے کہ جس میں کہا گیا ہو کہ ان کے پاپا کے قتل یا موت کا کام ایوب خان کی طرف سے ان کے وزیر بھٹو صاحب نے انجام دیا ہے اگر اس لب لباب کو "چور کی داڑھی کا تنکا" کوئی قرار دینا چاہے تو دے سکتا ہے کیونکہ خود کالم نگار موصوف نے میرے اس مضمون کے مندرجات کو "کہانی" قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ "یہ کہانی ہے تو دلپذیر اور دلچسپ اور عین وقت کے تقاضوں کے مطابق مگر بد قسمتی سے متعدد متضاد شہادتوں کی موجودگی میں کچھ بیٹھتی نظر نہیں آرہی"۔ آگے چل کر موصوف نے ان "متعدد متضاد" شہادتوں کی مثال کے طور پر فرمایا کہ "مثلاً اس کی صریح تردید خود بیگم صاحبہ کے مطبوعہ انٹرویو سے ہو رہی ہے۔ جہاں انہوں نے کھلے الفاظ میں فرمایا ہے: (یہ ان کے، یعنی بیگم صاحبہ کے اپنے الفاظ ہیں) میرے پاپا ایوب خان اور ان کی ٹولی کی راہ میں رکاوٹ تھے اس لیے انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان کو اپنی راہ سے ہٹا دیا جائے ان کے قتل میں چوہدری محمد علی نے میجر رول ادا کیا"۔ اس سلسلے میں کالم نگار موصوف نے اپنی ذاتی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "میری اپنی رائے ہرچند اس معاملہ میں یہ ہے کہ چوہدری صاحب مرحوم نوکر شاہی کے امام تو ضرور تھے مگر وہ اس قسم کے کاموں کے اہل نہیں تھے۔ وہ ان سے بہت بالا و بلند انسان تھے" مجھ فقیر کی سمجھ میں تو یہ بات نہیں آتی کہ چوہدری صاحب مرحوم کو نوکر شاہی کا امام قرار دیتے ہوئے اور نوکر شاہی کو سہروردی صاحب مرحوم کے قتل کا ذمہ دار ٹھہرا کر کالم نگار چوہدری محمد علی مرحوم کو پھر کس صلاحیت کی رو سے نوکر شاہی کی امامت کا مستحق قرار دے رہے ہیں۔

Marfat.com

موصوف مذکور نے "متضاد" شہادتوں کی جو مثال پیش کی ہے اس سے تو ایوب خان مرحوم اور "انکی ٹولی" کے اس معاملہ میں ملوث ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ یہ "ٹولی" ظاہر ہے کہ صدر مملکت کی "کابینہ" ہی ہوسکتی ہے۔ اور اس "کابینہ" میں چوہدری محمد علی صاحب مرحوم ہرگز ہرگز شامل نہیں تھے اور بقول خود کالم نگار موصوف کے "وہ ان کی ذاتی رائے میں اس قسم کے کاموں کے اہل بھی نہیں تھے"۔ اس کے برعکس مسٹر بھٹو مرحوم تو تاریخی حقیقت کے طور پر ایوب خان صاحب کی "کابینہ" میں سب سے زیادہ نمایاں بلکہ اس "ٹولی" کے کامیاب رکن کہلاتے اور مانے جاتے ہیں اور ان کی اس قسم کے کاموں کی اہلیت کے بارے میں کالم نگار موصوف مذکور نے اپنی ذاتی رائے ظاہر نہیں فرمائی اس لیے میں بھی خاموش ہی رہنا پسند کروں گا۔ ویسے جو شخص اس دنیا میں موجود نہ ہو اس کے بارے میں کچھ کہنا میرے لیے پسندیدہ نہیں ہے جہاں تک چوہدری محمد علی مرحوم کا تعلق ہے، وہ تمام مسلم لیگیوں کے امام رہ چکے ہیں کہ وہ مسلم لیگ کے صدر تھے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بیگم صاحبہ نے اپنے انٹرویو میں چوہدری صاحب کا نام بلا تردد و توقف دے دیا اور جناب میاں ظفر احمد صاحب سے جب ایوب خان کا نام لے کر اپنے والد صاحب مرحوم کی موت کے معاملہ میں بے جھجک اظہار خیال کر دیا تو پھر "بھٹو صاحب کو کہیں بیچ میں کیوں نہیں لایا گیا" ان تمام باتوں کے جوابات تو بیگم صاحبہ اگر دنیا میں موجود ہوتیں تو ضرور دیتیں۔ ان کے علاوہ اور کون کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے بھٹو صاحب کا ذکر اس انٹرویو میں نہیں کیا تھا یا اس اخبار نے حذف کر دیا ہے۔ اسی طرح وہی بتا سکتی تھیں یا ان کے شوہر ارشاد فرما سکتے تھے کہ انہوں نے میاں ظفر احمد صاحب سے چوہدری محمد علی صاحب کے میجر رول کا اور بھٹو صاحب کے کسی رول کا ذکر کیوں نہیں کیا جبکہ ایوب خان صاحب اور ان کی "ٹولی" کو مورد الزام ٹھہرایا گیا تھا۔ میں تو

Marfat.com

اس سلسلہ میں صرف اسی قدر کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے جو کچھ مجھ سے فرمایا تھا (خواہ اسے کوئی عین وقت کے تقاضوں کے مطابق کہانی قرار دے) میں نے بلا کم وکاست وہی اپنے مضمون میں تحریر کیا ہے اور میرے اس بیان کی تائید میں بہت مستحکم شہادتیں موجود ہیں جن کی صداقت کو بھی اگر کالم نگار موصوف چیلنج کر دیں تو کوئی بعید نہیں۔

ان شہادتوں میں سے پہلی شہادت تو خود بیلٹز کے انٹرویو ہی میں موجود ہے جس کا اقتباس مشرق ومغرب کی یکم دسمبر ۱۹۸۲ء کی مذکورہ اشاعت میں موجود ہے۔ دوسری شہادت محترم مولانا ارشاد الحق تھانوی صاحب کے مضمون میں جو ۳۰ نومبر ۱۹۸۲ء کے اخبار جنگ میں "شہید سہروردی کی موت" کے زیر عنوان شائع ہوا ہے، موجود ہے۔ مضمون کی ابتدائی پندرہویں سطر میں میرے مضمون کی تائید میں شہادت یوں قلمبند کی گئی ہے کہ "جس کو میرے دیرینہ رفیق جیلانی چاند پوری صاحب نے اپنے مضمون میں تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا جو انہیں ۷-۲-۱۹۷۱ء میں بیگم اختر سلیمان اور ان کے شوہر کی زبانی معلوم ہوا تھا۔ یہ فقیر بھی جناب شہید سہروردی مرحوم کے ساتھ برسوں قریب رہا ہے اور ان کی وفات تک ان کی جماعت کی مرکزی ہائی کمان کا رکن بھی رہ چکا ہے۔ لہٰذا وفات کے وقت ہی چند احباب کے سامنے (ربے بی) بیگم اختر سلیمان مرحومہ اپنی یہ تمام معلومات بیان فرما چکی تھیں تیے لیجئے جناب یہ تو اور بھی پرانی مگر موت کے واقعہ پر تازہ ترین شہادت ہے غالباً اس شہادت سے کالم نگار موصوف کی تشفی ہو گئی ہوگی اور انہوں نے خود اپنی نگاہ سے اس مضمون کو پڑھا ہوگا۔ مزید تسلی کے لیے محولہ مضمون میں چھٹے کالم کی ۱۴ ویں سطر میں یوں تحریر شدہ کی گئی ہے کہ "یہ ۱۹۷۶ء میں جولائی کا مہینہ تھا کہ سابق وزیراعظم (یعنی بھٹو صاحب مرحوم) نے مجھے لاڑکانہ آنے کی دعوت دی اتفاق سے اس گفتگو میں بھی جناب بھٹو نے شہید سہروردی مرحوم کی ذہانت کی تعریف کی تو کہنے لگے

Marfat.com

مولانا صاحب جب بھی ملاقات ہوتی ہے آپ سہروردی کی تعریف ضرور کرتے ہیں اور پھر یکایک ایک عجیب و متوحش انداز (ڈرامائی انداز) میں بار بار کہنے لگے ۔

SUHARWARDY IS DEAD سہروردی مرچکا ہے۔ سہروردی مرچکا ہے بس ان کا ذکر آئندہ کبھی نہ کیجئے گا۔ بلاشبہ اس وقت میرے ذہن میں یہ سوال در آیا کہ کیا بیگم اختر سلیمان کا شبہ واقعی درست ہے۔؟"

کیا ان شہادتوں کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ "یہ کہانی ہے تو دلپذیر اور دلچسپ اور عین وقت کے تقاضوں کے مطابق مگر بدقسمتی سے متعدد متضاد شہادتوں کی موجودگی میں کچھ بیٹھی نظر نہیں آرہی"۔ بہر حال "مشرق و مغرب" کے کام نگار نے یہ بات تو ارشاد فرما ہی دی ہے کہ "بہر نوع سہروردی مرحوم کی موت اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی ابھی تک ایک معمہ بنی ہوئی ہے محسوس ایسا ہوتا ہے کہ غالباً یہ غریب سابق پرائم منسٹر بھی اس راہ سے گزر گیا جس سے شہید ملت مرحوم کا گذر ہو چکا تھا۔"

آخر میں تاریخ کی درستگی کے لیے میں محترم رہنما سید حسین شہید سہروردی کی موت کے سلسلے میں ایک اور روایت بطور شہادت بیان کر کے اس بات کو ختم کر دوں تو بہتر ہے۔ اس روایت کے ایک گواہ میاں منصور عالم آنس سکریٹری المرکز المنتاجی الاسلام ابھی موجود ہیں۔ ایک روز رات کو کھانے پر بیگم اختر سلیمان مرحومہ اور ان کے شوہر نے اس فقیر کو مدعو فرمایا کھانے کے ساتھ جناب سید شاہ احمد سلیمان کچلے کریلے کی قاشیں کھایا کرتے تھے۔ کچھ دیر تو اس "کریلہ خوری" پر بات چیت ہوتی رہی کہ یہ "شکر کی بیماری" میں مفید ہے۔ بہر حال حسب دستور گفتگو کی تان بیگم اختر سلیمان مرحومہ نے اپنے "پاپا" کی موت کے قصے پر توڑی۔ جب وہ یہ دکھ بیان فرماتی تھیں تو شاید ان کے دل کا غم ہلکا ہو جایا کرتا تھا۔ اس لیے بھی میں ان واقعات کی تکرار کو گوارا کر لیا کرتا تھا جب انہوں نے بیروت کے واقعات

Marfat.com

دھر لئے" اور جناب " ذوالفقار علی بھٹو" کی اس دھمکی کا ذکر جو انہوں نے ایک یورپین سفارتکار کی وساطت سے ان کے پاپا تک پہنچائی تھی کہا (جس کا تفصیل سے ذکر اپنے مضمون میں کر چکا ہوں) تو میں نے برملا ان سے سوال کر دیا کہ محترمہ آپ تو بہت نڈر اور صاف گو خاتون ہیں۔ آپ نے اس واقعہ کی بھٹو صاحب سے خود تصدیق کیوں نہیں فرمائی اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ " ہم نے تصدیق کی تھی بلکہ شکایت کی تھی کہ آپ نے ہمارے پاپا کو دھمکی دی تھی۔ اور اس کے بعد انہیں مار ڈالا گیا " ہماری اس شکایت پر بھٹو صاحب نے صرف اس قدر کہا کہ ہم نے دھمکی نہیں دی تھی بلکہ خطرہ سے مطلع کیا تھا۔

لیجئے جناب یہ روایت تو خود بھٹو صاحب مرحوم کی مبینہ تائید اور شہادت بن گئی۔ اس کے بعد اب بھلا کسی کو تردد کرنے یا حق کے تلخ بہ کے گھونٹ پر منہ بنا کر جز بز ہونے کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے اور اس کی گنجائش ہی کہاں ہے۔

بہرحال چونکہ سہروردی صاحب جیسی عظیم شخصیت کی موت ملک کے باہر ہوئی تھی اس لیے اس کے متعلق حقائق کا علم سب سے زیادہ اس وقت کی وزارت خارجہ اور اس کے سربراہ وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو صاحب ہی کو ہو سکتا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ سہروردی صاحب کی موت کا معمہ کافی عرصہ تک مشرقی پاکستان میں مختلف افواہوں اور چہ میگوئیوں کو جنم دیتا رہا جس کا اثر وہاں کی سیاست پر مغربی پاکستان پر عدم اعتماد کے جذبہ میں اضافہ کی صورت میں ہوا اور وہ مایوسی جو وہاں پہلے ہی موجود تھی اور زیادہ پھیل گئی۔

Marfat.com

مجیب نے نوابزادہ نصراللہ کو عوامی لیگ کا صدر کیوں بنایا؟

ان ہی حالات میں عوامی لیگ سے متعلق بالخصوص اور عام سیاسی حلقے بالعموم اس بات کی طرف پوری طرح متوجہ تھے کہ اب ملکی سیاست میں عالیجناب حسین شہید سہروردی صاحب کے انتقال سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اسے کس طرح پر کیا جائے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت کوئی شخصیت بھی ایسی موجود نہ تھی کہ جو اس خلا کو پر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اسی وجہ سے لوگ مختلف الخیال نظریات میں بٹ گئے۔ بعض نے N.D.F کو جو اب سہروردی صاحب کی بنائی ہوئی واحد جماعت تھی عوامی لیگ کا اور جناب نورالامین صاحب کو سہروردی صاحب کا ملکی سیاست میں جانشین قرار دیا۔ یوں تو قیادت کی جنگ شیخ مجیب الرحمٰن صاحب اور جناب عطاء الرحمٰن خاں صاحب کے درمیان ٹھنڈے ماحول میں پہلے ہی سے جاری تھی لیکن اس سانحہ کے بعد ان میں سے ہر ایک نے سہروردی صاحب کا مقام ہتھیانے کی کوشش کی۔ مشرقی پاکستان عوامی لیگ میں (جو درحقیقت کل پاکستان عوامی لیگ کی باس یعنی آقا تھی) درحقیقت یہی دو شخصیتیں صحیح حق رکھتی تھیں کہ جماعتی قیادت پر قابض ہونے کی جد وجہد کریں لیکن ایک تیسری ہستی اور بھی تھی جو خواہ مخواہ اپنے آپ کو سہروردی صاحب کا جانشین بنانے کے خواب میں مبتلا تھی اور وہ ہستی جناب نواب زادہ نصراللہ خاں صاحب کی تھی جنہیں خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ عوامی لیگ میں ان کا مقام مغربی پاکستان میں بھی سہروردی صاحب کی بے جا عنایات کریمانہ کا مرہون منت تھا اور مشرقی پاکستان عوامی لیگ کسی مغربی پاکستانی کی قیادت کو کبھی بھی تسلیم نہیں کرے گی کیونکہ اسے اس کی

Marfat.com

کوئی حاجت نہیں ہے اور اگر کسی ضرورت کے تحت انہوں نے اسکو گوارہ کر بھی لیا تو ایسی قیادت مشرقی پاکستان عوامی لیگ کی محض آلہ کار ہونے کی حیثیت سے زیادہ کسی چیز کی مالک نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود ایک ہوس یا ایک خواہش نفسانی اور ایک اندھی آرزو تھی جو انہیں اس غلط آس اور موہوم امید کا شکار کیے ہوئے تھی کہ عوامی لیگ کی زمام قیادت ان کے ہاتھوں میں آسکتی ہے اور وہ سہروردی صاحب کے جانشین ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ جب وہ وقت آیا کہ ایوب خاں صاحب نے تمام سیاسی جماعتوں کو بحال کر دیا تو مجیب الرحمٰن صاحب اور جناب عطاء الرحمٰن صاحب اور ان کے حامی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ عطاء الرحمٰن صاحب کا خیال تھا کہ عوامی لیگ کو اب دوبارہ بحال کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ قائد سیاست عالیجناب حسین شہید سہروردی صاحب عوامی لیگ کی جگہ اس سے زیادہ مضبوط اور فعال جماعت بنا چکے تھے اور اب یہ نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ ہی ان کی صحیح جماعت اور حقیقی یادگار ہے اور اسی جماعت سے جناب عطاء الرحمٰن صاحب کو اپنی قیادت کے لیے زیادہ امیدیں وابستہ نظر آتی تھیں دوسری طرف شیخ مجیب الرحمٰن صاحب جو درحقیقت عوامی لیگ کے بلا شرکت غیر قائد تھے اور عوامی لیگ میں ان کی قیادت غیر مشتبہ اور غیر متنازعہ بھی تھی عوامی لیگ کو دوبارہ بحال کر کے خود کو سہروردی صاحب کے مقام پر فائز کرنا اور عوامی لیگ کی قیادت پر اپنے قبضہ کو مکمل طور پر جاری رکھنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے عوامی لیگ کو سہروردی صاحب کی حقیقی یادگار قرار دے کر اسے بحال کرنے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے اس موقع پر اپنے لیے جناب نواب زادہ نصر اللہ خاں کو جو ہمیشہ سے قیادت کے شائق اور کمزور موقف کے مالک رہے ہیں آلہ کار کے طور پر مفید اور کارآمد جانا اور انہیں آل پاکستان عوامی لیگ کا صدر مقرر کرا دیا۔ اس طرح

Marfat.com

جناب نصراللہ خاں صاحب بھی مگن ہو گئے اور اس تصور پر خوشی سے پھولے نہ سمائے کہ وہ عظیم رہنما جناب حسین شہید سہروردی صاحب کے جانشین بن گئے ہیں ۔

مجیب الرحمٰن کے چھ نکات

مجبوریوں کا سہارا اور ظلم سے نجات کا ذریعہ

دراصل نواب زادہ نصراللہ خان صاحب کی یہی وہ کمزوری تھی جو شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کے چھ نکات کے وجود میں لانے کا متعلق ذریعہ بنی ورنہ ۸۔D.F کے پلیٹ فارم سے انہیں پانچ نکات اور چھ نکات پیش کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوتی اور نہ کسی ایسی تجویز کے منظور کرانے کا اس جماعت میں انہیں حوصلہ ہی ہو سکتا ہے ۔ مجیب الرحمٰن میں یہ حوصلہ کلیتہً نواب زادہ کی کمزور اور خود شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کے رحم و کرم پر قائم ہونے والی قیادت ہی نے پیدا کیا اس لیے چھ نکات کی تخلیق میں نواب زادہ صاحب کی خود غرضی ، کمزور سیاسی حیثیت اور سیاسی عدم بصیرت وغیرہ عوامل درپردہ ممد ہوئے ہیں ۔

دوسری طرف فیلڈ مارشل ایوب خانصاحب نے دسمبر ۱۹۶۴ء کا الیکشن جیت تو ضرور لیا تھا اور انہوں نے بظاہر محترمہ فاطمہ جناح جیسی عظیم ہستی کو شکست بھی دے دی تھی لیکن یہ نام نہاد فتح جن الیکشنی ترکیبوں سے حاصل ہوئی تھی وہ ہمیشہ بروئے کار نہیں آ سکتی تھیں کیونکہ فیلڈ مارشل صاحب اور ان کے الیکشن کے چیف آرگنائزر اور اس وقت ان کے متوقع بلکہ ایک حد تک اعلان شدہ جانشین اور سب سے زیادہ با اعتماد وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی صاحب بھٹو کو مشرقی پاکستان نے پوری طرح مایوس کر دیا تھا کیونکہ وہاں جس طرح ووٹ حاصل کیے گئے تھے وہ یہ حضرات اچھی طرح

جانتے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح کو غیر بنگالی ہونے کے باوجود جیسی شاندار کامیابی مشرقی پاکستان میں حاصل ہوئی تھی اس سے اس صوبہ کی بدولت پورے پاکستان میں آمریت کا مستقبل نہایت تاریک ہو چکا تھا اور یہ واقعہ ایک طرح کی صفائی بھی پیش کرتا تھا ان الزامات کی جو اس صوبہ کے عوام یعنی بنگالیوں پر صوبائی عصبیت اور علیحدگی پسندی کے گھناؤنے انداز میں لگائے جاتے تھے بہر حال اس صورت حال نے ایوب خاں صاحب اور ان کے سیاسی تخلیقات کی صد جیتوا ... لے مالک متوقع جانشین کو سخت پریشانی میں مبتلا کر رکھا اور انہیں اس کا خطرہ پوری طرح اور صاف نظر آ رہا تھا کہ آج نہیں تو کل کسی نہ کسی فاطمہ جناح کا ہاتھ موجودہ یا آنے والے کسی نہ کسی ایوب خاں کی گدی تک ضرور پہنچ جائے گا (واضح رہے کہ الیکشن کے دوران ایوب خاں صاحب نے متعدد بار متعدد تقاریر میں اس بات کا اعادہ کیا تھا کہ فاطمہ جناح یہ چاہتی ہیں کہ ایوب خاں کی گدی تک اپنا ہاتھ پہنچا دیں لیکن ایوب خاں کی گردن اتنی کمزور نہیں ہے کہ وہ ان کے ہاتھ میں آ سکے۔ ان کا ہاتھ اس گردن تک کبھی نہیں پہنچنے دیا جائے گا۔ اسی قسم کے عزائم کا اعادہ ایوب خاں صاحب کے متوقع اور مبینہ جانشین جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے بھی کیا تھا) اس بھیانک خطرہ کی یقینی صورت حال نے ایوب خاں صاحب اور ان کے متوقع اور مبینہ جانشین کو نئے انداز فکر عطا فرمانے اور نت نئی سیاسی کلاکاریاں (پولیٹیکل ٹیکنکس POLITICAL TECNICS) ایجاد کرنے کی طرف مائل کر دیا جس کی مدد سے ایسی محفوظ صورت حال پیدا ہو سکے کہ نہ تو کسی کا ہاتھ آمران محکم اور ان کے جانشینوں کی گدیوں تک پہنچ سکے اور نہ ہی حکومت کو ان کے مقررہ پینل (PANEL) سے نکالا جا سکے لیکن مشرقی پاکستان ایک بہت بڑی مصیبت بنا ہوا تھا جس کی موجودگی میں کوئی جتن کارآمد ہوتا نظر نہ آتا تھا کیونکہ وہاں کے عوام بیدار تھے۔ اپنے حقوق کے لیے طویل جدوجہد نے ان کے ولولہ

عزائم اور جرأت میں کوریا اور ویٹ نام کے عوام کی طرح بے اندازہ اضافہ کر دیا تھا
اب وہ کسی قیمت پر اپنے ملک میں آمریت کو جاری رکھنے پر آمادہ نہ تھے اور بحالیٔ
جمہوریت کے لیے بڑی سے بڑی قربانیوں کا پیش کر دینا بھی ان کے لیے کوئی بڑی
بات نہ تھی۔ آمران مستکم کے لیے یہ مخمصہ بھی عجیب ہیبت ناک تھا مگر ان کی خوش قسمتی
اور ملک کی بدنصیبی نے ۱۹۶۵ء کی جنگ مسلط کر دی جس کے نتیجہ میں نت نئے
ہتھکنڈے اور سیاسی کھلا کاریاں (پولیٹیکل ٹیکنکس (POLITICAL TECNICS
ایجاد ہوئیں اور ایسی ایجادات کے لیے بہت اچھے مواقع فراہم ہو گئے جو عام حالات
میں کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھیں۔ چنانچہ ایک طرف جناب ایوب خاں صاحب
کے لائق وزیر خارجہ نے جو سیاسی تخلیقات کے ماہر اور اس قسم کی بے اندازہ صلاحیتوں
کے اس گروہ غاصبان اقتدار میں واحد مالک تھے، نیویارک میں ایک ہزار سال
تک جنگ کرنے کے اعلان کی ایجاد تازہ سے (حالانکہ اس وقت بھی وہ خوب جانتے
تھے اور آج تو بہت خوب جانتے ہیں کہ برصغیر کے دونوں ملکوں میں ہزار سال تو
کیا ایک ہزار دن تک بھی جنگ کرنے کی ہمت نہیں ہے) مغربی پاکستانی ملکی عوام
کی جذباتیت اور ہٹلر باز مزاج سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ایک نئے فریب کی طرح
ڈال دی تو دوسری جانب جناب محمد ایوب خاں صاحب نے اس جنگ کی فتح کا
وہ پروپیگنڈہ کیا کہ عوام کی نظروں میں جنگ کا ہیرو بن کر اگر موقع ملے تو صدیوں تک
بلا شرکت غیرا اپنے گروہ کو ملک پر مسلط رکھ سکیں تاکہ ان بدعنوانیوں کا جن کا الزام محترمہ
فاطمہ جناح کی طرف سے الیکشن کے زمانہ میں علی الاعلان ظہور میں لایا جا چکا تھا
(اور جس کا ایوب خاں صاحب اور ان کے گروہ کو سب سے زیادہ غم و فکر تھا)
حساب لینے والا کوئی ہاتھ ان کی گردن دبوچ نہ سکے۔ جہاں جنگ ایوب خان اور
ان کی میراث میں آمریت پانے والے ورثاء کے گروہ کی خوش قسمتی بن کر نازل ہوئی تھی

Marfat.com

وہیں "معاہدہ تاشقند" کی لعنت نے انہیں بدنصیبی کا شکار کر دیا اور عوام کی جذباتیت اور ہلڑ باز مزاج کے دھارے ان کی مخالف سمت میں بہ نکلے۔ یہ ایوب خاں صاحب اور ان کے گروہ کے لیے سب سے زیادہ خطرناک وقت تھا۔ اس لیے اس کے تدارک اور سد باب کے لیے ان کا سر جوڑ کر بیٹھنا لازمی تھا۔ چنانچہ موجدانِ فسوکاراں ایجادات سیاسی (پولیٹیکل ٹیکنکس - Political Tecnics) نے آپس میں خیال جوڑے، دل جوڑے اور سر جوڑے جس کے نتیجے میں چند ایجادات سیاسی کا ظہور میں لایا جانا طے ہوا تاکہ جب وہ ظہور میں آئیں تو عوام کالا نام کو معلوم ہو کہ ملک میں "تاشقند کی بلی" ایک تھیلے میں معاہدہ تاشقند کے راز ہائے درون پردہ کو پیٹ میں دبائے بیٹھی ہے۔ "چھ نکات کا ہوا" منہ کھولے کھڑا ہے۔ "اگرتلہ میں سازش" ہو گئی ہے — غداروں کا سراغ مل گیا ہے وغیرہ وغیرہ ملک میں آمریت کے خاتمہ کے لیے وہ ہستی ابھری جو آمر کی آغوش میں پل کر جوان ہوئی تھی اور اس ملک کے موجدِ آمریت کی سیاسی تخلیق یا کم از کم تلاش تھی اور کامیاب تلاش تھی۔ سیاسی صورت حال کی روشنی میں ہر خاص و عام یہی نتائج اخذ کر... گا چنانچہ ان حالات نے ملک کو جس ... ال کو پہنچا دیا وہ سب پر ظاہر ہے "بنگلہ دیش" ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ یہ انہی حالات کا منطقی نتیجہ ہے کہ آج ہمیں اس موضوع پر بحث کے لیے دعوتِ فکر دی جا رہی ہے کہ "پاکستان کے بنگلہ دیش سے آئندہ تعلقات کیا ہوں گے؟" اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی غرض سے ہم نے پاکستان کی پچیس سالہ تاریخ کھنگالی ہے اور اس مقصد کے لیے کہ ۱۹۶۶ء سے لے کر ۱۹۶۹ء اور اس کے بعد ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۲ء کا سرسری جائزہ لیا جائے تو جواب کے صحیح حصول کی راہ واضح اور سہل ہو جائے گی۔

Marfat.com

کیا چھ نکات واقعی مغربی پاکستان میں ایجاد ہوئے تھے؟

سنہ ۱۹۶۶ء جو تاشقند کی بلّی کی ایجاد اور چھ نکات کے ہوتے کی تشہیر کا سال ہے، مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کی مقبولیت کے لیے چھ نکات کا تحفہ مہیا کر کے اور مغربی پاکستان میں جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کو حتمی شہرت کا ذریعہ عطا کر کے رخصت ہو گیا۔ "تاشقند کی بلّی" تو ظاہر ہے کہ کبھی تھیلے سے باہر نہ آسکی اور اس کے پیٹ میں چھپے ہوئے راز ہائے دروں پردہ بھی مسٹر ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے پیٹ میں "مفہوم در بطن شاعر" کے مصداق چھپ کر بے مطلب ہو گئے لیکن یہ بات ضرور ظاہر ہے کہ یہ ایجادات کے نادر نمونہ کا سانحہ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی سیاسی کلاکاری (پولیٹیکل ٹیکنکس Political Tecnics) کا ادنیٰ سا ظہور ہے جو مغربی پاکستان کی سیاست کا مقدر بن کر آج تک اس سے وابستہ ہے بلکہ اس پر مسلط ہے۔

مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش کی صورت میں ڈھالنے والا سانحہ "چھ نکات" کے نام سے کس نے ایجاد کیا تھا اس کا راز یا تو کارخانۂ ایجادات کے مینیجنگ ڈائریکٹر جناب فیلڈ مارشل ایوب خاں صاحب کو ہو سکتا ہے یا اس کارخانۂ ایجادات کے جنرل مینیجر جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کو دوسرا کوئی اس قسم کا حق نہیں رکھتا کہ اس معاملہ میں لب کشائی کرے اور فی الحقیقت کسی کو اس قسم کی لب کشائی کی جرأت بھی نہیں ہوتی ــــ البتہ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے ایک مبہم سے اعلان کے ذریعہ اس ایجاد کی تخلیق پر روشنی ڈالی تھی اور فرمایا تھا کہ "کہا جاتا ہے کہ چھ نکات کا

Marfat.com

اصل موجد ایک سول سرونٹ تھا" اوّل تو یہ " کہا جاتا ہے " ... کی بات کہنے والی آواز ہم تک صرف جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب ہی کی پہنچی تھی کہ " ایک سول سرونٹ چھ نکات کا موجد ہے " یہ راز ایک رازداں نے فاش کیا اور اس بات کی وضاحت و تائید ایک سول سرونٹ جناب الطاف گوہر منیجنگ ایڈیٹر روزنامہ حریت نے خود یہ فرماکر فرما دی کہ وہ سول سرونٹ مجھے کہا گیا ہے۔ کسی طرف سے اس کی تردید نہیں ہوئی ہے کہ جناب الطاف گوہر کو نہیں کہا گیا ہے اور نہ ہمارے پاس ایسی کوئی شہادت یا مواد موجود ہے جس کی بنا پر ہم یہ کہہ سکیں کہ " چھ نکات کا موجد سول سرونٹ " جناب الطاف گوہر صاحب کو نہیں کہا گیا ہے البتہ ہم اس بات کی سچائی کے قائل ہیں کہ " چھ نکات کے موجد کو ایجادات کے کارخانے کے جنرل منیجر صاحب یعنی ذوالفقار علی بھٹو صاحب سے زیادہ جاننے اور پہچاننے کا اگر کسی کو حق ہے تو وہ کارخانۂ ایجادات سیاسی کے مینیجنگ ڈائریکٹر جناب فیلڈ مارشل ایوب خاں صاحب ہی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے اور جناب الطاف گوہر صاحب خود بھی اس کی تردید نہیں فرما سکتے کہ وہ اس وقت اس کارخانہ کے کاریگر تھے ۔ ویسے ہم اس معاملہ میں پھر وہ شعر دہرائے دیتے ہیں جو اس مضمون میں اس سے پہلے پیش کر چکے ہیں۔

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے
پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

مختصراً یہ کہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ " مجیب الرحمٰن صاحب کے چھ نکات " نہ درحقیقت مجیب الرحمٰن کے ایجاد کردہ ہیں اور نہ کسی اور کے بلکہ یہ وقت کی ایجاد اور حالات کا تقاضہ تھے جو مجبوریوں کا سہارا اور ظلم سے نجات کا ذریعہ بنکر پورے بنگال پر چھا گئے اور بنگالیوں نے مغربی پاکستان کے ہتھکنڈے باز فریب کار سیاستدانوں کی

Marfat.com

فسوں کارانہ سازشوں سے خود کو بچانے کے لیے انہیں اپنا لیا تھا۔ اس کے برعکس اگر ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے بقول چھ نکات کسی سول سرونٹ کی ایجاد ہیں (اور یقیناً ہم بھٹو صاحب کی معلومات پر بھروسہ کر سکتے ہیں ایسی صورت میں بالخصوص کہ ملک کے صدر ہونے کی حیثیت سے تمام پاکستانیوں سے زیادہ معتبر اور باوثوق مخبر ہونے کی پوزیشن میں ہیں) تو یہ بات بھی واضح ہے کہ اس سول سرونٹ نے یہ ایجاد اس وقت کے صاحب اقتدار آمر کے حکم سے ہی کی ہوگی کیونکہ کسی بڑے سے بڑے ملازم سرکار کی یہ ہمت نہیں ہو سکتی کہ حزب مخالف کو اس قسم کا خطرناک منصوبہ بنا کر دے کہ جس سے پورے ملک پر تباہی نازل ہو جائے جبکہ اس ملازم کا اس منصوبہ کے بروئے کار آنے میں اقتداری اور اختیاری نقصان بھی ہوتا ہو۔ یوں بھی یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ جناب الطاف گوہر صاحب اس زمانہ میں جبکہ یہ "چھ نکات ایجاد ہو کر سامنے آئے" ایوب صاحب کے مشیر خصوصی اور ان کے معاون خاص جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے قریبی تعلقات رکھنے والے افسروں میں شمار ہوتے تھے۔ ان حالات میں جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ کہ مغربی پاکستان کے آمروں نے چھ نکات ایجاد کرا کر اس لیے شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کو دیے کہ وہ "مشرقی پاکستان سے نجات حاصل کرنے ہی میں اپنی عافیت محسوس کرتے تھے" اور مجیب الرحمٰن صاحب نے انہیں اس لیے اپنایا کہ وہ مدت سے اس خیال کے مالک تھے کہ مغربی پاکستان کے فسوں کار آمر مشرقی پاکستان کا برابر استحصال کرتے رہیں گے تاوقتیکہ زیادہ سے زیادہ صوبائی خودمختاری حاصل نہ کر لی جائے جو چھ نکات میں انہیں بدرجہ اتم موجود معلوم ہوتی تھی اور مشرقی پاکستان کے عوام نے انہیں اس لیے قبول کیا کہ وہ اس آمرانہ نظام سے عاجز آ چکے تھے جو مغربی پاکستان کی طرف سے ان کے خیال میں ان پر ہمیشہ سے نازل کیا جا رہا

Marfat.com

اور جس میں وہ خود کو ایک محکوم اور دوسرے درجہ کی رعایا سے زیادہ حیثیت کا مالک نہ پاتے تھے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ جناب محمد ایوب خاں صاحب اور ان کے ساتھی بطور اعتقاد کے پوری قطعیت کے ساتھ یہ فیصلے کر چکے تھے کہ اقتدار سیاسی طور پر سیاسی اور جمہوری اصولوں کے تحت کسی قیمت پر بھی سیاستدانوں کے سپرد نہیں کیا جائے گا خواہ ملک تباہ ہو، مٹ جائے یا باقی رہے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ ملک میں الیکشن نہ ہوں خواہ نقلی اور ڈمی بی۔ڈی (B. D.) نظام کے تحت ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کے ساتھ ہی ۶۴ء کے نظام بی۔ڈی کے تحت کرائے ہوئے انتخابات نے جس میں ہر قسم کی فریب کاری دغابازی، دھوکہ، مکر، جعل سازی، طاقت آزمائی اور دھاندلی روا رکھی گئی تھی، واضح کر دیا تھا کہ اب مشرقی پاکستان کے عوام کے فیصلہ کو کسی سیاسی شعبدہ بازانہ کلاکاری (پولٹیکل ٹیکنکس POLITICAL TECNICS) کے زور سے بدلا نہیں جا سکتا۔ اس صوبہ کے عوام جن کی ملک میں اکثریت ہے ہر قیمت پر اس آمرانہ نظام کا تختہ الٹ کر رکھ دیں گے اور ایسا وقت یقیناً آجائے گا کہ عوام کا ہاتھ ایوب خاں صاحب اور ان کے ساتھیوں کی گردن دبوچ لے۔

بنگلہ دیش کے قیام کی سازش

اس ہولا دینے والے تصور نے جو ایک حقیقت تھا آمروں کے ٹولہ کو جس میں بڑے بڑے فوجی جنرل، سول حکام اور نو آموز سیاسی چوزے شامل تھے وہ سب کچھ کرنے پر آمادہ کر دیا جو وہ کر گزرے۔ مغربی پاکستان کے باشندوں سے وہ مطمئن تھے

Marfat.com

کیونکہ ان کے سامنے ان کا جذباتی اور ہٹلر پسند کردار وہ ایک ہزار سال تک جنگ کرنے کے غیر حقیقت پسندانہ، خالص جذباتی، اور ہٹلر پسند قسم کے نعرے نے اور اعلان تاشقند کی مصنوعی بلی جو کبھی تھیلے سے باہر نہ آسکی کے نتائج نے پوری طرح ظاہر کر دیا تھا۔ لہٰذا یہ بات سمجھ میں آنے کے لائق ہے کہ اگر اس خطے ہی کو امراء نظام حکومت کی جولان گاہ کا اہل سمجھا گیا تھا اور صحیح طور پر سمجھا گیا تھا تو اس کے لیے مشرقی پاکستان سے جان بچانا اور نجات پانا امراء ٹولہ کے لیے بہت ضروری بلکہ لازمی ولابدی ہو چکا تھا۔ اس کام کے لیے جناب محمد ایوب خانصاحب، ان کے سیاسی جانشین اور ساتھیوں نے یہ پولیٹیکل ٹیکنک استعمال کی کہ سب سے پہلے مخالف کیمپ (یعنی حزب اختلاف) پر قبضہ جمانے کی کوشش کی اور اس مقصد کے لیے ایوب خانصاحب نے اپنے چھوٹے بھائی جو سیاست دانوں کی صفوں میں ایک معروف شخصیت تھے یعنی سردار بہادر خاں صاحب کو مامور فرمایا مگر یہ راز افشاں ہو گیا اور زیرک، فہیم اور دور اندیش رہنما حضرت سید حسین شہید سہروردی صاحب مرحوم کی بے مثال سیاسی بصیرت نے مخالف جماعتوں کو اس واضح سازش کا شکار ہونے سے بچا لیا۔ دوسری طرف راز فاش ہونے کے بعد جناب سردار بہادر صاحب نے اپنے غیر مفید کردار کو سیاست سے علیحدگی کے پردہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھپا لیا۔

اس تلخ تجربہ کے بعد آمروں کے اس غاصب ٹولہ نے جہاں اپنے اثر و رسوخ اور آزمودہ کار آدمیوں کی ایک ــــ حزب اختلاف کے ذریعہ مخالف کیمپ پر قبضہ کرنے کی تجویز کو بروئے کار لانے کی ابتدا کی وہیں اقتدار کی منتقلی کے لیے ایک پینل (PANEL) بنالیا کہ جس کی وجہ سے وہ اور ان کی آئندہ سیاسی نسلیں اپنی اپنی گردنوں کو عوام کے دست احتساب سے بچا سکیں، چنانچہ جب یہ طے ہو چکا تو پھر یہ

Marfat.com

طے کر دیا گیا کہ (جیسا کہ جنرل یحییٰ نے برطانوی نامہ نگار کو دیے ہوئے اپنے ایک انٹرویو میں خود کو ایوب خاں کا قدرتی جانشین ظاہر کیا تھا) اگر حالات بگڑ جائیں تو ایوب خان اقتدار کس کے حوالے کریں۔ ظاہر ہے کہ وہ جنرلوں کے ٹولے ہی کو اپنی محافظت کا ضامن خیال کر سکتے تھے۔

اب ملکی سیاست کے نقشہ پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اگرچہ چھ نکات کی تصنیف کا سہرا ایوب خاں کے معتمدین کے سر نہ بھی باندھا جائے تو اس میں تو شک ہی نہیں ہے کہ اس کے پروان چڑھانے کے لیے "اگرتلہ سازش" کے پروگرام کی سازش ایوب خاں اور اس ٹولے ہی کی ایجاد ہے۔ یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کی مقبولیت (جو پہلے ہی سے موجود تھی) میں چار چاند لگانے میں چھ نکات اور "اگرتلہ سازش" کی بے اندازہ اور بے حساب پبلسٹی کو بڑا دخل ہے جو سب سے زیادہ سرکاری طور پر کی گئی اور جس میں اس وقت کے وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی ان کوششوں کا بڑا ہاتھ ہے جو انہوں نے اسٹیج سے تقاریر کے ذریعہ اور ملکی اور غیر ملکی پریس میں بیانات کے ذریعہ "چھ نکات پر مباحثہ اور مناظرہ کا کھلا چیلنج" شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کو دے کر چھ نکات کی شہرت کے لیے انجام دی ہیں۔ جیسے جیسے چھ نکات مشہور ہوتے گئے ویسے ویسے جناب شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کی مقبولیت میں چار چاند لگتے چلے گئے۔ اس کے علاوہ "اگرتلہ سازش" نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ یہ مجوزہ سازش ایسی بے بدل اور لاجواب سازش تھی کہ جس نے نہ صرف سونے پر سہاگے کا کام کیا بلکہ پوری طرح "شیخ مجیب الرحمٰن کو بنگلہ بندھو" بنا دیا۔ اس بین الاقوامی شہرت کے مقدمہ کی پبلسٹی سرکاری طور پر اس انداز سے کی گئی کہ دنیا نے شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لیا اور مشرقی پاکستان کے سلسلہ میں سفارتی نمائندوں نے

Marfat.com

(دنیا بھر کے ممالک بالخصوص بڑی طاقتوں کے نمائندوں نے) شیخ صاحب کے موقف کو ان سے ملاقاتیں کر کے سمجھنے کی ضرورت کو محسوس کر لیا۔

دوسری طرف مغربی پاکستان کے سیاست داں عقل سلیم جیسی نعمت اور سیاسی تدبر جیسی دولت کو کہاں خاطر میں لانے والے تھے جبکہ ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے عقل کل اور مدبر مطلق تھا۔ اس میں نواب زادہ نصر اللہ خاں صاحب کی خصوصی شخصیت کے علاوہ جناب چودہری محمد علی صاحب، جناب مولانا مودودی صاحب اور جناب ممتاز محمد خاں دولتانہ جیسی ممتاز شخصیتیں شامل تھیں۔ ان کی اسلام پسندی اور حب الوطنی کے جوش نے انہیں "چھ نکات کی مصنوعی مخالفت میں حکومت کی سازش کا پوری طرح ہمنوا بنا دیا تھا" ان تمام ہی حضرات نے ان چھ نکات کی بھرپور مخالفت کی جن میں سے ساڑھے پانچ کو ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے رفتہ رفتہ اور قدم بہ قدم بڑھنے کی مخصوص پالیسی کے تحت آگے چل کر کھلم کھلا تسلیم کر لیا اور نصف کو "داشتہ آید بکار" کے طور پر چھوڑ دیا۔ ان سیاسی لیڈروں کی تدبیر سے خالی اور "للعب" قسم کی بوالعجبی کی بہت سی نادر مثالوں میں سے بارونق مثال اگرتلہ سازش کیس سے مجیب الرحمٰن صاحب کی نجات کی بے مثال جدوجہد ہے جسے بہانہ بنا کر "بنگلہ دیش کی سازش کے موجد اعظم" نے شیخ صاحب کو باعزت بری کر کے بنگلہ دیشی وزیراعظم ہونے کا حقیقی سرٹیفکیٹ دے دیا۔ مغربی پاکستان کے عوام کالانعام، جذباتی اور بظاہر سازہونیکی خصوصیت کے سبب ان رہنماؤں سے یہ دریافت کرنے میں غفلت کا شکار ہو گئے کہ کیوں جی کیا آپ کا یہی سیاسی تدبر ہے جس کے ذریعہ آپ ملکی سیاست کی بنا رکھنا چاہتے ہیں اور کیا یہی شعور ہے جس سے ملک میں آمریت کے خاتمہ کی جنگ لڑ کر یہ جمہوریت اور اسلامی آئین کے قیام ونفاذ کے دعوے ہو رہے ہیں۔ اگر اس تحریر میں مزید اضافہ کی گنجائش ہوگی تو اس موقع پر ان حضرات کے کردار کا فرداً فرداً جائزہ

Marfat.com

لے کر یہ بات سامنے لائی جائیگی کہ ملک کی اس ہولناک تباہی میں ان حضرات کی بے شعوری اور فقدان تدبر و عدم سیاسی بصیرت کو کس قدر عظیم دخل ہے۔

ایوب خان کے مخالف بھی مشرقی پاکستان والوں کی نظر میں مشکوک تھے

اس کام کو کسی موزوں موقع کے لیے چھوڑ کر ہمیں اب یہ بتانا ہے کہ جنرل یحیٰ خان نے برطانوی اخبار کے رپورٹر کو یہ بیان دے کر کہ "وہ صدر ایوب کا قدرتی اور فطری جانشین (میرے سوا اور کون ہو سکتا ہے) میں ہوں" قبل از وقت اس راز سے پردہ اٹھا دیا تھا جو آمران مطلق کے گروہ نے حکومت کی تفویض اور اختیارات کی منتقلی کے لیے پہلے سے طے کر لیا تھا۔ ذی شعور سیاست دانوں کو خوب علم تھا اور وہ اس سازش پر گہری اور کڑی نگاہ رکھتے ہوئے اقدام کر رہے تھے۔ بالخصوص مشرقی پاکستان کے سیاست دانوں میں سب سے زیادہ چوکنا مجیب الرحمٰن صاحب تھے جنہوں نے اس سازشی گروہ سے بار بار مار کھا کر سب سے زیادہ سبق اور تجربہ حاصل کیا تھا۔ وہ کسی صورت میں اس گروہ کی کسی بات اور کسی وعدہ پر اعتماد کرنے کو تیار نہ تھے اور ان کا رویہ آخر تک یہی رہا۔ انہوں نے اس گروہ کے ہر فرد کی ہر بات کو ہمیشہ مشکوک جانا۔ حتیٰ کہ بھٹو صاحب اور صدر ایوب کے درمیان اختلافات پر بھی انہیں یقین نہیں تھا اور ان کے اس قیاس کو بعید از حقیقت بھی کیسے کہا جا سکتا تھا جبکہ انہیں اس سے پہلے اس قسم کے واقعات سے (سکندر مرزا صاحب (جن کے سیاسی جانشین

Marfat.com

صدر ایوب اور جنکی سیاسی تلاش و تحقیق ذوالفقار علی بھٹو صاحب ہیں) کے زمانے ہی سے متعدد بار دو چار ہو کر دھوکا اور فریب کھانا پڑا تھا۔

غرض یہ کہ ایوب خاں اور ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے اختلافات کو مشرقی پاکستان میں عام طور پر اور عوامی لیگی کیمپ میں خاص طور پر اپوزیشن کے پلیٹ فارم پر قبضہ کی ملی بھگت یعنی "نوراں کشتی" اور سازش قرار دیا جاتا رہا۔ پھر ذوالفقار علی صاحب بھٹو کے مصنوعی طور پر معتوب ہونے کی کہانیوں، "اگر تلہ" سازش کے مقدمات کے ڈرامے اور "تاشقند کی بلی کے سانحہ نے ان حضرات کے خیالات کو مزید تقویت دی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایوب صاحب کے نہایت ہی قابل اعتماد ساتھی تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سب سے زیادہ فعال اور باا‌ثر حضرات جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے گرد جمع ہو گئے۔ کچھ قیوم صاحب (یعنی جناب ڈبل بیرل خاں - فولاد خاں) کے حصہ میں آ گئے۔ باقی ماندہ جن کی اکثریت مشرقی پاکستانی لیڈروں پر مشتمل تھی اور مجہول اور غیر معروف شخصیتیں جو مغربی پاکستان میں برائے نام تعداد میں تھیں، چودھری فضل الٰہی اور صاحب کو بخشے گئے۔ الغرض ایوب خاں کی ایک جماعت کنونشن مسلم لیگ کے یہ تین حصے بکھرے ہوئے جن میں سے دو ایوب خاں صاحب کو ہتھیار بنا کر اپوزیشن کے کیمپ میں شامل ہو گئے۔ ان میں زیادہ قوی جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کا گروہ تھا جو سابق "ڈیر" ایوب خاں صاحب کا حلف بردار وفادار "ویر بہیم" کا گروہ تھا۔ مشرقی پاکستان کے لوگ ایوب خاں کے ان ساتھیوں اور وفاداروں کے تینوں گروہوں کو صرف ایک ہی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی ایک ہی خصوصیت ان کی نگاہ میں اہمیت رکھتی تھی اور وہ تھی ایک آمر مطلق کی کم از کم آٹھ سالہ پختہ رفاقت اور ناقابل شکست عہد و پیمان وفاداری۔ ان تینوں میں سب سے زیادہ انہیں ذوالفقار علی صاحب بھٹو کی وہ مخالفت مصنوعی معلوم

Marfat.com

ہوتی تھی جو وہ ایوب خاں کے خلاف پبلک میں کرتے تھے۔

عوامی لیگ کے ان شبہات میں اس حقیقت نے اور پختگی پیدا کر دی کہ جب عوامی لیگ کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا کہ ہم ایوب خان صاحب سے ان بدعنوانیوں کا حساب لیں گے جو انہوں نے اپنے دور اقتدار میں کی ہیں اور ملک کو جن کی وجہ سے زبردست تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔ نیز ایوب خاں کے خلاف کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا وغیرہ وغیرہ تو اس اعلان کے ساتھ ہی ذوالفقار بھٹو صاحب کی طرف سے پریس کانفرنسوں، اخباری انٹرویوں اور اسٹیج سے متعدد بار یہ کہا گیا کہ میں اس بات کے حق میں نہیں ہوں کہ ایوب خانصاحب کے خلاف کوئی عدالتی کارروائی کی جائے۔ ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے اس نظریہ کو عوامی لیگ نے بجا طور پر اپوزیشن کے کیمپ سے ایوب خاں جیسے آمر مطلق کا دفاع خیال کیا۔ یہی وجہ تھی کہ عوامی لیگ مغربی پاکستان کی ہر سیاسی جماعت سے صلح، سمجھوتہ، بات چیت اور عہد و پیمان کرنے پر آمادہ تھی علاوہ ان تین ناقابل اعتماد جماعتوں کے یعنی قیوم لیگ، پیپلز پارٹی (جن کو وہ درپردہ ایوب خانصاحب ہی کی تخلیق عیارانہ سمجھتی تھی) اور تیسری جماعت اسلامی۔ کہ جس پر انہیں یوں اعتماد نہیں تھا کہ وہ اپنی بے بصیرت سیاسی قیادت کیوجہ سے بڑے سے بڑے آمر مطلق کی آلۂ کار بن سکتی ہے۔ یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ عوامی لیگ اور جماعت اسلامی کی رقابت کا سبب جماعت اسلامی کے مذہبی نظریات تھے۔ اگر ایسا ہی ہوتا اور صرف یہی ایک وجہ عدم اعتماد کی ہوتی تو عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن صاحب جمعیۃ العلمائے پاکستان جیسی مذہبی جماعت کے ساتھ بھی ایسا ہی رویہ اختیار کرتے جو یقیناً اختیار نہیں کیا گیا۔ انہوں نے اس کے برعکس نورانی میاں کو ہمیشہ قابل احترام و اعتماد سمجھا۔

الغرض مجیب الرحمٰن صاحب نہ صرف جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب سے

Marfat.com

مشکوک تھے بلکہ انہیں یقین تھا کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کا اپنے سیاسی "پاپا جان۔ ایوب خاں" کی مخالفت میں حزب اختلاف کے میدان میں کود جانا ہی ایوب صاحب اور اس پرانے سازشی گروہ کی ایک تازہ سازش کا نتیجہ ہے اور "اعلان تاشقند" کے راز اور اس کے فاش کرنے کی کہانی ایک فرضی داستان ہے جو کبھی ظہور میں نہیں آئے گی۔ اس کے بعد ۱۹۶۹ء کی راولپنڈی گول میز کانفرنس میں "بھٹو صاحب کی عدم شرکت کو بھی شیخ مجیب نے ایوب خاں کی ایک مکارانہ چال سے تعبیر کیا تھا اور اس کا اظہار انہوں نے اپنی اگرتلہ سازش کیس سے رہائی کے بعد لاہور آمد کے موقع پر ہوٹل ایمبیسڈر کے قیام کے دوران اپنے بعض دوستوں سے صاف طور پر کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ایوب خانصاحب نے بھٹو صاحب کو باہر کھڑا کر کے اس کانفرنس کو ناکام بنانے پر مامور کیا تھا تاکہ وہ ایسے حالات پیدا کر سکیں کہ اقتدار کی عوامی نمائندوں کو منتقلی ناممکن ہو جائے۔ چنانچہ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔ وہ کانفرنس کا "بائیکاٹ" کر کے اس کے منتظر تھے کہ یہ کانفرنس ناکام ہو، تو وہ مقصد خود بخود پورا ہو گیا جس کا انہیں انتظار تھا دوسرے اگر کسی صورت میں "عوامی نمائندے اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو تقریباً ناممکن تھا" تو پھر عوامی مہم چلانے کا بہانہ ہاتھ آئے اور ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ ملک میں دوسری بار مارشل لاء لازم ہو جائے۔ یہ خیالات اس حقیقت کی روشنی میں کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو خود ایک مارشل لاء کی پیداوار ہونے کی وجہ سے مارشل لاء سے فطری لگاؤ اور محبت رکھتے ہیں (جیسا کہ ان کے بعد میں مارشل لاء اینڈ منسٹریٹر ہونا منظور کرنے سے ظاہر ہو گیا) کافی وزن کے مالک ہیں اور انہیں بادی النظر میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ یہی کچھ ہوا۔ کانفرنس ناکام ہوئی مارشل لاء کا دروازہ کھول گئی۔ طے شدہ پینل (PANEL) طے شدہ منصوبے کے

تحت ظہور میں آیا اور ملک کے کمانڈر انچیف جنرل محمد یحییٰ خاں صاحب بقول خود ایوب خانصاحب کے قدرتی جانشین ثابت ہوئے ملک میں مارشل لاء آگیا جو سب سے زیادہ بھٹو صاحب اور ان کے لیے مفید ثابت ہوا اور جس کے انجام اختتام سے پہلے "بنگلہ دیش کا قیام" اور بھٹو صاحب کا بطور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تقرر ظہور میں آگیا اس طرح "ادھر ہم اُدھر تم" کی مشہور پیشکش کی تکمیل ہو گئی۔

اب جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب سب سے زیادہ اس بات کے متمنی ہیں کہ معلوم ہو جائے اور طے کر لیا جائے کہ "پاکستان اور بنگلہ دیش کے آئندہ تعلقات کیا ہوں گے" بطور صدر پاکستان اس بات کی سب سے زیادہ فکر انہی کو ہونا چاہیے لیکن اس بارے میں یکطرفہ تفکر سے کام نہیں چل سکتا۔ اس بات کا تعلق دو طرفہ سوچ و فکر سے ہے کیونکہ "تعلقات" دو فریقوں کے مابین ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں صرف پاکستان کے موجودہ صدر (جنہیں اس اسمبلی نے صدر چنا اور اعتماد کا ووٹ دیا جو پورے پاکستان کی نہ نمائندہ ہے اور نہ پاکستان کے عوامی نمائندوں کی اکثریت کی شمولیت سے وجود میں آئی ہے) ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی یہ تلاش کہ "بنگلہ دیش" سے تعلقات کی نوعیت کیا ہو کافی نہیں بلکہ اس میں "بنگلہ دیش" اور اس کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کی خواہش اور کوشش کی بھی اہمیت ہے جن کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جس قدر بھٹو صاحب ملاقات کے لیے ان کے پیچھے دوڑتے ہیں وہ اسی قدر دور بھاگتے ہیں اور ان کا سایہ تک دور دور نظر نہیں آتا۔ آخر ایسا کیوں ہے اس کا کافی اور شافی جواب ہمیں جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی مشہور تصنیف "عظیم المیہ" کے اندراجات پر بصیرت افروز نگاہ ڈالنے سے ملے گا پاکستان میں اقتدار کی منتقلی کے طے شدہ پلان اور منظور شدہ شیڈول کا راز ۱۹۶۹ء کے مارشل لاء سے بہت پہلے خود جنرل یحیٰی خاں کی ناتجربہ کارانہ جلد بازی نے جوان میں ہوس اقتدار نے

Marfat.com

پیدا کر دی تھی' فاش کر دیا تھا۔ برطانوی نامہ نگار مسٹر کلیر ہولنگورتھ کے حوالہ سے شائع ہ
اس خبر کی چونکہ کوئی واضح تردید بھی نہیں کی گئی تھی جو اس کے صحیح ہونے کی نہ صرف م
تصدیق تھی بلکہ سرکاری طور پر اس خبر سے تمام محکموں کو بھی مطلع کیا جا چکا تھا جو اس کے
حقیقی معنوں میں اعلان حق ہونے پر شاہد ہے اور جس کی تصدیق اس وقت کے
انفارمیشن سکریٹری جناب الطاف گوہر صاحب نے (جو اب روزنامہ ڈان اور حریت کے
چیف ایڈیٹر ہیں) اپنے مشہور مقدمہ نظر بندی میں اٹارنی جنرل کی جرح کے جواب میں
سندھ بلوچستان ہائی کورٹ ڈویژن بنچ کے رو برو حال ہی میں کی ہے۔ اس راز کے
فاش ہونے کے بعد جو حقیقت ظہور میں آئی وہ اس کے عین مطابق تھی۔

سنہ ۱۹۶۹ء میں یحیٰ خاں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر مملکت کے عہدہ پر فائز ہوگ
ملک میں جو تباہی مچ چکی تھی اور ایوب خاں اور ان کے ساتھی لوٹ کھسوٹ مچا کر
ملک کو ذہنی طور پر دو حصوں میں تقسیم کر کے جن جرائم کے مرتکب ہوئے تھے ان کی سزا
ایوب خاں کو پورا پورا تحفظ حاصل تھا۔ اب مرحلہ یہ تھا کہ آمروں کا یہ گروہ پورے پاکستا
پر اگر زیادہ عرصہ تک حکومت کر سکتا ہے تو اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ ملک میں انتخاب
کرا کر ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ اسمبلی میں کوئی جماعت بھی حقیقی اکثریت
مالک نہ ہو سکے بلکہ کمزور اتحادی حکومتیں قائم ہوتی اور ٹوٹتی رہیں اور ملک میں ویسے ہی
حالات پیدا کر دیئے جائیں جیسے اسکندر مرزا کے دور میں تھے۔ اسی قسم کے غلط
اندازوں نے اس گروہ کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر رکھا تھا کہ مغربی پاکستان کی "اسلام
عقیدت رکھنے والے" سواد اعظم کے ووٹوں کی اکثریت کو مختلف چھوٹی چھوٹی جماعتوں
کے زیر اثر تقسیم کر کے "دو اقلیتی فرقوں کے منظم تعاون، فوج کی حمایت اور فوجی حکومت کی
تائید سے، اپنے ہمدردوں، اصلاح کاروں اور محافظوں کی جماعت کو بڑی تعداد میں
نمائندے لے آنے کے مواقع پوری طرح فراہم کر دینے کے بعد مشرقی پاکستان کی کثیر آبا

Marfat.com

کو مختلف انداز فکر کی "سوشلسٹ" جماعتوں میں بانٹ کر اس امکان کا پوری طرح قلع قمع کر دیا جائے کہ وہاں سے کوئی ایک جماعت اس قدر نمائندے اسمبلی میں لا سکے کہ وہ مغربی پاکستان کی اس "سازشی پلیٹ فارم" پر قائم ہونے والی جماعت کے تعاون و اشتراک کے بغیر اپنی کثرت کی بنیاد پر کوئی حکومت قائم کر سکے۔ راقم الحروف کی اس رائے سے شاید ہی کسی کو اختلاف ہو کیونکہ اس قسم کے غلط اندازے کی نشاندہی خود بھٹو صاحب نے بھی اپنی ایک کتاب "عظیم المیہ" میں قانونی ڈھانچے پر تبصرہ کرتے ہوئے ان الفاظ میں فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:-

"۲۸ نومبر ۱۹۶۹ء کو قوم کے نام ایک خطاب میں صدر یحییٰ خاں نے کہا کہ وہ مارچ ۱۹۷۰ء کے آخر میں قومی اسمبلی کے انتخابات کے لیے ایک عارضی قانونی ڈھانچہ کا خاکہ پیش کریں گے لیکن مارچ کے آخر میں جو قانونی ڈھانچہ پیش کیا گیا وہ عارضی نہیں تھا کیونکہ اس میں ترمیم صرف صدر مملکت ہی کر سکتے تھے اور اس کے مواد نے اسے آئینی ڈھانچہ بنا دیا لیکن اس اعتبار سے قانونی ڈھانچہ میں کئی بنیادی تضادات تھے اس سے مارشل لاء کو بالا دستی ہو گی اور اس کے ساتھ ہی مارشل لاء کے سائے میں قومی اسمبلی کو اپنے منتخب شدہ نمائندوں کے ذریعہ دستور بنانے کا حق دیا گیا تاریخ بتاتی ہے کہ ایسے ڈھب سے متوازی طاقتوں کی ہم آہنگی اور بقا بہت مشکل ہے۔ آمریت اور جمہوریت کا مزاج ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہے اور ان کے امتزاج کو آسانی سے عمل میں نہیں لایا جا سکتا ہے کہ دو مساوی طاقتیں، ایک عوامی طاقت اور دوسری فوجی جنتا ایک ہی وقت میں حکومت نہیں کر سکتیں۔ قانونی ڈھانچہ میں صدر کو قومی اسمبلی کا منظور شدہ آئین مسترد کرنے کا حق دے کر اسمبلی کی خود مختاری اور اقتدار اعلیٰ کو محدود کر دیا گیا ممکن ہے اس وقت اس بات کو سراہا نہ گیا ہو ایک فرد کے لیے ممکن نہیں تھا خواہ ... کتنا ہی طاقتور اور با اختیار کیوں نہ ہو کہ وہ قومی اسمبلی کے جمہوری فیصلے کے بغیر مسترد کرے جمہوریت میں ایسا توہین آمیز اقدام

Marfat.com

آخری بحران کا سبب بن سکتا تھا۔"

"(بحوالہ عظیم المیہ مصنفہ ذوالفقار علی بھٹو صفحہ ۱۹۱ بعنوان قانونی ڈھانچہ کی خامیاں)"

ادھر مشرقی پاکستان کے باہوش، مدبر اور سیاسی بصیرت کے پوری طرح مالک لیڈر اور عوام کو اس گروہ برسر پیکار کی اس مکروہ ناہنجار تجویز و ترکیب کا پورا پورا احساس تھا۔ چنانچہ انہوں نے تہیہ کر لیا کہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے ان سازشی فتنہ کاروں کی یہ اسکیم کبھی پوری نہ ہونے دیں گے۔

"اسلام پسند" حضرات نے قانونی ڈھانچہ کے تضاد پر غور نہیں کیا

یحیٰی خاں نے اپنے مشیران خصوصی کے مشوروں سے جن میں ان کے ہمدرد سیاست دانوں کے مشوروں کو بہت بڑا دخل ہے "قانونی ڈھانچہ کا حکم مجریہ ۱۹۷۰ء جاری کیا اور اس کی رو سے انتخابات کے طریقے اور عمل کا قانونی اعلان کر دیا۔ پاکستان میں سیاسی تدبر اور شعور و بصیرت کی آزمائش کا وقت آچکا تھا۔ اب ملک میں قانونی صورت یہ تھی کہ عام حق رائے دہی کی بنیاد پر فی کس ایک ووٹ کے اصول کے تحت عام انتخابات مقرر تھے اور اس قانونی ڈھانچہ میں یہ وعدہ اور اقرار موجود تھا بلکہ آئین کے ابتدائیہ میں رہنما اصول یہ تھے نمبر ا۔ اسلامی طرز زندگی کی ترویج و ترقی ۲ اسلامی اخلاقیات کے معیار کی بلندی کا تحفظ ۳ پاکستان کے مسلمانوں کے لئے قرآن اور اسلامیات کی لازمی تعلیم کا انتظام ۴ اس بات کی ممانعت کہ کوئی قانون قرآن سنت کے منافی نہ ہو۔ اسی طرح اس حکم کی شق ۲ میں آئین کے جو بنیادی اصول

Marfat.com

مقرر ہوئے ان میں صاف طور پر کہا گیا تھا کہ آئین اسلامی نظریہ کا علمبردار ہوگا جو نظریہ پاکستان اور پاکستان کے قیام کا موجب ہوا ہے اور ملک کا سربراہ مسلمان ہوگا۔

قانونی ڈھانچہ کی یہ متضاد قانونی صورت سب سے زیادہ مغربی پاکستان کے ان عناصر کو دعوت فکر دے رہی تھی جو اپنے آپ کو صرف "اسلام پسند" کے بودے اور کمزور لقب سے یاد کر رہے تھے۔ اپنے لیے ان کے اس لقب کو باعث افتخار سمجھتے ہیں ان کی عقلوں کی قلعی کھل رہی تھی لیکن اس ملک میں اسلامی نظریہ اور نظریہ پاکستان کے ان ڈھنڈورچیوں نے اس تضاد پر کوئی غور نہیں کیا۔ یہ بالکل واضح اور صاف بات یا تو ان کی سمجھ میں آہی نہ سکی یا یہ سمجھنے کی ان میں صلاحیت اور اہلیت ہی موجود نہ تھی کہ ایک طرف تو "مخلوط طریقہ انتخاب" جیسے غیر اسلامی اور قرآن کے صریح خلاف طرز انتخاب سے جہاں احکام قرآن کی کھلی خلاف ورزی ہوتی ہے وہاں دوسری طرف دو قومی نظریہ کے کا خاتمہ کا اعلان بھی ہوتا ہے جو نظریہ پاکستان کا جزو اعظم اور حقیقت میں تخلیق پاکستان کی بنیاد ہے بالخصوص ان عناصر کے یے جو قرآن و سنت کی روشنی میں آئین بنانے جا رہے تھے" یہ فکر انگیز بات تھی کہ قرآن نے تمہاری مملکت کے لیے جسکا نام ہی اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے (اگر مسلمان جمہوریہ پاکستان یا مسلم جمہوری مملکت پاکستان ہوتا تو پھر بھی کچھ گنجائش پیدا ہوتی) انتخابات میں بالخصوص اسلامی آئین بنانے کے لیے نہ کسی کافر کو رائے دینے کا حق دیا ہے اور نہ ہی ان کے ووٹ آئین کے معاملہ میں کوئی اہمیت رکھتے ہیں یا پھر وہ یہ سب کچھ سمجھ بوجھ کر بھی ایسا شرعی، اخلاقی، اور قانونی غلطی اور قرآن کی خلاف ورزی کو محض اس لیے برداشت کر رہے تھے کہ انہیں امید تھی کہ وہ "آئین اسلامی" کا مذہبی اور دینی فریب دے کر مسلمانوں سے زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کرلیں گے اور اسمبلیوں کی نشستوں پر اکثریتی تعداد میں قابض ہو جائیں گے کہ اقتدار میں حصہ داری انہیں میسر آجائے گی۔ ورنہ محض سیاسی

Marfat.com

کردار کی بنیاد پر تو اسمبلی کی ممبری کا تصوّر بھی ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ ان صورتوں کے علاوہ اور کوئی جواز اس حقیقت اور اس واضح صورت کو نظر انداز کرنے کے حق میں نہیں ہے۔

اگر پہلی صورت صحیح ہے تو پاکستان میں اسلام کے ٹھیکیداروں کے عقل سے خالی ذہن اور شعور و فراست سے تہی دست سیاسی بصیرت کا جس قدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے اور اگر دوسری صورت نظر آئے تو پھر صرف اسمبلی کی ممبری کی خواہش کی تکمیل کے لیے مسلمانوں کو فریب اور دھوکہ دینے کی یہ گھناؤنی کوشش نہ صرف قابل مذمت ہے بلکہ خود مذہب یا قرآن اور خدا کو دھوکہ دینے کی یہ سفاکانہ جرأت ایسا کبیرہ گناہ اور شرمناک جرم ہے کہ جس کی سزا میں عذاب الٰہی کا نزول لازم اور لابدی تھا۔

اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ راقم الحروف نے اس سلسلہ میں قانونی طور پر "عدالت عالیہ" سے رجوع کر کے اس تضاد سے پیدا ہونے والی صورت کے اندوہناکی سے ملک کو بچانے کا ارادہ کیا اور ملک کے سب سے مشہور اور سب سے زیادہ ماہر قانون داں عالیجناب اے۔کے بروہی صاحب سے (جن کے دل میں اسلام کی عظمت اور دین کے لیے درد و محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے) قانونی مشورہ لیا۔ ان کا مشورہ یہ تھا "آپ کی رائے درست اور موقف بھی صحیح ہے لیکن عدالت اس معاملہ میں دخل دینے سے انکار کر دے گی کیونکہ ملک میں مارشل لاء ہے اور یہ آرڈر مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کا جاری کردہ ہے" ایسی صورت میں صرف ایک ہی راستہ اس تضاد کا شکار ہونے سے بچنے اور دو قومی نظریہ کو تباہی سے محفوظ رکھنے کا رہ جاتا تھا کہ ایسے الیکشن کا "اسلامی نظریہ اور نظریۂ پاکستان کے دو قومی نظریہ سے متعلق دعویدار جماعتیں اور قومیں" یکسر بائیکاٹ کریں۔

Marfat.com

راقم الحروف نے اس سلسلہ میں امیر جماعت اسلامی جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ایک خط لکھا جس کی نقلیں مشہور علماء و فضلا ، صوفیا اور پیران طریقت کی خدمت میں بھیجیں۔ ں موقع پر اس خط کا پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور استفتاء بھی اس جگہ نقل کرتا ہوں جو علماء کرام سے فتویٰ طلب کرنے کے لیے راقم الحروف نے جاری کیا تھا۔ اس سلسلہ میں بہت سے علماء کے فتوے "للعجب" اور بہت سے شرمناک جواب پر مشتمل تھے جو ہدیۂ قارئین کروں گا (پہلے اس خط کی نقل جو بنام جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہے پیش خدمت ہے)۔

حضرت محترم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ"

ملکی حالات کی اندوہناک حد تک نزاکت اور غیر یقینی صورت کے پیش نظر آپ کی دعا کے لیے مختلف اپیلیں نظر سے گزرتی رہی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ یہ وقت "وقت دعا" ہے یوں تو تمام مسلمان اجتماعی اور انفرادی طور پر دعاؤں میں مصروف ہیں ہی لیکن یہ فقیر جناب والا سے سوال کرتا ہے کہ کیا عذاب الٰہی کو صرف دعاؤں سے ٹالا جا سکتا ہے؟ یا جو اعمال اس عذاب کو دعوت دینے کا سبب بنے ہیں ان سے توبہ و استغفار بھی ضروری ہے؟ آپ کا جواب جو کچھ بھی ہو ، اس فقیر کے نزدیک یہ حالات عذاب الٰہی کی صورت میں اس لیے نازل ہوئے کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ سے کیے ہوئے اس عہد کی صریح خلاف ورزی کی گئی ہے کہ جو قیام پاکستان سے لیکر موجودہ آئین ساز اسمبلی کے قیام تک متعدد بار دہرایا گیا ہے"۔ موجودہ دور میں دنیا کے کسی ملک و قوم نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی اس دلیری اور تسلسل کے ساتھ صریح خلاف ورزی نہیں کی جسکا مظاہرہ بانیان پاکستان سے شروع ہو کر "محافظان پاکستان یعنی گروہ اسلام پسنداں" کی انتخابی مہم کے دوران برابر جاری رہا ہے،

Marfat.com

بانیانِ پاکستان نے اسلام کا قلعہ تعمیر کرنے کی غرض سے پاکستان کے قیام کا نعرہ لگایا اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعائیں مانگیں اور جب اللہ رب العزت نے ان کی دعاؤں کو قبول فرما کر پاکستان بنا دیا تو اسلام کے اس قلعہ سے اسلام کو خارج المدود کرنے کی غداری کے ارتکاب میں مختلف بہانوں اور حیلوں سے خداوند عزوجل کیساتھ فریب شروع ہو گیا۔ اس فریب میں اسلام پسندوں نے بھی ایک مخصوص کردار ادا کیا اور بالآخر اس کردار پر نکھار اور چمک دمک موجودہ انتخابات کی مہم نے پیدا کر دی اور وہ کردار یہ تھا کہ اللہ کے دین کے قیام اور قانون الٰہی کے نفاذ کا عہد کر کے میدانِ انتخاب میں آنے والوں نے ان انتخابات میں حصہ لے کر احکام خداوندی اور آئین قرآنی کے نافذ اور جاری کرنیکا اعلان کیا جو خود احکام قرآنی اور احکام اسلام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے منعقد کیے جا رہے تھے۔ کیا مسلمانوں کے ہر مکتبۂ فکر کے تقریباً تمام ہی علماء جو ان انتخابات میں فتوے جاری فرما کر شریک ہوئے یہ نہیں جانتے تھے کہ اسلامی مملکت کے لیے کہ جس کا نام اب تک "**اسلامی جمہوریہ پاکستان**" ہے بنائے جانے والے آئین کے لیے کسی غیر مسلم سے رائے طلب کرنا قطعی غیر اسلامی فعل ہے اور وہ ادارہ جو غیر مسلم کی رائے سے مستفیض ہو کر عالم وجود میں آیا ہے اور وہ انتخابات جو اسلامی احکامات کے خلاف غیر مسلموں کو حق رائے دہی عطا فرما کر منعقد کیے جا رہے ہیں، کلّی اور قطعی طور پر غیر اسلامی اور احکام قرآنی اور سنت نبوی کے خلاف ہیں۔

پس کیا یہ جان بوجھ کر یا اس حقیقت کو نظر انداز کر کے انتخابات میں شریک ہونے والے علماء اور "**محافظانِ پاکستان یعنی اسلام پسندان**" کے گروہ نے صریح گناہ اور غلطی کا ارتکاب نہیں کیا؟ (اس حقیقت کو بعض مقتدر علماء نے اس فقیر کے سامنے تسلیم فرما کر اپنے اعلیٰ انسانی کردار کا ثبوت دیا ہے اور اقرار کیا ہے کہ یہ غلطی اور گناہ ان سے سرزد ہو گیا ہے) یقیناً یہ گناہ ایسا ہی تھا کہ عذاب الٰہی

Marfat.com

کو دعوت دیتا۔ چنانچہ عذاب آگیا اور سب سے پہلے ان اسلام پسندوں میں نفاق پیدا ہوا (تفرقہ بھی عذاب الٰہی کی ایک صورت ہوتا ہے) اور جب انہوں نے اس گناہ پر توبہ اور استغفار کرنے کی طرف خود کو متوجہ نہ کیا تو عذاب کے ایک بہت بڑے طوفان نے کروٹیں لینا شروع کر دیں اور اس طوفانی عذاب کی یہ کروٹیں موجودہ نازک حالات کی شکل میں آپ کے سامنے ہیں۔ اگر یہ عذاب نازل ہو گیا تو کیا نتیجہ برآمد ہوگا، اس کا ادنیٰ سا نمونہ قدرت نے مصر اور عراق کی سرزمین پر اس سے پہلے ظاہر فرما دیا ہے۔ لہذا اس فقیر کی اپیل آپ کی اپیلوں کے جواب میں آپ سے یہ ہے کہ سب سے پہلے توبہ اور استغفار کی طرف آپ خود متوجہ ہوں اور پھر ایک ایسی عظیم الشان تحریک جیسی کہ آپ نے رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع کے موقع پر یوم دعا اور اس سے پہلے "تمام اسلام پسندوں" نے "شوکت اسلام" کے طور پر چلائی تھی پھر شروع کریں اور اعلان کریں کہ صدر محترم کے قانونی ڈھانچہ میں بھی اسلام کی بالادستی اور ملک کی یکجہتی کی ضمانت دی گئی ہے اس ضمانت کی موجودگی میں انتخابات کا قرآنی احکامات کے خلاف منعقد ہونا ایک خطا اور گناہ ہے جس پر توبہ و استغفار اور کفارہ واجب ہے اور اس کا کفارہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ خلاف احکام قرآنی وجود میں آئی ہوئی اسمبلی کو توڑ دیا جائے خواہ اس کے لیے کیسی ہی قربانیاں کیوں نہ پیش کرنا پڑیں۔ اس کے علاوہ اس عذاب الٰہی سے چھٹکارے اور نجات کا کوئی اور طریقہ اس فقیر کے نزدیک موجود و مناسب نہیں۔ امید ہے کہ فقیر کی اس تجویز پر غور فرما کر جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

فقط والسلام مع الاکرام

مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۷۱ء

مخلص فقیر جیلانی چاندپوری علوی القادری، اشرفی الصابری

۲۸۰/۸ عزیز آباد، کراچی

میرے اس خط کے جواب میں جناب مودودی صاحب کی طرف ان کے معاون خصوصی جناب غلام علی صاحب نے مودودی صاحب کی تصدیق اور دستخط سے جو جواب عنایت فرمایا اس کا عکس ہدیہ قارئین ہے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فون نمبر : ۲۵۰۸

جماعتِ اسلامی پاکستان

۵۔اے۔ ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

نمبر ۷۹۷

تاریخ ۱۳-۳-۷۱

محترمی و مکرمی السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ ہمیں اپنے گناہ گار اور کوتاہ کار ہونے کا اعتراف ہے اور اسکے لیے ہم تہہ دل سے اللہ تعالیٰ سے معافی کے خواستگار ہیں اور اس غفار الذنوب سے امید ہے کہ وہ اپنی رحمت سے ہمارے گناہ معاف فرما دے گا۔ ہم تو اسی کے بھروسے پر اور اسی کی تائید و توفیق سے کام کر رہے ہیں۔

اسمبلی کو توڑ دینے کی آپ کی تجویز نہ ہمارے بس میں ہے اور نہ ہمیں اس سے اتفاق ہے۔

خاکسار

معاون خصوصی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

یہ جواب میری ہدایت کے مطابق ہے

ابوالاعلیٰ

اس خط کے موصول ہونے کے مہینہ دو مہینہ نہیں بلکہ چند ہفتوں ہی کے اندر مودودی صاحب کی سیاسی بصیرت کا آفتاب ایک بیان کی صورت میں مطلع سیاست پر جلوہ گر ہوا جس میں نہایت ہی جرأت کے ساتھ موصوف نے از سرنو انتخابات کا مطالبہ فرمایا تھا (ملاحظہ فرمائیں اخبار جنگ مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۷۱ء کی خبر کا عکس)

Marfat.com

روزنامہ جنگ کراچی

جمعہ ۵ صفر المظفر سنہ ۱۳۹۱ھ، ۲ اپریل سنہ ۱۹۷۱

نئی صورتحال کے پیش نظر ۱۹۵۴ء کے آئینی مسودہ کو ترمیمات کے ساتھ نافذ کر دیا جائے

نئی مردم شماری کے تحت جداگانہ طریق انتخاب کی بنیاد پر از سر نو انتخاب کرایا جائے

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا بیان

لاہور ۲ اپریل (اپ پ) امیر جماعت اسلامی پاکستان مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے [illegible] کیا ہے کہ ۱۹۵۶ء کے مسودۂ آئین کو [illegible] کے مطابق بنانے کے لئے چند معمولی تبدیلیوں کے بعد نافذ کر دیا جائے۔ آج شام یہاں جاری ہونے والے ایک اخباری بیان میں [illegible] اور [illegible] کے لئے جداگانہ انتخاب کی زبردست حمایت کی [illegible] [illegible] ۱۹۷۱ء میں ہونے والی مردم شماری کی بنیاد پر نئے انتخابات کرائے جائیں۔ مولانا مودودی نے مکمل امن و امان برقرار رکھنے کی ضرورت پر [illegible] کیا کہ مستقبل کے انتخابات [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

مورخہ ۱۷ مارچ ۱۹۷۱ء

استفتاء — اور اس کے جوابات

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:-

اس حقیقت کے پیش نظر کہ ہمارا ملک پاکستان جو دنیا میں ایک نظریاتی اسلامی مملکت کے قیام کی غرض سے عالم وجود میں آیا ہے اور اس وقت سے لے کر جبکہ وہ قائم ہوا اس مملکت کا نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہے۔ یہاں کے تمام سربراہان مملکت نے ہمیشہ اس بات پر حلف لیا ہے اور قانوناً پابند رہے ہیں اور یہ امر مسلمہ رہا ہے کہ اس مملکت اسلامیہ میں قرآن وسنت کے خلاف کسی قانون کا نفاذ نہیں کیا جائے گا۔

ان حالات کی روشنی میں ملک کے حالیہ عام انتخابات جو دستور ساز اسمبلی کیلئے عمل میں آئے ہیں اور جس اسمبلی (مقننہ) کا مقصد اس اسلامی جمہوریہ پاکستان کے لیے آئین تیار کرنا ہے چنانچہ:

Marfat.com

۱۔ اس اسمبلی (مقننہ) کے لیے نمائندوں کے انتخابات میں کسی کافر کو ووٹ دینے کا حق قرآن وسنت کے موافق ہے یا خلاف؟

۲۔ ایسی اسمبلی (مقننہ) جس میں غیر مسلم افراد نے اپنے نمائندے [illegible] ووٹ کا حق استعمال کیا ہو کیا اس کی اہل ہے کہ وہ "مملکت [illegible] جمہوریہ پاکستان" کے لیے آئین تیار کرے؟

۳۔ جن حضرات نے ایسی اسمبلی (مقننہ) کے وجود کو تسلیم کرنے اور اس میں حصہ لینے کا عمل کیا ہے ان کا وہ عمل قرآن وسنت کے خلاف ہے یا موافق؟

۴۔ اگر اس قسم کا عمل کرنے والوں سے گناہ سرزد ہو گیا ہے تو کیا ان پر توبہ استغفار و کفارہ واجب ہے؟ اگر واجب ہے تو کیا؟ اور کیسے؟

لہٰذا مستدعی ہوں کہ قرآن وسنت کے احکام کے تحت رہبری فرمائی جائیے۔

فقط والسلام مع الاکرام

جیلانی چاند پوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت اسلامی پاکستان

۵۔اے۔ ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

فون نمبر : ۰۲

حوالہ ______

تاریخ ______

[illegible] مکرم [illegible] السلام علیکم و رحمۃ اللہ

[illegible] نامہ [illegible] مولانا [illegible]

[illegible] کرامی نامے [illegible]

[illegible] امید ہے کہ

[illegible] معذرت قبول فرمائیں گے۔

خاکسار

[illegible]

معاون خصوصی مولانا سید ابوالاعلیٰ

Marfat.com

استفتی پیران علماء کرام کے جوابات
جن کو خود اسمبلی کی ممبری کا اعزاز حاصل ہے

الجواب وباللہ التوفیق ۔ موجودہ انتخابات اور اس کے قوانین کا نفاذ دس سالہ ڈکٹیٹرشپ کے بعد آزادی کی پہلی کرن تھی اور جمہوریت کے راستہ کا پہلا قدم تھا اور اس اقدام میں حکومت کی اپنی مرضی تھی ۔ ہماری مرضی کو اس میں قطعی دخل نہیں تھا لہٰذا اس قانون میں جو خامیاں یا کوتاہیاں واقع ہوئی تھیں یا ہیں ان کے ہم ذمہ دار نہیں اور نہ اس کے ذمہ دار ہمارے ملک کے عوام یا علماء یا سیاست داں ہیں اگر ان قوانین کا نفاذ ہماری مرضی سے ہوتا تو ہم کفار کو یہ اختیار ہرگز نہ دیتے کہ وہ اس ملک اسلامی جمہوریہ میں ووٹ دیں لیکن بڑے انتظار کے بعد یہ موقع فراہم ہوا اور ملک کو اپنی آواز اٹھانے کا موقع ملا اور علماء نے محسوس کیا کہ اس وقت ہم اسلامی نظام کے قیام و نفاذ اور قرآن و سنت کی تعلیم کے مطابق دستور و قانون وضع کرنے پر قادر ہو سکتے ہیں اگر ایسے لوگ کامیاب ہو جائیں جو دین کو جانتے اور سمجھتے ہوں اس لیے عوام کے سامنے اس نقطۂ نظر کو پیش کیا گیا اور عامۃ المسلمین سے خصوصاً یہ اپیل کی گئی کہ وہ اپنا ووٹ اسلامی حکومت کے اجراء کے لیے دیں اور اگر کوئی کافر مشرک ہندو یا عیسائی سے بھی یہ کہے کہ تو ہم سے اسلام کے نفاذ اور تشریع اسلامی کے احیاء میں تعاون کر تو ایسا کرنا ہرگز گناہ نہ ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُل یَآ اھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللّٰہ ۔ آیۃ اس میں اہل کتاب کو متفقہ کلمہ توحید کے لیے ساتھ دینے کی اپیل کی گئی ہے اور حدیث پاک میں فرمایا گیا ان اللّٰہ لیو یّد ھٰذا الدین بالرجل الفاجر کہ اللہ تعالیٰ اس دین اسلامی کی تائید کافر منافق و بدکردار سے بھی کرا لیتا ہے ۔ لہٰذا جن لوگوں نے اسلامی قانون و دستور کے نفاذ کے لیے ووٹ لیا ان لوگوں کا یہ فعل ثواب و عبادت ہے اس میں کسی قسم کا گناہ نہیں اسی لیے علماء اہل سنت نے اس الیکشن کی شرکت کو جہاد قرار دیا اور

Marfat.com

پوری جد وجہد سے اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے میدان میں اترے اس
گناہ کا تخیل بھی نہیں اور نہ آسکتا ہے اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما
الاعمال بالنیات وانما لامرای مانوی الحدیث (بخاری شریف) تو ہم ان تمام
لوگوں کو مبارک باد دیتے ہیں جنہوں نے ایسی سعی مشکور کی اب رہی کامیابی یا ناکامی
اس کا ذمہ ہمارا نہیں ہے — السعی منی والاتمام من اللہ. واللہ تعالیٰ اعلم
اب تفصیلی جواب ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اگر کفار نے موجود قوانین کے ماتحت مسلمانوں کو یہ حق دیا ہو جو ان کو پہلے
سے بھی حاصل ہے کہ وہ اسلامی آئین تیار کریں تو محض کفار کے ووٹ دینے سے وہ اس حق
سے محروم نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ اگر مسلمانوں کو اس حق سے محروم کر دیا جائے تو
آئین سازی اور جمہوریت کا خواب برسوں تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا اور ملک کے
میزانیہ پر بے انداز بوجھ پڑے گا اور ملک افراتفری کا شکار ہو جائے گا۔ اور ایسی بات
کوئی ذی ہوش ہوش میں رہتے ہوئے نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) کافروں کو شرعاً اس کا حق نہیں ہے لیکن یہ امر جس حکومت نے دیا ہے ہم اس
دور میں اسے اس کے خلاف کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے لہٰذا ہم خذ ما صفا ودع
ماکدر پر عمل کریں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) اس کا جواب تفصیل میں گزر چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) نہ ان پر استغفار واجب نہ توبہ نہ کفارہ۔ گناہ محض اوہام پر کھینچ تان کر پیدا نہیں کیے جاتے۔
وہ الزام ہیں؟ یہ حدیث پاک کا فرمان ہے اور یہاں اس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل شرعی
قائم نہیں ہوتی اور کفارہ صرف ان جگہوں پر ہوتا ہے جہاں اس کے لیے حکم ہے عقل
سے کفارہ واجب نہیں ہو سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الفقیر عبد المصطفیٰ الازہری غفرلہٗ
شیخ الحدیث دار العلوم امجدیہ

Marfat.com

اب ملاحظہ فرمایئے غزالئ دوراں حضرت علامہ سیّد احمد سعید کاظمی صاحب
کا غصّہ میں بھرا ہوا جواب جو ان کے ہم جماعت اور ہم خیال علامہ عبد المصطفیٰ الازہری صاحب کے جواب کے بعد پیش خدمت ہے۔ اس جواب کی زحمت انہوں نے اپنے ایک معتمد اور مخلص اہلسنت والجماعت عبد الحفیظ ولد حاجی ہاشم فتانی مرحوم کے خط کے جواب میں فرمائی تھی اور اس کے بعد ان کا ایک رجسٹرڈ خط وصول فرمانے سے ہی انکار فرما دیا
(لفافہ کا عکس صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ ہو)

محترم! وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ ومغفرتہٗ

طویل خط کی نقل موصول ہوئی۔ اسلام کے نام پر غیر اسلامی نظام برپا کرنا یقیناً گناہ عظیم ہے اور بے شک غیر مسلمین، کفار و مرتدین سے اسلامی آئین کے متعلق رائے طلب کرنا قطعی غیر اسلامی فعل ہے، لیکن یہ گناہ اس کے سر پر ہے جو اس فعل کا فاعل یا اس پر راضی ہو۔ اگر ایک سچا مسلمان اسلامی نظام کے لیے اپنی وسعت کے مطابق جد و جہد کی نیت سے ایسے انتخاب میں حصہ لیتا ہے جس میں حصہ لیے بغیر وہ اس نیک مقصد کے لیے کوشش کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں پاتا تو اس کا یہ فعل خیر کثیر کے لیے شر قلیل اختیار کرنے کے مترادف ہوگا جسے گناہ نہیں کہہ سکتے۔

آپ فرماتے ہیں "انتخابات کا قرآنی احکامات کے خلاف منعقد ہونا ایک خطا اور گناہ ہے جس پر توبہ واستغفار اور کفارہ واجب ہے اور اس کا کفارہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ خلاف احکام قرآنی وجود میں آئی ہوئی اسمبلی کو توڑ دیا جائے"

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہی اسمبلی اسلامی آئین نافذ کر دے تو آپ اس آئین کو قبول کریں گے یا رد فرمائیں گے۔ اگر تسلیم کریں تو وہ کفارہ کہاں جائے گا؟ اسمبلی توڑنے کے سوا تو کوئی کفارہ آپ کے نزدیک ہے ہی نہیں۔ اور اگر رد کریں گے تو قرآن اور اسلامی آئین رد کر کے آپ کا اپنا کیا حشر ہوگا؟

Marfat.com

مجھے خطرہ ہے کہ کہیں قیامِ پاکستان کی تفصیلات کو پیشِ نظر رکھ کر آپ پاکستان ہی کے توڑنے کا اعلان نہ کر بیٹھیں۔

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ قوم کے لیڈروں نے اسلام کا نام لیا اور غیر اسلامی نظام جاری رکھ کر قوم کو فریب دیا۔ بے شک یہ گناہ عظیم ہے لیکن صرف لیڈروں کا ہے یا ان افراد کا بھی جنہوں نے ان کی اس غلط روی کی تائید کی پوری قوم اس گناہ میں ملوث نہیں جس کے عذاب کا مستوجب ساری قوم کے بے گناہ افراد کو قرار دیا جائے۔

کیا اس کے علاوہ آپ کو وہ بے شمار گناہ نظر نہیں آتے جن میں لیڈر اور قوم کے اکثر افراد مبتلا ہیں مثلاً جھوٹ، چوری، زنا، شراب خوری، سود، رشوت، قتل ناحق، فرائض و واجبات کا ترک وغیرہ۔ ہر گناہ اللہ تعالٰی کے غضب اور اس کے عذاب کا موجب ہو سکتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ گناہ پر عذاب ہی نازل ہو اگر اللہ تعالٰی نہ چاہے تو بڑے بڑے گناہ پر گرفت نہ کرے اور چاہے تو معمولی سی خطا پر مؤاخذہ کرے۔ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون

آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ موجودہ بحران نظام اسلامی نافذ نہ کرنے اور خلاف شرع منعقد ہونے والے انتخابات میں حصہ لینے کے گناہ عظیم کا عذاب ہے اور اس سے بچنے کے لیے اسمبلی کو توڑنا ضروری ہے۔ کیا آپ کو اس بارے میں کوئی الہام ہوا یا آپ اس اعلان کرنے پر مامور من اللہ ہیں۔ دلیل شرعی اور وحی خداوندی کے بغیر آپ کو کیا حق حاصل ہے کہ آپ کروڑوں گناہوں میں سے کسی ایک گناہ کو نزول عذاب کا سبب قرار دیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ کوئی اور گناہ اس عذاب کا سبب ہو یا تمام گناہوں کا مجموعہ اس کا سبب بنا ہو۔ ایسی صورت میں اس کا کفارہ صرف اسمبلی کے توڑنے سے کیونکر پورا ہوگا۔

بے شک موجودہ حالات غضب الٰہی کے آثار ہیں اور اس وقت غضب الٰہی سے بچنے کے لیے صرف ایک گناہ سے توبہ واستغفار یا اس کا کفارہ ہرگز کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ تمام گناہوں سے سچی توبہ کی جائے اور حتی الامکان معصیت کی بنیادوں کا ازالہ کیا جائے

Marfat.com

اللہ تعالٰے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے آمین -

فقط والسلام

سید احمد سعید کاظمی

رجسٹرڈ خط کے لفافہ کا عکس جو حضرت علامہ احمد سعید کاظمی شاہ صاحب نے وصول فرمانے سے انکار فرما دیا تھا

اس کے بعد ملاحظہ فرمایئے ان علمائے کرام کے جوابات جو خود اسمبلی کی ممبری سے سرفراز نہیں ہوئے لیکن ان کے ہم جماعت اور ہم خیال علماء نے انتخابات میں ذاتی طور پر حصہ لیا اور جماعتی اعتبار سے حمایت و تائید فرمائی -

Marfat.com

الجواب

(۱) اسلامی حکومت میں ذمی (غیر مسلم رعایا) کو مقننہ یا منتظمہ میں بالواسطہ یا بلاواسطہ دخل دینے کا حق نہیں ہے، اس لیے ان کو ووٹ دینے کا حق نہیں ہے۔ البتہ ان کو اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق ہے جو ان کے پرسنل لا اور حقوق کا تحفظ کر سکیں۔

(۲) پاکستان بنانے والوں خواص اور عوام نے ہمیشہ دنیا کو یہی باور کرایا کہ پاکستان ایک نظریاتی اسلامی مملکت ہے لیکن بدقسمتی سے اس پر ایک دن بھی ایسا نہیں آیا کہ اس کو اسلامی حکومت کہا جا سکے، اس لیے اس پر خالص اسلامی مملکت کے احکام نہیں جاری ہوں گے۔ بلاشبہ اسلامی حکومت کا قانون ایسے افراد بہتر بنا سکتے ہیں جن کو غیر مسلم رعایا نے اپنے ووٹوں سے تخریب اور اسلام کے خلاف کام کرنے کے لیے منتخب کیا ہے لیکن یہاں اسلام اور اس کے احکام کی پاسداری کس کو ہے اصل میں تو کام کرنے کا یہ تھا کہ جب صدر پاکستان نے ایک قانونی ڈھانچہ ملک کے سامنے پیش کر دیا تھا تو اس قانونی ڈھانچہ سے جس پارٹی اور جماعت کا پروگرام متصادم ہوتا اس کو الیکشن لڑنے کی اجازت ہی نہیں دینا چاہیے تھی اس لیے موجود قومی اسمبلی اس قابل ہی نہیں کہ اس کو اسلامی مملکت کی مقننہ کہا جا سکے لیکن بایں ہمہ بعض صلحاء اور علماء نے الیکشن میں صرف اس لیے حصہ لیا کہ وہ ممکن ہے کہ موجودہ ماحول میں اسلام کے لیے کچھ کر سکیں، اس لیے۔ ان کے الیکشن میں حصہ لینے کو ناجائز عمل نہیں کہا جا سکتا۔ شریعت مطہرہ نے جہاں اسلامی مملکت کے احکام بتلائے ہیں وہ ناسازگار حالات میں کام کرنے کے لیے "الضرورات تبیح المحظورات" یا اھون البلیتین قسم کے احکام بھی دیے ہیں۔ اس جواب سے آپ کے بقیہ سوالات کے جوابات بھی واضح ہو گئے۔

Marfat.com

اب سر سے پانی گذر چکا ہے، اس قسم کے فتوؤں سے کام نہیں چلے گا۔ اور نہ منتخب ممبروں کو لعن طعن کرنے سے ملک کے مسائل حل ہوں گے اب کچھ کرنا ہے اب بھی وقت ہے، پوری قوم اسلام کے لیے متحد ہو جائے عصبتوں اور تعصبات کو ختم کر کے حکومت اسلامی کو چلا دی جائے اور اس بھولے ہوئے سبق کو یاد دلایا جائے درد مند لوگ گاؤں گاؤں قریہ قریہ پھر کر لوگوں کو آمادہ کریں کہ آئندہ حکومت اسلامی بنائی جائے گی۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: ولی حسن دارالافتاء مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی

الجواب صواب ۲۶ محرم ۱۳۹۱ھ

محمد یوسف بنوری غفرلہٗ

اب ذرا علامہ بنوری صاحب کی وہ اپیل ملاحظہ فرمایئے جو ملک کے ہر زبان میں شائع ہونے والے اخبارات میں چھپوائی گئی ہے اور جس میں عوام کی توبہ و استغفار کی تلقین فرمائی گئی ہے "شاید کہ تضاد جلی کا شاہکار" آپ کو حیران کر دے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بارگاہ ارحم الراحمین میں رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی

اُمتِ مرحومہ کی توبہ و فریاد

[illegible]

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ، واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین

[illegible]

الداعی الفقیر

مولانا سید محمد یوسف بنوری عفی عنہ

[illegible]

Marfat.com

شیخ المشائخ حضرت علامہ جیلانی چاند پوری مدظلہ العالی کا خط بنام علامہ بنوری صاحب

۲۸۰ عزیز آباد۔ کراچی

۸ ستمبر ۱۹۷۲ء مطابق یکم شعبان ۱۳۹۲ھ

اخی المکرم۔ السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

کراچی کے متعدد زبانوں کے متعدد اخبارات میں متعدد مرتبہ عامۃ المسلمین سے دردناک الفاظ میں توبہ و استغفار کی اپیل کے اشتہارات نظر سے گذرتے رہے ہیں جو جناب کے دستخطوں سے جاری کیے گئے ہیں۔

اس ضمن میں میرے بعض دوستوں کا مشورہ ہے کہ آپ کی خدمت میں میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کر دوں تاکہ اتمام حجت کی تکمیل ہو سکے۔ اس سلسلہ میں چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

عـ۱: ایک مقتدر " عربی دارالعلوم کے شیخ الحدیث ہونے کی حیثیت سے " آپ بخوبی واقف ہیں کہ یوں تو ہر مسلمان کو ہر لمحہ اور ہر سانس توبہ و استغفار سے غافل نہ رہنا چاہیے اور وہ غفار الذنوب کی بارگاہ میں اگر ہمہ تن استغفار ہو کر زندگی کے لمحات گذارے تو بہتر ہے۔ بایں ہمہ توبہ و استغفار کا بہترین وقت " عذاب الٰہی کے نزول سے پہلے پہلے ہے اور جب عذاب الٰہی نازل ہو چکا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے کی پکڑنے گرفت شروع کر دی تو پھر توبہ و استغفار کرنے والوں کے لیے قرآن میں غفار الذنوب و ستار العیوب نے کیا ارشاد فرمایا، آپ علمائے کرام سے پوشیدہ نہیں ہے۔

عـ۲: اس سلسلہ میں اس فقیر نے ۵ جنوری ۱۹۷۱ء سے مسلسل مشائخین عظام اور علمائے کرام کو اس توبہ و استغفار کی ضرورت کی طرف متوجہ کیا جس کے لیے جناب نے اب اخبارات میں کثیر رقم کے صرف سے اشتہارات چھپوانے کی سعادت حاصل فرمائی ہے۔ خود جناب والا

Marfat.com

کی خدمت میں بھی ایک استفتا اور وہ عریضہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جو جناب مودودی صاحب کی خدمت میں ان کی دعاؤں کی اپیلوں کے جواب میں تحریر کیا گیا تھا۔ مورخہ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۹۱ھ کو اس کے جواب میں جناب کے دارالعلوم سے محترم مفتی ولی حسن صاحب کا تحریر کردہ اور آپ کا تائید فرمودہ محررہ جوابی فتویٰ مجھے موصول ہوا جسے پڑھکر " یا للعجب " کے سوا کچھ کہنے کو دل نہیں چاہتا۔

۴۔ بہرحال اب اگر جناب کے جذبات کی بیداری سے احساس ذمہ داری نے کوئی کروٹ لی ہے (جس کا اظہار اخبارات میں چھپے ہوئے اشتہارات سے تو ضرور ہو رہا ہے) تو یہ فقیر آپ کو لائق مبارکباد سمجھتا ہے۔ اگر بدقسمتی سے یہ اشتہارات محض دوسروں کو یا عامۃ المسلمین کو ان کے ان گناہوں سے جن کا ذکر اشتہار میں موجود ہے ڈرانے اور توبہ واستغفار کا احساس دلانے کے لیے ہیں تو یہ فقیر افسوس کے ساتھ یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ جن گناہوں کی پاداش میں " وہ عذاب الٰہی جس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے " نازل ہو رہا ہے تو وہ گناہ عامۃ المسلمین نے انفرادی طور پر نہیں کیے۔ بلکہ ان کے علمائے کرام اور رہنمایان با احترام نے ان سے " باجماعت " کرائے ہیں۔ اس لیے ان کا کفارہ اور توبہ و استغفار بھی " باجماعت " ہی ہونا چاہیے۔ یہ فقیر یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ امام کی غلطی اور سہو پر اقتداء کرنے والوں سے " سجدہ سہو " کی تاکیدی اپیل فرمانا چہ معنی دارد۔ اقتداء کرنے والوں کا سجدہ سہو بھی امام صاحب کی اقتداء میں باجماعت ہونا چاہیے۔ اس گناہ کے اصل گناہ گاروں کو جو مقتداء ہیں خاص طور پر توبہ واستغفار کی طرف متوجہ نہ کرنا زبردست کوتاہی ہے۔

یہ بات قطعی طور پر واضح ہے کہ عامۃ المسلمین نے وہ گناہ جس کے نتیجہ میں جناب کے ارشاد کے مطابق عذاب الٰہی کا نزول ہو رہا ہے علمائے کرام اور رہبران با احترام کے کرانے سے کیا ہے اور وہ نہیں جانتے کہ ان سے جو کچھ کرا لیا ہے وہ اس قدر بھیانک گناہ ہے کہ جس کا ہیبت ناک انجام عذاب الٰہی کی شکل میں ان پر نازل ہو رہا ہے۔

Marfat.com

اس کے بعد فقیر اتمام حجت کے طور پر جناب سے گذارش کرتا ہے کہ شب برات کے موزوں موقع پر علمائے کرام اور رہبران با احترام کے اجتماع کا جناب والا جس قدر بھی ممکن ہو اہتمام کر کے (ان سب حضرات کو ایسے ہی اشتہارات کے ذریعہ دعوت استغفار و توبہ دے کر) اپنی عظیم الشان مسجد میں " شب توبہ و استغفار " بالاعلان منائیں اور اس میں مذکورہ حضرات اپنے اس گناہ کا بالخصوص و بالاعلان اقـــرار کریں کہ وہ خود بھی اس گناہ میں ملوث ہیں۔

حقیقت میں آپ کو اور ایسے تمام حضرات کو جو اس ضرورت کو محسوس کرتے ہیں، اس ذمہ داری کو قبول کر لینا چاہیئے۔ اس فقیر نے مشائخین کرام کو جو گشتی مراسلہ ارسال کیا تھا اس کی، در جناب مودودی صاحب کی خدمت میں بھیجے ہوئے خط کی نقول کے ساتھ جناب محترم مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کے نام مرقومہ عریضہ کی نقل بھی منسلک ھٰذا ہے اور جناب والا کے لیے بھی مضمون واحد ہے۔

مکرر آنکہ جناب مفتی ولی حسن صاحب اس فقیر سے ملاقات فرما چکے ہیں۔ اگر امور بالا میں جناب اس فقیر سے ملاقات کرنا مناسب سمجھیں تو فقیر کو خوشی ہوگی۔ فقط والسلام مع الاکرام۔

مخلص

بخدمت شریف جناب مولوی محمد یوسف صاحب بنوری

فقیر جیلانی چاند پوری۔

جامع مسجد نیو ٹاؤن کراچی

نوٹ :- پورے ایک ماہ بعد حضرت بنوری صاحب نے مندرجہ ذیل جواب عنایت فرمایا جس میں اصل معاملہ سے اجتناب کی راہ مصروفیت کے عذر سے نکال کر معاملہ رفع دفع فرما دیا حالانکہ وہ قوم سے توبہ و استغفار کی اپیل کی اخبارات میں اشاعت پر کثیر روپیہ صرف کر کے وہی کچھ چاہتے تھے جس کے اہتمام کی میں نے ان سے خود استدعا کی تھی۔

Marfat.com

المدرسة العربية الاسلامية نمبر
تاریخ ۲ رمضان المبارک سنہ ۱۳۹۲
کراچی نمبر ۵ پاکستان ٹیلیفون 43570 - 71962

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

الجواب حامداً و مصلیاً محمد یوسف [illegible]

اسلامی دستور تیار کرنے کے لیے اسلام کے جاننے اور ماننے والوں کو ووٹ دینا لازم ہے جنہوں نے اس کی خلاف ورزی کی شدید گناہ کے مرتکب ہوئے سچے دل سے توبہ کریں واللہ اعلم

محمد عاشق الٰہی عفی اللہ عنہ

دار العلوم کراچی ۲۱ محرم سنہ ۹۱ھ

Marfat.com

(۱) آپ کے ووٹ شہادت کے ذریعہ جو نمائندہ کسی اسمبلی میں پہنچے گا وہ اس سلسلے میں جتنے اچھے یا برے اقدامات کرے گا اُن کی ذمہ داری آپ پر بھی عائد ہوگی۔ آپ بھی اس کے ثواب یا عذاب میں شریک ہوں گے۔

(۲) اس معاملہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات کی شہادت میں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو اس کا اثر بھی شخصی اور محدود ہوتا ہے۔ ثواب و عذاب بھی محدود۔ قومی اور ملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے۔ اس کا ادنیٰ نقصان بعض اوقات پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے اس لیے اس کا ثواب و عذاب بھی بہت بڑا ہے۔

(۳) سچی شہادت کا چھپانا از روئے قرآن حرام ہے۔ اس لئے آپ کے حلقۂ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل و دیانت دار نمائندہ کھڑا ہے تو اُسی کو ووٹ دینے میں کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(۴) جو اُمیدوار نظامِ اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے اس کو ووٹ دینا ایک جھوٹی شہادت ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

(۵) ووٹ کو پیسوں کے معاوضہ میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے۔ دوسروں کی دُنیا سنوارنے کے لئے اپنا دین قربان کر دینا کتنے ہی مال و دولت کے بدلے میں ہو کوئی دانشمندی نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے جو دوسرے کی دُنیا کے لئے اپنا دین کھو بیٹھے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

(مفتی اعظم پاکستان) مفتی محمد شفیع عفا اللہ عنہ

وصدر دارالعلوم کراچی ۱۴۔ ۲۰ شعبان ۱۳۸۰ھ

ناشر ناظر دعوت الحق پاکستان چاند بی بی اسٹریٹ مسجد طیبہ کراچی ۱

الجواب و منہا الصدق والصواب

نمبر ۴۰۳۰ ۔۴

ووٹ دینا شرعاً تزکیہ و تعدیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ووٹ میں شہادت کے شرعی شرائط کا وجود ضروری ہے یعنی ووٹ صرف وہ شخص دے سکتا ہے جس میں اسلام

عدالت اور ملکی حالات میں بصیرت جیسی صفات موجود ہوں ۔ عدالت سے مراد یہ ہے کہ ظاہر و باطن ہر لحاظ سے شریعت کا پابند ہو ۔ امیدوار میں شرائط مذکورہ کا وجود اور بھی زیادہ ضروری ہے ۔ لہذا جو شخص ظاہراً و باطناً شریعت کا پورا پورا پابند نہیں وہ شرعاً نہ ہی ووٹر بن سکتا ہے اور نہ امیدوار ۔ ایسے ووٹر جن کی شکل و صورت اور وضع و قطع شریعت کے مطابق نہیں یا باطناً اسلام اور نظریہ پاکستان کے خلاف ہیں ان پر لازم ہے کہ بدون اہلیت ووٹ ڈالنے کے جرم سے توبہ کریں ، اسی طرح اس قسم کے امیدواروں پر توبہ کے علاوہ یہ بھی فرض ہے کہ اگر وہ کامیاب ہو گئے ہوں تو آئندہ ظاہراً و باطناً شریعت مقدسہ کی پوری پوری پابندی کریں اور اسلام اور نظریہ پاکستان کے مطابق آئین سازی کا واضح طور پر اعلان کریں اگر خدانخواستہ انہیں اس کی توفیق نہیں ہوتی تو دستبرداری کا اعلان کریں اور ملک کی باگ ڈور خدا ترس اہل بصیرت حضرات کے سپرد کر دیں ، فقط واللہ العاصم

کتبہ احقر عبد الشہید غفرلہٗ

متعلم ۔ درجہ تمرین افتا

اشرف المدارس ناظم آباد کراچی

۲۰ محرم سنہ ۹۱ ھ

حضرت محترم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

منسلکہ ہذا محترم مودودی صاحب کے نام ایک خط ہے اس میں کفارہ اور توبہ و استغفار کا مطالبہ ان سے کیا گیا ہے ۔ اس کے حق میں شرعی جواز کی کیا صورت ہے جواب سے سرفراز فرمائیں

الجواب

موجودہ پریشان کن احوال پر تمام مسلمانوں پر استغفار و توبہ ضروری ہے کسی مسلمان کو اس سے انحراف نہیں کرنا چاہیے ۔ اللہ سب کو اسکی توفیق عطا کرے ۔

محمد یوسف

Marfat.com

پاکستان میں عظیم المیہ کا ظہور

الغرض اسلامی نظریہ کی حامی تمام جماعتوں نے ان انتخابات کو جو قطعی غیر اسلامی اور خلاف احکام قرآنی منعقد کیے جا رہے تھے قبول کر کے نہ صرف اپنی خود غرضی، اسلام سے مطلب پرستانہ وابستگی اور سیاسی تدبر کے فقدان کا ثبوت بہم پہنچایا بلکہ مغربی پاکستان میں بالخصوص اسلامی نظریہ کے حامیوں کے ووٹوں کو گروہ در گروہ اور جماعت در جماعت تقسیم کر کے بحیٰ خان کی سازشی فکر کو کامیاب کرنے میں پوری مدد کی اور اسمبلی میں بہت سی جماعتوں پر مشتمل ایک ہی نظریہ کے حامل ممبران کو بھیجا۔ دوسری طرف اس گروہ بندی سے جہاں جناب ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی کو فائدہ پہنچا جسے پہلے ہی فوج کی مکمل حمایت اور ووٹ حاصل تھے (خود بھٹو صاحب نے الیکشن کے بعد فوجیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ نے مجھے ووٹ دیے ہیں اور مجھے آپ کی حمایت حاصل ہے) وہاں سازشی گروہ نے اس اسکیم کی کامیابی کی بھی پوری کوشش کی کہ اسمبلی میں بہت سی جماعتوں کی نمائندگی کی صورت پیدا کر کے جمہوریت کو اس کے قیام سے قبل ہی تباہ و برباد کرنے کی کارروائی مکمل کر لی جائے لیکن اس مرتبہ بھی ظالم آمروں کے اس گروہ کو مشرقی پاکستان کے جمہوریت دوست، ہوشمند اور بیدار عوام اور ان کے اہل تدبر و نظر اور سیاسی شعور و بصیرت کے مالک رہنماؤں نے اس سازش میں ناکام بنا دیا اور ان کے ارادوں کو اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر لاجواب حکمت عملی کے زور سے شکست فاش دے دی۔

ایک بار پھر مشرقی پاکستان اس سازشی گروہ کے مکروہ پلان کو ناکام بنا کر اقتدار کی

Marfat.com

راہ میں اس کے سامنے دیوار بن کر حائل ہوگیا۔ وہاں کی تمام عوامی جماعتوں نے جو نظریۂ سوشلزم اور سیکولرزم کی حامی تھیں اور نیشنلسٹ طرز فکر رکھتی تھیں اس بات کا صحیح اندازہ لگا لیا تھا کہ انتخابات میں کامیابی کے سب سے زیادہ امکانات "عوامی لیگ" کو حاصل ہیں چنانچہ انہوں نے مختلف انداز اختیار کیے اور عوامی لیگ کے سامنے سے ہٹ گئیں اور اسے "نام نہاد اسلام پسندوں در اصل تفریق کنندوں" سے براہ راست مقابلہ کا موقع فراہم کر دیا۔ ان جماعتوں میں جناب بھاشانی کی نیشنل عوامی پارٹی بھی شامل تھی جو عوامی لیگ کے خون کی پیاسی اور اس کے مدمقابل سب سے زیادہ مضبوط، مقبول اور بڑی جماعت تھی۔ اس معاملہ میں بھاشانی صاحب کے سیاسی تدبر نے انہیں حیرت انگیز بے نفسی کا مظاہرہ کرنے پر آمادہ کر دیا اور انہوں نے "مجیب الرحمٰن" جیسے سیاسی مخالف کو بے روک ٹوک سوشلسٹ اور نیشنلسٹ خیال کے ووٹ حاصل کرنے میں مدد دی جبکہ ہندوؤں کے ووٹ حاصل کرنے کی مدد اور مواقع ان کے لیے یحییٰ خاں کے قانونی ڈھانچے نے فراہم کر ہی دیئے تھے چنانچہ عوامی لیگ نے ۹۹½ فیصد سے زیادہ نشستیں حاصل کر کے مغربی پاکستان میں سازشی گروہ کی کامیابی کو بھی قطعی طور پر ملیامیٹ کر دیا

یہ سب کچھ قطعی طور پر خلاف توقع تھا لیکن مشرقی پاکستان کے عوام اور ان کے رہنماؤں کی سیاسی بصیرت کا شاہکار تھا اس موقع پر میں چاہتا ہوں کہ ملک کے ایک مشہور دانشور سیاست داں، صحافی اور سفارت کار جناب پیر علی محمد راشدی صاحب جو خود انتخابات میں حصہ لے کر شکست خوردہ گروہ کے رکن بن گئے تھے کے اس تجزیہ (مطبوعہ روزنامہ جنگ مورخہ ۱۸ جنوری ۷۱ء) سے کچھ اقتباسات پیش کروں جس میں انہوں نے انتخابات کے بعد کے حالات کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے اس شکست خوردہ کی سوچ کیا ہے۔

Marfat.com

(۷) ساتویں نمبر پر یہ بھی ظاہر و باہر ہوگی کہ مولوی صاحبان کو کسی باہر کے دشمن کی ضرورت نہیں ہے وہ ایک دوسرے کو خود ہی ختم کرنے والے ہیں افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے یہ بزرگ اس مرتبہ اپنے ساتھ اسلامی نظریہ حیات کو بھی گھسیٹ کر لے گئے۔ میرے خیال میں اب اس کے بعد یہ حضرات سیاسی طور پر پھر کبھی اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکیں گے۔ البتہ بانگ صلواۃ، مساجد کی امامت، نکاح خوانی اور نماز جنازہ کے کام کاج کے لیے اب بھی ان کی مانگ باقی رہے گی اور ؎

عمرش دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

اس سلسلہ میں ایک حقیقت مستقبل کا مورخ ہرگز چھپا نہیں سکے گا۔ وہ یہ ہے کہ اگر ان انتخابات میں مولوی صاحبان ایک دوسرے کے خلاف کھڑے نہ ہو جاتے، یا وہ خواہ مخواہ بیچ میں کود کر دوسرے اسلام پسندوں کے ووٹ خراب نہ کرتے تو سوشلسٹوں کو اس قدر کامیابی حاصل نہ ہوتی۔

(۸) آٹھواں اور آخری نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اب طبقاتی کشمکش چھڑ گئی۔ اس کا اثر ہماری معاشیات یا لاء اینڈ آرڈر پر کیا ہوگا، وہ رفتہ رفتہ معلوم ہوتا جائے گا۔ تو مختصراً یہ رہا ماحصل انتخابات کے نتائج کا۔

آگے چل کر راشدی صاحب فرماتے ہیں کہ۔۔۔۔

اب مسئلہ یہ رہ گیا ہے کہ اس کے بعد ہوگا کیا؟ چند سوالات ہیں جو لوگوں کے ذہن میں اٹھ رہے ہیں:۔ مثلاً۔۔

(۱) آئین بنے گا یا نہیں؟

(۲) مجیب صاحب اپنے ایلوائنٹ میں ردوبدل کریں گے یا نہیں،

Marfat.com

(۳) اگر ردوبدل کیے بغیر مجیب صاحب نے آئین بنادیا تو اس سے پاکستان قائم رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟

(۴) صدر یحییٰ خاں ایسے آئین کی توثیق کریں گے یا نہیں۔؟

(۵) اگر انہوں نے توثیق نہیں کی۔ تو کیا ہوگا۔؟

(۶) کیا مشرقی پاکستان علیحدہ ہوجائے گا؟

(۷) مجیب صاحب اور بھٹو صاحب آئین سازی اور حکومت سازی میں تعاون کریں گے یا نہیں۔؟

(۸) بڑی پارٹیوں نے اپنے ووٹروں سے جو وعدے کیے ہیں وہ وعدے پورے ہوسکیں گے یا نہیں؟۔

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت حالات اس قدر پوشیدہ اور پیچیدہ ہیں کہ یقینی طور پر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے بارے میں کلک قدرت نے فی الحقیقت کیا لکھ دیا ہے۔ اس جیسے موقع پر انسان صرف قیاس سے ہی کام لے سکتا ہے اور میرا قیاس یا اندازہ یہ ہے کہ اس کے بعد صورت حال کچھ اس طرح کی بنے گی:۔

(۱) مجیب الرحمٰن صاحب اپنے چھ پائنٹوں سے سرمو نہیں ہٹیں گے۔ اگر وہ خود ہٹنا بھی چاہیں تو ہٹ نہیں سکیں گے۔ مولانا بھاشانی ماشاءاللہ موجود ہیں وہ تو قطعی طور پر علیحدگی چاہتے اور ملکی قانون ان سے بازپرس کرنے سے معذور ہے۔ پس ایسے حالات میں اگر معاملہ ۶ نکات پر ہی طے ہوگیا تو غنیمت ہوگا۔

(۲) چھ پائنٹ کی بنیاد پر مغربی پاکستان کی جتنی پارٹیاں مجیب صاحب سے تعاون کریں گی، بلکہ تعاون کی پیشکش میں سبقت سے کام لیں گی۔ وہ

Marfat.com

ان کا تعاون قبول کر لیں گے مگر اپنی بات پر اڑے رہیں گے۔ البتہ وہ جتنے حقوق اپنے صوبے کے لیے رکھیں گے اتنے ہی حقوق اپنے معاونین کے صوبوں کو بھی دیں گے اور ان کی تشفی کے لیے یہ کافی ہوگا۔ ویسے بھی مجیب کو واضح اکثریت حاصل ہے۔ وہ کسی کی مدد کے محتاج نہیں ہیں

پھر راشدی صاحب بھٹو صاحب کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

(۳) بھٹو صاحب زیادہ دیر تک اقتدار سے باہر نہیں رہ سکتے لہٰذا وہ جلد سے جلد غیر مشروط طور پر مجیب سے تعاون کر لیں گے۔ اس تعاون کی پیشکش کے بعد بھی مجیب صاحب وزارت سازی میں ان کو حصہ دار بناتے ہیں یا نہیں یہ اور بات ہے۔ عام طور سے جب کوئی پارٹی واضح اکثریت میں ہوتی ہے تو وہ اپنی ہی ذمہ داری پر سارا کام چلاتی ہے۔ کسی دوسری پارٹی سے کولیشن نہیں کرتی۔

(۴) بھٹو صاحب مجیب سے تعاون کریں یا نہ کریں مغربی پاکستان کی باقی پارٹیاں سوشلزم سے بچنے کی خاطر ان سے غیر مشروط طور پر تعاون کر لیں گی۔

(۵) مجیب صاحب مغربی پاکستان کی ان پارٹیوں کی شرکت سے ۶ پائنٹی آئین اسمبلی سے منظور کروا لیں گے۔

(۶) صدر یحییٰ خاں منظور شدہ آئینی مسودہ کی توثیق فرما دیں گے

(۷) غالب گمان یہ ہے کہ مجیب صاحب اپنا آئینی مسودہ پیشگی صدر یحییٰ خاں کو دکھا کر ان سے جنٹلمینی وعدہ حاصل کر لیں گے کہ وہ اس مسودہ کی توثیق فرما دیں گے۔ اگر مجیب کو یہ وعدہ نہیں حاصل ہوا تو وہ اسمبلی شروع ہوتے ہی اسمبلی کی SOVEREIGNTY یعنی خود مختار ہونے کا مسئلہ اٹھا کر بحران پیدا کر دیں گے۔ ایسے حالات میں اسمبلی کو توڑ کر دوبارہ انتخابات کرانے کا مسئلہ پیدا ہوگا مگر نئے انتخابات کا نتیجہ بھی وہی ہوگا جو اب والے انتخاب کا

Marfat.com

نکلا ۔ بلکہ مجیب اس مرتبہ تو پہلے سے بھی بڑی میجارٹی لے کر موجود ہوں گے کیونکہ ان نئے انتخابات میں مغربی پاکستان سے بھی کئی لوگ عوامی لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہو کر آجائیں گے ۔ لہٰذا نئے انتخابات سے مجیب فائدہ میں رہیں گے نہ کہ نقصان میں ۔

(۸) ۶ پائنٹ کی بنا پر آئین بنا تو اس سے الٹے حالات میں پاکستان ٹوٹے گا نہیں بلکہ ٹوٹنے سے محفوظ رہ جائے گا ۔ جہاں تک مرکز کا تعلق ہے گو کہ اس کی موجودہ ہیئت نہیں رہے گی بلکہ اس کی قوت وہی رہے گی ۔ قوت سے مراد یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں اختیارات حکومت ہوں گے قوت ور وہی رہے گا اور بندوق مرکز کے ہاتھ میں ہی ہوگی یہ صحیح ہے کہ چند ایک محکمے جو اس وقت مرکز کی تحویل میں ہیں وہ ۶ پائنٹ کے تحت صوبوں کے حوالے ہو جائیں گے ۔ مگر یہ فیصلہ پاکستان کے عوام کی واضح اکثریت کا ہے اور اگر ہم نے یہ اصول مان لیا ہے کہ یہاں جمہوریت ہے اور حاکمیت عوام کی ہے تو پھر جمہوری طریقہ سے حاکم کا صادر کیا ہوا فیصلہ طوعاً و کرہاً ہر ایک کو ماننا ہی پڑے گا ۔ کیا جس روز ہم نے ONE MAN ONE VOTE کا فیصلہ سنا تھا تو ہم اس بات کے لیے تیار نہیں تھے کہ جمہور کی اکثریت کا جو بھی فیصلہ ہوگا وہ قبول کرنا پڑے گا ۔ ؟ علاوہ بریں مجیب صاحب کے ۶ پائنٹوں سے صرف بنگال ہی مستفید نہیں ہوگا بلکہ انہی پائنٹوں کا اطلاق انتقال اختیار کے بارے میں مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں پر بھی ہوگا یعنی وہی اختیارات پنجاب ، سرحد ، بلوچستان اور سندھ کو بھی مل جائیں گے

(۹) اگر ہم عقل سلیم سے کام لیتے ہیں تو ہم پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مجیب صاحب

Marfat.com

کی طرف سے ہرگز یہ کوشش نہیں ہوگی کہ مشرقی پاکستان ، باقی پاکستان سے علیحدہ ہو جائے ۔ وجہ یہ ہے کہ پاکستان کی اکثریت مشرقی پاکستان میں بستی ہے اور جب ملک میں جمہوریت ہو اور حکمرانی کا حق اکثریت کو حاصل ہو تو پھر اکثریت اقلیت سے کیوں علیحدہ ہو گی ؟ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ آج تک ہمیشہ اقلیتیں اکثریتوں سے علیحدہ ہونے کی کوشش کرتی رہی ہیں جس طرح کہ نائیجریا میں بیافرا کی اقلیت نے کیا تھا ۔ ملیشیا میں سنگاپوریوں نے کیا ، ہندوستان کے برصغیر میں مسلم اقلیت نے کیا ۔ دنیا کی تاریخ میں یہ کبھی نہیں ہوا کہ ایک حکمراں اکثریت نے ایک مستقل اقلیت سے اپنے کو علیحدہ کر لیا ہو اور پھر بنگال والے پاکستان سے کٹ کر جائیں گے بھی تو کہاں اور کیوں ۔ ؟ وہ اگر پاکستان میں ہیں تو اکثریت ہیں اور ان کو دنیا کی پانچویں بڑی ریاست پر حکومت کرنے کا حق حاصل رہتا ہے ۔ برعکس اس کے اگر وہ کسی اور ریاست میں مدغم ہو جاتے ہیں تو ان کی پوزیشن وہاں ایک حقیر اور بے اثر اقلیت کی رہ جائے گی تو پھر کیا ہمارے بنگالی بھائی اس قدر اپنے دشمن ہیں کہ وہ حاکمیت کے حق سے دستبردار ہو کر دوسروں کے پاؤں تلے اقلیت بن کر رہنے پر قانع ہو جائیں گے ؟ رہا سوال آزاد ریاست قائم کرنے کا تو ان کی جغرافیائی پوزیشن کچھ ایسی ہے کہ ان کی " آزاد " ریاست مشرق بعید کا دوسرا ویت نام بن جائے گی جس پر قبضہ جمانے کے لیے جملہ عالمی طاقتیں آپس میں کٹ مریں گی بر ایں بنا میں نہیں سمجھتا کہ مشرقی پاکستان کا مغربی پاکستان سے علیحدہ ہونا (مشرقی پاکستان کے ہاتھوں) قرین قیاس ہے

---

(۱۰) آخر میں الیکشنی مواعید کے ایفا کا سوال رہ جاتا ہے ۔ تو اس کے بارے میں

Marfat.com

میرا اندازہ یہ ہے کہ مجیب تو اپنے وعدے پورے کریں گے۔ کیونکہ ۶ پوائنٹ کے علاوہ جہاں تک اقتصادی معاملات کا تعلق ہے ان کا مسلک میانہ روی پر مبنی ہے۔ وہ معاشی اصلاحات ضرور لانا چاہتے ہیں مگر تدریجی طور پر اور اس طرح سے نہیں کہ ایک ہی دن میں سارے ملکی اقتصادی نظام کو تہ وبالا کر کے ہر جگہ انسان کو انسان سے لڑا کر ملک کو کنگال کر دیں۔

البتہ باقی پارٹیوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ فی حقیقت انہوں نے اتنے وعدے کیے ہیں کہ میں ان وعدوں کا کھوج ہی نہیں لگا سکتا۔ یعنی کہ کس حلقہ سے کس روز کیا وعدہ ہوا اور وہ وعدہ قابل ایفا بھی تھا یا نہیں۔

آخر میں میری ناچیز رائے یہ ہے کہ ہم کو اپنے جمہور کا فیصلہ بہ طیب خاطر تسلیم کر لینا چاہیے پاکستان کا جمہور اب جاگ اٹھا ہے۔ آپ اس کے فیصلوں کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہو گا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہو گا

مغربی پاکستان کے سیاستدانوں اور علماء کی نااہلی

اس صورت حال نے ان لوگوں کو جو سمجھتے تھے کہ ایوب خاں اور ان کے جانشینوں کی گردنوں کو دبوچنا اور ان سے ملک کو تباہ و برباد کرنے کے جرائم کا حساب لینا

Marfat.com

ناممکن ہے" قطعی طور پر مایوس کر دیا اور اس مایوسی اور "روز حساب کے خوف" نے انہیں سنگین ترین جرائم اور بھیانک کھیل کھیلنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ اس طے شدہ پالیسی کے تحت کہ ملک رہے یا مٹ جائے مگر ایوب خاں اور ان کے جانشین ہر قسم کی بے خوفی کے ساتھ اس زمین پر دندناتے پھریں اور ان سے کوئی تباہی کا حساب لینے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس مقصد بلکہ ایسے بہت سے تباہ کن مقاصد کے حصول کیلئے اب نئے نئے ڈرامے سیاسی اسٹیج پر کھیلے جانے لازمی تھے اور طرح طرح کی سیاسی "واردات" "تاشقند کی بلی" اور "ایک ہزار سالہ ہند و پاک جنگ" کی طرح ظہور میں لائی جانی ضروری تھیں اور وہ لائی گئیں جن کے نتیجے میں پاکستان کی تاریخ ہی کا نہیں بلکہ مسلمانوں کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ کا شرمناک المیہ ۱۹۷۱ء کے دسمبر میں ظہور پذیر ہوا۔

اس ہولناک المیہ کے اسباب و علل کو چند سطور میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ میں پاکستان کی شرمناک شکست کی بنیاد کب رکھی گئی اس کا اندازہ صحیح طور پر وہ حضرات ہی لگا سکتے ہیں جنہیں "سیاست کی سائنس جاننے" کا دعویٰ ہے لیکن واقعات پر اگر سرسری اور عمومی نگاہ ڈالی جائے تو یہ چیز درست نظر آتی ہے کہ ۱۹۷۱ء کی جنوری میں اس کی تخم ریزی کی گئی اور مسلسل ایک سال تک اسے "خون ناحق" سے سینچا گیا۔ اس طرح سال کے آخری مہینہ میں تباہی کی یہ کھیتی پک کر تیار ہوئی جسے کاٹنے پر پاکستانی قوم کو مجبور ہونا پڑا۔ اب ان کا آدھے سے زیادہ ملک کٹ چکا تھا۔ اس سانحہ اور المیہ میں کن کن عوامل اور طاقتوں نے کیا کیا رول ادا کیا اس کا تھوڑا سا ذکر بہت ضروری ہے۔

یہ ایک عام فیشن ہے کہ کسی ملک میں اگر کوئی تبدیلی رونما ہوتی ہے تو مبصرین کی نظریں اس میں فوراً غیر ملکی طاقتوں کے ہاتھ دیکھ لیتی ہیں حتیٰ کہ وہ دعوے داران "موفت سیاست"

Marfat.com

جو ہمیشہ یہ اعلان کرتے رہتے ہیں کہ یہ سیاست کی سائنس کا عالم و فاضل ہونے کی حیثیت سے ان کا پلہ اور مقام بہت بلند ہے" اپنی بقراطیت کے اظہار اور عالمی سیاست پر اپنے فکری غبور کے دعووں کی تقویت کے لیے اس قسم کے فیشن کو اپنا ضروری سمجھتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ عالمی طاقتیں اور بیرونی دغیر ملکی ہاتھ اس قسم کی ریشہ دوانیوں میں ملوث نہیں ہوتے۔ ایسا ہوتا ہے اور ہمارے ملک کے اس المیہ میں بھی اس قسم کی شرارت کو بہت بڑا دخل ہے لیکن کسی ملک میں کسی بیرونی شرارت پسند کو دخل دینے کا موقع اس وقت تک ہرگز نہیں مل سکتا جب تک کہ خود اس ملک کے باشندوں میں سے وہ عناصر جنکی کارکردگی شرارت پسندوں کی شرارت پسندی کو دخیل کار کرنے میں ممد و معاون ہو سکے یا اس غیر ملکی طاقت کا آلہ کار اور ایجنٹ نہ بن جائیں۔ اسی لیے میں غیر ملکی طاقتوں کی طرف اپنے عوام کو متوجہ کرنے سے زیادہ اپنے ہی ملک کے ان حضرات کی سیاہ کاریوں سے باخبر کرنا اور عوام کی نگاہ میں ان کے کردار اور عمل کو لانا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ وہ اپنی آستینوں میں چھپے ہوئے سانپوں کو پہچان سکیں۔ اس نقطۂ نظر سے اپنے ملک کے اس عظیم المیہ کے عوامل اور کرداروں کو سامنے لاکر پرکھنا اور عوام کے سامنے نقد کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

پاکستان میں ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے بعد بقول اپنا ... ذوالفقار علی بھٹو صاحب، تین طاقتیں پاکستان کی سیاسی سطح پر ابھر کر آئیں۔ ان میں سے پہلی طاقت فوج کی تھی، مارشل لاء کی حکومت جسکی نمائندہ تھی اور جنرل محمد یحییٰ خاں اس کے سربراہ ہونے کی وجہ سے اسکا مظہر تھے۔ دوسری طاقت پاکستان کی مرکزی اسمبلی میں اکثریتی پارٹی عوامی لیگ تھی اور اس کے سربراہ شیخ مجیب الرحمٰن صاحب اس قوت کے نمائندے اور مختار تھے۔ تیسری طاقت پیپلز پارٹی تھی جو درحقیقت اپوزیشن کی سب سے بڑی پارٹی تھی لیکن اس کے سربراہ "آقا (باس) یا پاکٹ مختار جناب ذوالفقار علی بھٹو اپنی اس پوزیشن کو

Marfat.com

تسلیم کرنے کی جگہ اپنی طاقت تو اقتدار کی مستحق تیسری طاقت بنتے تھے اور دوسری طاقتوں سے اپنی یہ پوزیشن تسلیم کرانے پر مصر تھے۔ بہر حال اس وقت ملکی سیاست میں ان تینوں طاقتوں کا موثر کردار تھا اور یہ وہ عوامل تھے جن کا تعلق اس "عظیم المیہ" سے ناقابل تردید تھا۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد جو دستور ساز اسمبلی وجود میں آئی تھی اس کا اجلاس ہونے سے پہلے ہی وہ تباہ و برباد ہو گئی اور ملک دو حصوں میں بٹ کر مسلمانوں کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ کو داغ شرمندگی دے گیا۔ اب اس کے ذمہ دار کون ہیں۔ عوامی لیگ۔ پیپلز پارٹی اور یحیٰی خاں یا یحیٰی خاں۔ شیخ مجیب الرحمن اور ذوالفقار علی بھٹو۔ اگر ان تینوں سے پوچھا جائے تو یحیٰی خاں اس کا ذمہ دار صرف اور صرف شیخ مجیب الرحمن صاحب کو گردانتے ہیں۔ اگر ذوالفقار علی بھٹو صاحب سے دریافت کیا جائے تو وہ ۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ء سے پہلے اور ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کے بعد سے اس کا ذمہ دار صرف شیخ مجیب الرحمن صاحب کو قرار دیتے ہیں اور ۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ء کے بعد سے انہوں نے اس ذمہ داری میں یحیٰی خاں صاحب کو بھی شامل فرما لیا ہے اور پاکستانی عوام کے غیظ و غضب سے بچانے کے لیے انہیں عزت و وقار کے ساتھ اپنی حفاظت میں لے لیا ہے اب اگر کوئی شیخ مجیب الرحمن صاحب سے دریافت کرے تو وہ اس کی ذمہ داری نہ تنہا ذوالفقار علی بھٹو صاحب پر ڈالتے ہیں اور اور نہ یحیٰی خاں پر کیونکہ ان کا اس انداز کا کوئی بیان ابھی تک سامنے نہیں آیا بلکہ ان کے نزدیک آج بھی اور اس سے پہلے بھی اس کا ذمہ دار کوئی فرد واحد نہیں بلکہ مغربی پاکستان کا وہ سازشی گروہ ہے جس نے ہمیشہ اپنے ذاتی مفادات اور ذاتیات کے تحفظ کی خاطر ملک کا قلع قمع کرنے اور تباہ کرنے کے منصوبے بنائے اور اس منصوبہ بندی نے مآل کار ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر کے تباہ و برباد کر ڈالا۔

اب میں ان تینوں حضرات کی آراء کو استدلال کی روشنی میں پرکھنے کے لیے عوام کے روبرو پیش کرتے ہوئے یہ بھی بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان میں سے کوئی

Marfat.com

صاحب الرائے کس درجہ اہل الرائے ہیں۔ یحیٰ خاں کی رائے سے چونکہ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کو پورا اتفاق ہے کہ مجیب الرحمٰن صاحب اس المیہ کے ذمہ دار ہیں کیونکہ اپنی رائے کے جواز میں یحیٰ خاں صاحب نے جو استدلال پیش کیا ہے تقریباً وہی استدلال ذوالفقار علی بھٹو صاحب کا بھی ہے اس لیے ہمیں ذوالفقار علی بھٹو صاحب ہی کی رائے پر روشنی ڈالنی چاہیے کہ وہ دونوں کی مشترکہ رائے ہے اور وہ یہ ہے کہ اس تمام المیہ کا ذمہ دار شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کی عوامی لیگ کے مٹھی بھر لوگ ہیں۔ ان تینوں حضرات کی آراء معلوم کر کے ان کے اہل الرائے ہونے کی حیثیت کو "سیاست کی سائنس کی روشنی میں" دیکھنا ضروری ہے۔

جہاں تک یحیٰ خاں کا تعلق ہے۔ انہیں کوئی بھی سیاست میں اہل الرائے تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی خود انہیں "سیاست کی سائنس جاننے کا کوئی دعویٰ ہے" دوسری شخصیت مجیب الرحمٰن صاحب کی ہے جن کے اہل الرائے ہونے اور سیاست کی سائنس جاننے یا نہ جاننے کے متعلق فیصلہ کرنا بہت آسان ہے جو عالی جناب ذوالفقار علی بھٹو کی رائے کی روشنی میں کچھ اور زیادہ سہل ہو جائے گا۔ اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ سب سے پہلے جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے اہل الرائے اور سیاست کی سائنس کے ماہر ہونے کے دعوے کو پرکھیں۔ چنانچہ کسی شخص کو بھی اس حقیقت سے انکار کی جرأت نہیں ہو سکی کہ انہوں نے "سیاست کی سائنس" پڑھی ہے اور خوب پڑھی ہے۔ انگریزی کتابوں میں پڑھی ہے یورپی سیاست دانوں کی تحریروں میں پڑھی ہے، روس اور چین کے انقلاب کی داستانوں میں پڑھی ہے، دنیا کی اچھی سے اچھی لائبریریوں میں پڑھی ہے لیکن یہ بھی ایک المیہ ہے ان کا پاکستان کا صدر ہونے کے بعد پورے ملک کے لیے اور اس سے پہلے ان کی جماعت کے لیے کہ انہوں نے "سیاست کی سائنس" کسی سیاست کے مرد میدان سے عملی طور پر نہیں سیکھی یعنی وہ صرف تھیوری کے استادوں سے سیاست کی تھیوری سیکھ کر میدان سیاست میں آئے ہیں اور عملی سیاست

Marfat.com

(پریکٹیکل) انہوں نے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے زیر سایہ تجربات سے سیکھی ہے کیونکہ سیاسی تربیت کسی ماہر سیاست کی صحبت میں حاصل کرنا ان کے مقدر میں نہ تھا۔

سیاست میں پریکٹیکل کی اہمیت کیا ہے یہ قائداعظم سے پوچھئے جنہوں نے دادا بھائی نوروجی سے ان کی صحبت میں کام کر کے سیکھا تھا یا پھر گاندھی جی بتا سکتے ہیں جنہوں نے گنگا دھر تلک اور گوکھلے کی صحبت سے فیضان سیاست "سیاست کی سائنس" کے طور پر حاصل کیا یا پنڈت جواہر لال نہرو سے معلوم کیجئے جو گاندھی جی کی صحبت کو اپنے شعور کی پرورش کا گہوارہ قرار دیتے ہیں۔ یہ تو مثالاً عرض کیا گیا ہمیں تو اس ملک کے بانی بابائے ملت قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت کی روشن دلیلوں سے استفادہ کرنا ہے جو نہ کبھی "سیاست کی سائنس کے بقراط ہونے کا دعویٰ کرتے تھے" اور نہ انہیں کبھی کسی انگریز کی سیاست کے مثال سے مرعوب پایا گیا لیکن وہ بہت دوررس نگاہ کے مالک تھے اور جو کچھ دیکھتے تھے صحیح دیکھتے تھے۔ انہیں یہ سیاست کسی "کتاب" نے نہیں پڑھائی تھی۔ بلکہ سیاسی تربیت اور اپنے سے زیادہ ماہر سیاستدانوں کی قیادت میں عملی کام کر کے تجربہ حاصل کرنے نے سکھائی تھی یہی وجہ ہے کہ ہم قائداعظم کی رائے میں ایسی پختگی پاتے ہیں کہ پاکستان اس کی تائید کا روشن مینار ہے جس کی ایک منزل کو کتابوں سے سیاست سیکھنے والے ماہرین سیاست اور "سیاست کی سائنس" جاننے کے دعویداروں کی بے تدبیری اور فقدان بصیرت نے ڈھا کر تباہ و برباد کر دیا اور دوسری منزل ان کے رحم و کرم پر ڈانواں ڈول ہو رہی ہے۔ ناتجربہ کاری اور سیاست کی تربیت کے نہ ہونے کی وجہ سے رائے میں ناپختگی اور مزاج میں تلون کا آجانا ذوالفقار علی بھٹو صاحب کے لیے ناممکن نہیں ہو سکتا اور یہی المیہ ہے انکی رائے کے جلد جلد کبھی محسوس اور کبھی غیر محسوس طور پر بدلتے رہنے کا۔ چنانچہ زیر تذکرہ المیہ کے سلسلہ میں اپنی اس رائے کی تائید میں انکی مشہور کتاب "عظیم المیہ" کے اقتباسات پیش کر کے استدلال قائم کرنا چاہتا ہوں۔

اس سلسلہ میں انہوں نے جس ڈکٹیٹر کی صحبت میں عملی سیاست کی

Marfat.com

تربیت حاصل کی ہے اور جس تربیت کے خصوصی اثرات ان کے سیاسی مزاج میں پوری طرح نمایاں اور اچھی طرح واضح ہیں، اس کے متعلق خود ان کی رائے ان کی کتاب سے اخذ کر کے ہدیہ قارئین ہے چنانچہ ایوب خاں صاحب کے متعلق ان کا ارشاد ان کی کتاب عظیم المیہ کے صفحہ نمبر ۱۱ سے ۱۲ تک یوں ہے کہ:-

"ہمارا عزیز وطن "اجارہ دار تاجروں" کی لامتناہی ہوس اور کم پڑھے لکھے رہنماؤں کی جہالت کا (نہ معلوم یہ کون رہنما تھے) شکار رہا ہے۔ پاکستان کے ابتدائی دس برس میں سیاست دانوں اور بیوروکریٹوں نے مل جل کر عوام کے مفادات کو تباہ کیا۔ ۱۹۵۸ء میں مسلح افواج نے مداخلت کی اور ماضی کی شکایات کو نیم دلانہ اقدامات سے دور کرنے کی کوشش کی۔ جب ایوب خاں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اس وقت ایوب کے متعلق لوگوں میں بڑا جوش و خروش تھا کیونکہ اس وقت مسلح افواج کو عوام کا اعتماد حاصل تھا۔ ملک کے دونوں حصوں میں اس کی عزت کی جاتی تھی۔ عوام نے اسے اطمینان کی سانس کے ساتھ قبول کیا تھا۔ ۱۹۵۸ء میں صدر ایوب خان سے زیادہ کسی اور کو بہتر موقع نہیں مل سکتا تھا کہ وہ ماضی کی غلطیوں کا ازالہ کرتا اور پاکستان کو ترقی کے راستہ پر ڈال دیتا لیکن ایوب خاں نے یہ سنہری موقع گنوا دیا۔ عوام اس کی طرف نظریں اٹھائے دیکھتے تھے لیکن وہ عوام کا نہیں تھا اگرچہ وہ نہایت محنتی تھا لیکن بدعنوان تھا اور اس کے خاندان کے افراد دولت میں ہاتھ رنگنے لگے۔ اسے کئی جگہ ٹھوکریں کھانا پڑیں اور مسائل کے حل میں جبر کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے دل میں مشرقی پاکستان کے خلاف انتہائی تعصب تھا۔ اس کے عہد میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان روابط انتہائی کمزور پڑ گئے۔ ظاہری طور پر

Marfat.com

تو یہ حکومت بڑی مستحکم تھی لیکن اندر اندر ایک نہایت گہری خطرناک شکست و ریخت جاری تھی۔ یہ اس دور کی بات ہے کہ بڑے سرمایہ داروں کی ناانصافیاں اپنی انتہا کو پہنچ گئیں ایوب خاں نے اپنی طاقت کا ڈھانچہ عوام دشمن طاقتوں بڑے سرمایہ داروں، بیوروکریسی اور بنیادی جمہوریت کے ارکان پر کھڑا کیا۔ اسی دور کے آخری حصے میں انقلابی بنگالی قوم پرستی نے سر اٹھانا شروع کیا۔ ۱۹۶۵ء کی بھارت، پاکستان جنگ نے عوام کے جذبات اور تیز کر دیئے لیکن ان کا جوش وخروش جلد ہی سرد کر دیا گیا۔ ایک قوم جو ستمبر ۱۹۶۵ء میں ایک فرد واحد کی طرح ڈٹ گئی تھی، اس نے اچانک جنوری ۱۹۶۶ء میں اپنے تیئں پارہ پارہ محسوس کیا۔ پاکستان کی فتح، پاکستان کی شکست میں بدل گئی۔ ایوب خان نے جنوری ۱۹۶۶ء میں تاشقند میں بڑی طاقتوں کے احکامات پر عمل درآمد کر کے اس ملک کے ساتھ غداری کی۔ مغربی پاکستان میں معاہدہ تاشقند پر انتہائی غم اور غصے کی لہر دوڑ گئی اور مشرقی پاکستان میں عدم تحفظ کا احساس پھیلنے لگا۔ غیر ملکی دباؤ کے سامنے جھکنے کی بجائے ایوب خاں اگر عوام کو اپنے اعتماد میں لیتے تو وہ مغربی پاکستان میں پھیلنے والی مایوسی اور افسردگی کو دور کر سکتے یا کم از کم سرد کر سکتے تھے اور اسی طرح مشرقی پاکستان میں تنہائی اور عدم تحفظ کے احساس میں بھی کمی ہو سکتی تھی لیکن ایوب خاں نے ایک ڈکٹیٹر کی طرح جو وہ تھا۔ عوام کو نظر انداز کرنا اور انہیں اندھیرے میں رکھنا مناسب سمجھا"

[راقم الحروف کو بھٹو صاحب کے اس خیال سے قطعی اختلاف ہے کہ ۱۹۵۸ء میں مسلح افواج نے مداخلت کی" حقیقت حال یا تو بھٹو صاحب کے علم میں نہیں

یادہ جان بوجھ کر اسے بیان کرنا نہیں چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ ۱۹۵۸ء میں وہ سازش عملی طور پر ظہور میں لائی گئی جو کافی طویل عرصے سے اسکندر مرزا صاحب، جناب محمد ایوب خاں صاحب اور بیرونی طاقتوں کی ساز باز سے کی جارہی تھی اور کسی مناسب وقت کا انتظار کیا جارہا تھا۔

اس کے بعد مصنف "عظیم المیہ" نے جو کچھ ایوب صاحب کی شان میں فرمایا اس کے باوصف ہم جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب سے اس قدر ضرور عرض کرینگے کہ ان تمام تباہ کن حالات کے دوران آپ ایوب خاں صاحب کے ساتھی، معتمد خصوصی اور متوقع جانشین بنے رہے۔ ان حالات نے آپ کو ایوب کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ نہ کیا لیکن ایک سوچی سمجھی لمبی مدت کی اسکیم کی سازش کے تحت تاشقند کے بے وجود بہانے اور رسوائے زمانہ جھوٹ کی بلی کو تھیلے میں بند کرکے پورے ملک میں وہ تھیلا لیے پھرنے کی غرض سے آپ ایوب خاں سے الگ ہوگئے۔

اس کے بعد عظیم المیہ میں اپنی تحریر کو جاری رکھتے ہوئے صفحہ نمبر ۱۲۔۱۳ پر بھٹو صاحب فرماتے ہیں کہ :-

"ایوب خاں کے مخالفین فروری ۱۹۶۶ء میں لاہور میں جمع ہوئے جسے انہوں نے آل پاکستان نیشنل کانفرنس کا نام دیا۔ یہی کانفرنس تھی جہاں شیخ مجیب الرحمن نے ایوب خاں کی حکومت سے ٹکر لینے کیلئے چھ نکاتی فارمولا پیش کیا۔ چھ نکات کی تصنیف کے سلسلے میں اب تک بڑا تجسس رہا ہے بعض افراد کا کہنا تھا کہ ایوب خاں کے ایک قریبی بیورو کریٹ نے تاشقند کے ڈرامے سے توجہ ہٹانے اور ایوب خاں کو بچانے کے لیے مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام میں تفریق پیدا کرنے کے لیے چھ نکات کا فارمولا بنایا۔ یہ بھی افواہ اب تک چلتی ہے کہ

Marfat.com

چھ نکات کا مسودہ تیار کرنے میں غیر ملکی طاقت کا ہاتھ ہے چھ نکات کی تفصیل پر اسرار ہو سکتی ہے لیکن پاکستان پر اس فارمولے کے اثر انداز ہونے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ صدر ایوب خاں کی حکومت نے ابتداء میں چھ نکات کے بارے میں شیخ مجیب الرحمٰن کے بیانات کو بہت زیادہ ہوا دی۔ اپریل ۱۹۶۶ء میں اس خوف سے کہ ایک سیاسی دیو ابھر رہا ہے اور یہ سوچتے ہوئے کہ تاشقند کا بحران ختم ہو گیا ہے صدر ایوب عوامی لیگ پر برس پڑے اور شیخ مجیب الرحمٰن کو جیل میں ڈال دیا بعد میں عوامی لیگ کے لیڈر پر اگرتلہ سازش کیس میں مقدمہ چلا گیا۔

صدر ایوب خاں اگرچہ تاشقند کے بحران کے بعد حکمران رہے مگر بنیادی طور پر حالات خراب ہوتے گئے اور عوام بدظن ہوتے گئے آخر کار ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ستمبر ۱۹۶۸ء میں تاشقند کے اڑھائی برس بعد پاکستان پیپلز پارٹی نے ایوب خاں کی حکومت کے خلاف عظیم تحریک کی قیادت کی۔ اس پارٹی نے ملک کے مغربی بازو کے طول و عرض میں مظاہرے کروائے۔ نومبر کے آخر میں مشرقی پاکستان کے عوام بھی اس تحریک میں شامل ہو گئے فروری ۱۹۶۹ء میں ایوب خاں نے مجیب الرحمٰن کو جیل سے رہا کر دیا تاکہ وہ گول میز کانفرنس میں شرکت کر سکیں جو ایوب خاں نے اپنی زوال پذیر حکومت کو سہارا دینے کے لیے منعقد کی تھی۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے گول میز کانفرنس میں شرکت سے انکار کیا اس لیے کہ وہ اس عظیم آمر کو عوام کی طاقت سے پچھاڑنے کے لیے انتھک کوشش کرتی رہی۔"

نوعمر اور ناتجربہ کار سیاستدان مسٹر بھٹو کو اس کا بھی علم نہیں کہ فروری ۱۹۶۶ء میں لاہور میں منعقدہ "آل پاکستان نیشنل کانفرنس میں شیخ مجیب الرحمٰن صاحب نے چھ نکات کا

Marfat.com

فارمولا پیش کیا ہے جبکہ اس فارمولے کو نومبر ۱۹۶۵ء میں مکمل کیا گیا تھا اور تشکیل دی گئی تھی اس وقت تاشقند کی بلی جواب تک ان کے تھیلے میں بند ہے پیدا بھی نہیں ہوئی تھی لہٰذا اس وقت اس کا گمان ہی ہو سکتا تھا بلکہ ایوب خان صاحب ان کی تلاش میں امریکہ کی طرف پرامید نظروں سے دیکھتے تھے اور بھٹو صاحب ان کے نور نظر تھے یا پھر بھٹو صاحب خود جان بوجھ کر چھپا رہے ہیں اور اپنے عوام کو ہمیشہ کی طرح اس معاملہ میں بھی غلط فہمی کا شکار کر رہے ہیں۔ بھٹو صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اگر وہ صحیح ہے تو چھ نکات کی تصنیف میں بھٹو صاحب کی معلومات کو یا تو خود دخل ہو گا کہ وہ وزیر خارجہ تھے یا پھر لاعلم وزیر خارجہ ہوں گے ویسے ۳۱ اکتوبر ۷۲ء کو سندھ بلوچستان کی عدالت عالیہ میں اٹارنی جنرل کی جرح کے جواب میں جناب الطاف گوہر نے واضح اور واشگاف الفاظ میں شہادت دی ہے کہ "مسٹر بھٹو خوب جانتے تھے کہ چھ نکات کیسے وجود میں آئے ہیں"! گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے اسی کو کہتے ہیں۔

چنانچہ جب ایوب خان کو یقین ہو گیا کہ عوام ان کے خلاف ہو گئے ہیں تو انہوں نے اپنے معتمد خصوصی کو تاشقند کا بدنام نعرہ دے کر عوام کی صفوں میں بھیج دیا تاکہ کنونشن مسلم لیگ کا جنرل سیکرٹری عوام کو پیپلز پارٹی کے چیئرمین کی حیثیت میں ورغلا کر اپوزیشن پر قبضہ کر لے اور پھر حکومت کی اندرونی مدد سے منتخب ہو جائے اور جب بھٹو صاحب برسر اقتدار آئے تو نو پاکستان جلتا ہوا جہاز تھا۔ بھٹو صاحب کی کتاب "عظیم المیہ" سے مزید اقتباسات اور ان پر تبصرہ مفصل طور پر آگے کسی جگہ پیش کیا جائے گا

مشرقی پاکستان سے تعصب میں ایوب خان اکیلے نہیں تھے

یہ بات تو خود بھٹو صاحب کی تحریر سے قارئین پر پوری طرح واضح ہو گئی ہو گی کہ "ایوب خان صاحب کے دل میں مشرقی پاکستان کے خلاف تعصب تھا اور وہ بھی انتہائی اور اس

Marfat.com

تعصب کا اظہار صرف عوامی لیگ اور شیخ مجیب الرحمٰن صاحب ہی کو تختۂ مشق بنا کر ظہور پذیر ہوا۔ اس کی زد عبدالمنعم خاں صاحب مرحوم، چوہدری فضل القادر یا صبور خانصاحب پر نہ پڑی بلکہ اسی طرح کے وہ حضرات جو نہ عوامی لیگی تھے اور نہ مجیب الرحمٰن صاحب کے دوست حتیٰ کہ عبدالمجید بھاشانی صاحب جیسے السانوں کو بھی جنہوں نے مغربی پاکستان کو سب سے پہلے "السلام علیکم" کہا تھا ایوب خانصاحب واجب التعظیم والاحترام کہتے رہے۔ وہ ایسا سمجھتے بھی تھے یا نہیں اسکا حال خود انہیں یا بھٹو صاحب ہی کو معلوم ہو سکتا ہے۔

مشرقی پاکستان کے لیے ایوب خاں صاحب کے دل میں جو انتہائی تعصب تھا وہ غور طلب ہے اس لیے کہ یہ کوئی راز نہیں ہے کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب خود پورے آٹھ سال تک اس انتہائی تعصب کے عملی اظہار میں اپنے آقا (باس) کے پوری طرح شریک اور وفادار ساتھی رہے ہیں۔ اس انتہائی تعصب کے دل میں موجود ہونے کی نشاندہی کے بعد ایوب خاں کے دور میں "چھ نکات کے ظہور" کو فطری ردعمل نہ سمجھنا سخت قسم کی ناانصافی اور مشرقی پاکستان کے ساتھ کی گئی ناانصافیوں میں ایک اور ظالمانہ اضافہ ہوگا۔ اس حقیقت سے بھٹو صاحب بھی کسی طور اپنا دامن نہیں چھڑا سکتے۔ غالباً اسی لیے چھ نکات میں سے ساڑھے پانچ نکات تسلیم کرنے کے بعد اس بات کا فیصلہ دے دیا تھا کہ ساڑھے پانچ نکتے پاکستان کی سالمیت پر کلہاڑی نہیں چلا رہے صرف "آدھا نکتہ اس قدر خطرناک ہے" کہ ملک کے بڑے آدھے حصہ کے چلے جانے کو برداشت اور گوارہ کیا جا سکتا ہے (کیونکہ جو کچھ ہونے والا تھا وہ ان سے پوشیدہ اس لیے بھی نہ تھا کہ وہ سیاست کی سائنس جانتے ہیں) مگر آدھا نکتہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میرے نزدیک ایوب خاں ایک فردِ واحد نہ تھا "جس کے دل میں مشرقی پاکستان کے خلاف انتہائی تعصب تھا" بلکہ وہ تو ایک سازشی گروہ کا نشان تھا، پھریرا تھا، علم تھا جو صرف سہروردی صاحب، مجیب الرحمٰن اور عوامی لیگ ہی کا دشمن اور مخالف نہ تھا بلکہ پورے

Marfat.com

مشرقی پاکستان سے بغض و عناد اور تعصب رکھتا تھا اور یہ تعصب کیوں تھا؟ اس کے اسباب و علل کیا تھے؟ کیا مذہبی تھے یا ذاتی تھے؟ نہیں بلکہ سیاسی اور رقیبانہ تھے اور اس کے پیدا ہونے کا واحد سبب "مشرقی پاکستان کے باشندوں کی اکثریت، ان کی حق طلبی اور بیداری اور ان کی ذہین و اعتماد کے قابل قیادت تھی۔

جیسا کہ میں پہلے بھی اسی مضمون میں وضاحت کے ساتھ عرض کر چکا ہوں اور خود جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے واشگاف الفاظ میں تحریری طور پر جس کی تائید فرما کر اب اس معاملہ کو سرے سے خارج از بحث کر کے فیصلہ تک پہنچا دیا ہے کہ سہروردی صاحب، عوامی لیگ اور شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کو اسی لیے ظلم کا نشانہ اور سازشی گروہ کے دل میں چھپے ہوئے مشرقی پاکستان کے لیے انتہائی تعصب کے اظہار کا تختۂ مشق بننا پڑا کہ وہ مشرقی پاکستانی عوام کے حقوق کے محافظ، ان کے جذبات کے سچے نمائندے اور ان کی رائے کی علامت تھے بدقسمتی سے خود جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے پورے آٹھ سال اس گروہ کے ساتھ اقتدار میں شامل رہ کر کام ہی نہیں کیا بلکہ (واضح رہے کہ یہ مدت پاکستان کی پچھلی تمام تاریخ کے ایک تہائی کے برابر ہے جو مشرقی پاکستان پر مظالم کی داستانوں سے بھری پڑی ہے اور جس کا بدترین دور وہ ہے جس پر ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے اللہ کا اس طرح شکر ادا کیا کہ گویا وہ اللہ کے فضل سے ہندوستان کو فتح کر کے اور دہلی کے لال قلعہ پر جھنڈا لہرا کر ہوائی جہاز سے اترے ہوں) مشرقی پاکستان میں فوجی اقدام کرانے کے بعد ڈھاکہ سے واپس آئے تو کراچی ایئر پورٹ پر اترتے ہی پہلا جملہ جو جناب کی زبان فیض ترجمان سے ادا ہوا وہ یہ تھا کہ "خدا کا شکر ہے کہ پاکستان کو بچا لیا گیا ہے"۔ پاکستان کے بچ جانے کی بات بالکل ویسی ہی ہے کہ جیسے ایک نام نہاد حکیم حاذق نے ایک کمزور مریض کو دست آور دوائیں کھلائیں۔ جب مریض نڈھال ہو کر بے دم ہو گیا اور تیمارداروں نے حکیم صاحب سے حال بیان کیا کہ حکیم صاحب دست آتے آتے مریض کا حال پتلا ہو چکا ہے تو حکیم صاحب نے

Marfat.com

پہلے تو خوب غور وخوض فرمایا اور پھر حکم دیا کہ وہی دوا اور کھلا دو۔ تیماردار جو رموز حکمت سے ناآشنا تھا مجبور تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر حکیم صاحب کی ہدایت پر عمل نہ کیا گیا تو پھر مریض کا اللہ ہی حافظ ہے۔ چنانچہ بسم اللہ کر کے "اللہ شافی، اللہ کافی" کہہ کر اس نے مریض کو وہی دوا اور پلادی۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اسے اس قدر اسہال ہوئے کہ وہ کثرت اسہال سے جاں بحق ہو کر اپنے بے اپنے رب کے کافی ہونے اور اسی کی جناب میں حاضر رہنے پر قانع ہو گیا۔ جب تیمارداروں نے یہ اطلاع حکیم صاحب کو پہنچائی کہ مریض راہی ملک عدم ہو گیا تو نہایت معصومیت کے انداز میں حکیم صاحب نے ارشاد فرمایا کہ مریض آخر کیسے مرگیا۔ جواب دیا گیا کہ حضور کی دوا سے اس قدر اسہال ہوئے کہ مریض کے لیے راہ عدم سہل ہو گئی تو حکیم صاحب نے برجستہ ارشاد فرمایا کہ میاں ہماری دوا کو کیوں بدنام کرتے ہو۔ دیکھتے نہیں کہ اس دوا نے اس کے پیٹ سے کس قدر غلیظ، گندہ اور زہریلا مادہ خارج کیا ہے یہ اور بات ہے کہ اس کے باوجود مریض نہ بچ سکا لیکن اگر خدانخواستہ یہ زہریلا مادہ اس کے پیٹ میں پورے کا پورا رہ جاتا تو مریض کا کیا حال ہوتا؟؟؟ ذرا خود ہی فکر کرو پھر تمہاری سمجھ میں دوا کی افادیت پوری طرح آجائے گی۔

یہی حال فوجی اقدام سے پاکستان کا ہوا۔ پاکستان مریض تھا، فوجی حکومت تیماردار اور بھٹو صاحب حکیم حاذق مسیح دوراں جنہوں نے اللہ کے فضل سے پاکستان کو بچالیا۔ اگر فوجی اقدام نہ ہوتا اور بھٹو صاحب چھ نکات تسلیم کر لیتے تو نہ معلوم پاکستان کا کیا ہوتا جب کہ سب کچھ نہ کرنے پر بھی ملک دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ بھٹو صاحب ابھی تک چھ نکات کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ کریں گے خواہ انہیں بنگلہ دیش کو تسلیم ہی کیوں نہ کرنا پڑے کیونکہ اب تو بنگلہ دیش ایک حقیقت ہے اور "حقیقت سے فرار ممکن نہیں" مسلم بنگال کی علیحدگی ایک مقدر تھی اور مقدر کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ مقدر کو تسلیم نہ کرنا بہت بڑی غلطی اور غیر حقیقت پسندانہ بات ہے اور پھر بھٹو صاحب تو چھ نکات کے عیوض پورے پاکستان

Marfat.com

کا اقتدار جناب شیخ مجیب الرحمٰن کے حوالے کرنے پر پوری طرح آمادہ ہیں یعنی حکیم صاحب نے مریض کے لیے دست آور دوا کا ایک اور آخری ڈوز تجویز فرما دیا ہے۔

میں یہ ہرگز نہیں کہوں گا کہ اس سلسلہ میں سیاسی ناتجربہ کاری کی بنا پر صرف بھٹو صاحب ہی سے مہلک اور ناقابل تلافی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اور مجیب الرحمٰن صاحب ایسی غلطیوں سے قطعی مبرا و منزہ ہیں اور ان کا کردار سیاسی اغلاط اور ان کی ہلاکت آفرینی سے پاک رہا ہے۔ بے شک مجیب الرحمٰن صاحب سے بھی بہت سی چھوٹی موٹی سیاسی کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں لیکن ان کے اثرات اس قدر ہلاکت خیز نہیں تھے جس قدر ان کی ایک بہت بڑی سیاسی غلطی نہ صرف خود ان کی ذات اور جماعت کے لیے بلکہ پورے ملک کے سیاسی ماحول اور حالات کے لیے مضرت رساں ثابت ہوئی۔ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ ان کی یہ سیاسی غلطی ان کی سیاست میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے معرض وجود میں نہیں آئی بلکہ غلطی کا ماخذ ان کی وہ عقیدت تھی جو انہیں اپنے لیڈر سید حسین شہید سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی یہی وجہ تھی کہ وہ بے حد جوشیلے انداز میں مغربی پاکستان کے پبلک جلسوں میں بھی علی الاعلان کہتے رہے کہ سہروردی صاحب کو قتل کیا گیا ہے عوامی لیگ اقتدار میں آ کر اسکی تحقیقات کرے گی اور قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا۔ یہ ایک بھیانک سیاسی غلطی تھی۔

تضاد خیالی اور تضاد بیانی

"سیاست کی سائنس کا ماہر" ہونے کی حیثیت سے ۱۹۶۴ء میں بھٹو صاحب نے ایوب خاں صاحب کو چھ نکات کے بارے میں خود کیا مشورہ دیا یہ ان کی کتاب "عظیم المیہ" ہفت روزہ الفتح کے خصوصی ضمیمے کے صفحہ نمبر ۳، ۴، پر ملاحظہ فرمائیے اور ان کے ۱۹۷۱ء کے جنوری تا مارچ کے عمل کا جائزہ لیجئے اور پھر غور فرمائیے کہ "سیاست کی سائنس

Marfat.com

سکے اس ماہر بیاستے ملک کے لیے کیسا عمدہ کام انجام دیا ہے وہ عظیم المیہ کے صفہ نمبر ۳، پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"مجیب الرحمٰن کی رہائی ان کی پارٹی یا ان کی اپنی جانب سے کسی تحریک کے چلانے سے عمل میں نہیں آئی بلکہ وہ اس تحریک کے دوران رہا ہوئے جو میں نے ستمبر ۱۹۶۸ء میں ایوب خان کی حکومت کے خلاف مغربی پاکستان میں چلائی تھی۔"

صفحہ نمبر ۳، پر ہی عظیم المیہ میں بھٹو صاحب نے مزید لکھا ہے کہ:۔

"۱۹۶۶ء میں جب شیخ مجیب الرحمان نے چھ نکات پیش کیے تو میں نے صدر ایوب کو مشورہ دیا تھا کہ سیاست کے اصول متقاضی ہیں کہ ان پر بات چیت کی جائے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اس اسکیم میں آگ پھیلانے کے جراثیم موجود ہیں۔ بنگالیوں کی مشکلات حل طلب ہیں۔ ان کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور اس کے بہت سے ثبوت موجود ہیں۔ اب انہیں ایک لیڈر مل رہا ہے ضروری تھا کہ ان کی شکایات کا فوری ازالہ کیا جاتا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ یہ چھ نکات اپیل رکھتے ہیں اور یہ کہیں تحریک کا روپ نہ دھاریں جو شدت اختیار کرے گی مجیب الرحمان نے چھ نکات پیش کرتے وقت موقف اختیار کیا تھا کہ ان پر بات چیت ہو سکتی ہے چند موقعوں پر انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ بائیبل نہیں۔ اس وقت ان میں غیر ملکی امداد کا تذکرہ نہ تھا۔"

پھر آگے چل کر بھٹو صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

"اس وقت ایوب خاں میری بات مان لیتے تو معقول سمجھوتہ ہو سکتا تھا۔ اس کیس کے بنیادی تقاضوں کو قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہونا چاہیے تھی۔ ایوب خاں ۱۹۶۶ء میں وہ بات مان لیتے جو وہ ۱۹۶۹ء کی گول میز کانفرنس

Marfat.com

میں مان رہے تھے تو پاکستان کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ بدقسمتی سے
ایوب خاں نے بقول اپنے ہتھیاروں کی زبان سے کام لیا اور زبان کے ہتھیار کو نظر انداز
کر دیا۔ انہوں نے شیخ مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر لیا اگرتلہ سازش کیس قائم کیا اور
اس کے سلسلے میں انتہائی غلط رویہ اختیار کیا کہ ہم آج بھی یہ جاننا چاہتے ہیں
کہ اس مقصد کا انجام کیا ہوا۔ ایک بات بالکل صاف ہے کہ اس سے
شیخ مجیب الرحمٰن کو فائدہ پہنچا۔

حالیہ واقعات نے ایوب خاں اور اس کے کاسہ لیسوں کی پوزیشن پر سے نقاب اٹھا دیا ہے۔ وہ بھان گئے ہوں گے کہ جون ۱۹۶۶ء سے ۱۹۶۹ء تک مجیب الرحمٰن کی گرفتاری سے مشرقی پاکستان کے حالات سدھارنے کا جو راستہ بنایا گیا تھا، وہ غلط تھا۔ زیر زمین بے چینی پھیلتی رہی لاوا پک رہا تھا سرف اس کا ڈھکنا نہیں اٹھا تھا۔ ایوب خاں نے صرف بحران کو ٹالا تھا اور موجودہ حکومت کے غلط اندازوں کی وجہ سے بالآخر ۱۹۷۱ء کا المیہ ظہور پذیر ہوا۔"

اس کے علاوہ تضاد خیالی اور تضاد بیانی کے اور بھی بہت سے نادر الوجود نمونے ہیں لیکن اس موقع پر یہ مضمون اس طوالت کا متحمل نہیں ہو سکتا اس لیے صرف ایک مثال لازوال اس سلسلہ میں پیش خدمت ہے جو سیاست کی سائنس کی مہارت کا نادر الوجود نمونہ ہے اپنی اس کتاب جسے عظیم المیہ کا نام دیا گیا ہے، کے ابتدائی صفحہ نمبر ۵-۱۰ پر
جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے قرار داد پاکستان کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا وہ
ان کے اپنے الفاظ میں یوں ہے کہ۔

"ہمارا نقطۂ آغاز ۱۹۴۰ء ہے جب ۲۳ مارچ کو قائد اعظم کی قیادت میں
برصغیر کے مسلمانوں نے برصغیر میں ایک الگ مسلمان ملک کا مطالبہ کیا۔ یہ
مطالبہ سب سے پہلے قرار داد لاہور میں تھا جو فضل الحق نے پیش کی جنہیں
عام طور پر شیر بنگال کہا جاتا تھا۔ ملک کے دونوں بازوؤں میں روز افزوں

Marfat.com

اختلاف آرائی قرار داد لاہور پر مباحثے کے دوبارہ تلخ آغاز پر منتج ہوئی ۔ پہلے ۱۹۶۶ء میں شیخ مجیب الرحمان نے اور بعد میں مولانا بھاشانی نے کہا کہ قرار داد لاہور کے مطابق دو مسلم مملکتیں ہیں یعنی ایک مغربی پاکستان میں اور ایک مشرقی پاکستان میں ۔ یہ اس قرار داد کی دیانتدارانہ تاویل نہیں ہے ۔ پاکستان کے قیام سے لے کر ۱۹۶۶ء تک اس قرار داد کو کسی نے یہ مفہوم نہیں پہنایا لاہور قرار داد پر اگر عمل درآمد ہوتو اس میں سارا پنجاب، سارا بنگال اور آسام کا صوبہ ہونا چاہیئے چونکہ بنگال اور پنجاب منقسم ہو گئے تھے، آسام نے پاکستان کو انکار کر دیا تھا اس قرار داد کو اصولی طور پر محض اس وقت تسلیم کیا جانا تھا جب تقسیم مکمل ہو نی اس کے علاوہ اس معاملے کا خلاصہ اس امر میں ہے کہ برطانیہ جس نے برصغیر میں اقتدار منتقل کیا تھا، اس نے اس انتقال پر عمل درآمد آزادئ ہندوستان ایکٹ ۱۹۴۷ء کے ذریعے کیا جس نے تین نہیں صرف دو خود مختار ریاستوں کو جنم دیا بھارت اور پاکستان ۔"

اس ارشاد عالی کے بعد اب جناب بھٹو کی وہ تقریر ملاحظہ فرمایئے جو ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو قومی اسمبلی (بحیثیت دستوریہ) کے اجلاس میں انہوں نے کی اور جس میں انہوں نے فرمایا کہ :۔

"مسلم بنگال نے اپنی آزادانہ مرضی سے جو علیحدہ وجود قائم کیا ہے ہم اس علیحدگی سے فرار حاصل نہیں کر سکتے، صرف اس کے نتائج واثرات پر غور کر سکتے ہیں ۔ قائداعظم کے بیانات اور تقریروں کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو ۱۹۴۰ء کی قرار داد پاکستان بھی دو ریاستوں کے درمیان کنفیڈرلیشن کے رشتوں کی اجازت دیتی ہے اور مساوات (پیریٹی) کا فارمولا بھی دو ریاستوں کی نشاندہی کرتا ہے اس لیے مسلم بنگال کے لیڈروں کے ایک

Marfat.com

طبقہ نے اسے تسلیم کر لیا اور عوامی لیگ نے اسے آگے بڑھایا"

آگے چل کر جناب بھٹو صاحب نے ارشاد فرمایا کہ :-

"اب مشرقی پاکستان میں ہمارے بھائیوں نے خود کو بنگلہ دیشی کہلانا پسند کیا ہے جو سیکولر لادینی ریاست ہے لیکن اس امر سے ان کا مسلمان ہونا ختم نہیں ہوا ہے صرف ملک کے اس حصہ سے ان کی طبعی علیحدگی سے یہ بنیادی حقیقت کیسے مٹ سکتی ہے۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ بنگالی علیحدگی پسندوں نے اپنے موقف کی بنیاد بھی ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان پر ہی رکھی تھی لیکن آج اس سالگرہ پر ہم خوش نہیں کیونکہ ہم اپنا نصف ملک کھو چکے ہیں؟ آج کا دن ہم کیسے منائیں ماضی کی غلطیوں اور سیاسی قیادت کے فقدان کو یاد کریں یا اس مقدر سے مفاہمت کرلیں جو مسلم بنگال نے اپنی آزادانہ مرضی سے جداگانہ وجود برقرار رکھنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے لیے منتخب کر لیا ہے۔ ہم مشرقی بنگال کی علیحدگی کی حقیقت سے گریز نہیں کرسکتے۔ ہم صرف اس بات پر غور کر سکتے ہیں کہ اس علیحدگی کا کیا نتیجہ بنا ہے"

صدر بھٹو نے مزید کہا کہ :-

"مسلمانوں کا خواب اتنا نازک تھا کہ ۲۵ سال کی آزمائش بھی برداشت نہ کرسکا اس کے لیے ہمیں ۱۹۴۰ء کی اصل قرارداد پاکستان کا جائزہ لینا ہوگا۔ کیا اس میں ایک یا دو جداگانہ مسلم مملکتوں کے لیے کہا گیا تھا۔ قائد اعظم کے بیانات اور تقریروں سے حقیقی صورت حال واضح ہو جاتی ہے ان میں زیادہ سے زیادہ جس بات کی اجازت دی گئی ہے وہ دو ریاستوں کے درمیان کنفیڈریشن کا رشتہ تھا چھ سال کے طویل عرصہ کے بعد اس قرارداد میں ۱۹۴۶ء میں ترمیم کی گئی تھی کہ ہندو اور انگریز جس حد تک مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کر سکتے تھے اس حد تک

Marfat.com

پہنچ کر مفاہمت کی جائے۔ پاکستان کی حیثیت سے جو مملکت وجود میں آئی وہ اس ترمیم شدہ قرارداد کے مطابق تھی۔ ۱۹۴۶ء کی یہ قرارداد عوامی لیگ کے بانی مسٹر حسین شہید سہروردی نے پیش کی تھی لیکن اس وقت بھی برصغیر کے شمال مشرق میں ایک مسلم ریاست کے قیام کی جستجو ختم نہیں ہوئی تھی چنانچہ ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیان مسلم قیادت نے جناب سہروردی کو ایسی مملکت کے قیام کی جدوجہد کی اجازت دے دی تھی۔ اس وقت انگریز اسٹیبلشمنٹ نے مشرق میں اس مملکت کے قیام کو روک دیا کیونکہ اس کے نتیجے میں انہیں آسام اور مغربی بنگال کے ہاتھ سے نکل جانے کا خدشہ تھا۔ بالآخر پاکستان کا قیام دو حصوں کی حیثیت سے ہوا۔"

آگے چل کر بھٹو صاحب مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

"پاکستان کے اوائل میں مشرقی بنگال کے سیاست دانوں نے سیاسی حقوق کے لیے جدوجہد شروع کی تھی وہ ملک کے لیے فال نیک تھی لیکن سیاسی مفاد پرست آڑے آ گئے۔ مشرق و مغرب کی مساوی نمائندگی (پیریٹی) کا فارمولا وضع کیا گیا جو عملاً دو ریاستوں کی اجازت دینے کے مترادف تھا اسی وجہ آ در مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے مسلم بنگال کے لیڈروں نے اسے تسلیم کر لیا اور عوامی لیگ نے اس کی سرپرستی کی اور اب سے بہت پہلے ۱۹۵۴ء ہی میں علیحدگی کے منصوبے کا کھلے عام آغاز کر دیا گیا۔"

پھر ارشاد گرامی ہوا کہ :-

"مشرقی حصے سے مستقبل میں ہمارے کیا تعلقات ہوں گے اس کو طے کرنا باقی ہے شیخ مجیب سے میری ملاقات نہیں ہو سکی اس لیے قومی اسمبلی کے اس اجلاس میں اس مسئلہ پر بحث نہیں ہو سکتی۔"

(ماخوذ از روزنامہ جسارت مورخہ ۷ اگست ۷۲ء)

Marfat.com

اب ذرا پریشان خیالی اور تضاد بیانی کی کچھ مثالیں ان کی اپنی تصنیف "عظیم المیہ" کے اقتباسات میں ملاحظہ فرمائیے۔

بھٹو صاحب نے صفحہ ۱۸ پر یوں خامہ فرسائی فرمائی ہے کہ۔

"صوبائی انتظامیہ نے عوامی لیگ کی مکمل حمایت کی اور انتخابات کے دوران عوامی لیگ کے کارکنوں کو مکمل آزادی دی گئی۔ اور انہوں نے اس کا پورا فائدہ اٹھایا"

[جیسا کہ خود بھٹو صاحب کے ارشاد کے مطابق مغربی پاکستان میں یحیٰی خاں صاحب نے اپنے محافظ جناب بھٹو کی اندرونی طور پر بھرپور حمایت کی اور فوج سے انہیں ووٹ دلائے یا فوج نے ہونے والے سویلین مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کو خود ووٹ دیئے۔]

اور صفحہ نمبر ۲۰ پر یہ ارشاد ہے کہ۔

"جب ایک غیر ملکی صحافی نے پوچھا کیا وہ علیحدگی چاہتے ہیں؟ تو ان کا جواب تھا "ابھی نہیں" اس کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کی پارٹی کیلئے میدان بالکل صاف تھا"

علیحدگی تو درحقیقت ایک متبادل صورت تھی انصاف کے نہ ملنے اور سازشیوں کے جال کی گرفت سے بچنے کی۔ ورنہ مشرقی پاکستان کے رہنما ایسے بے مغز اور کم عقل ہرگز نہ تھے کہ پورے ملک پر حکومت کرنے کے مستحق ہوتے ہوئے صرف مشرقی پاکستان ہی کے اقتدار پر اکتفا کرتے اور یہی بات مجیب الرحمٰن بہت سے جلسوں میں عوام کے سامنے بار بار دہراتے رہے ہیں اور مشرقی پاکستان کے علاوہ مغربی پاکستان میں سب باہوش سیاستدان اس حقیقت کو تسلیم کرتے رہے ہیں جس کا ثبوت پیر علی محمد راشدی کے اس مضمون میں موجود ہے جس کا حوالہ اس سے پہلے دیا جا چکا ہے۔

"عظیم المیہ" کے صفحہ ۲۲ پر اس طرح ارشادات فرمائے گئے ہیں کہ:۔

"عوامی لیگ نے مغربی پاکستان کی اکثر شکست خوردہ جماعتوں سے

Marfat.com

ملی بھگت کر کے پیپلز پارٹی کو نظر انداز کرنے کی ٹھانی۔عوامی لیگ نے اعلان کیا کہ ملک کی اکثریتی پارٹی ہونے کے باعث صرف وہ دستور بنانے اور ملک پر حکومت کرنے کی اہل ہے پیپلز پارٹی نے ملک کے جغرافیائی اور تاریخی عوامل اور عوام کی چیختی ہوئی اقتصادی پریشانیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا کہ ملک کی دونوں اکثریتی پارٹیوں کو مخلوط حکومت میں شامل ہو کر پاکستان میں ایک نیا نظام لانا چاہیے۔"

بالکل اسی صورت حال کو مسٹر بھٹو نے قیوم لیگ سے مل کر مغربی پاکستان میں جاری و ساری کر کے مجیب الرحمن صاحب کی شاگردانہ تقلید کو پسند فرما رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ انہیں مجیب الرحمن کا کردار بھی اپنے فکری آئینہ میں اسی قسم کا نظر آ رہا ہے۔

اور پھر صفحہ نمبر ۲۳ پر اس طرح ارشاد ہے۔

"لیکن شیخ مجیب الرحمن نے دوسرے ایوان کی تجویز اس کے اختیارات سے قطع نظر ہی مسترد کر دی اور یہ بھی نہ سوچا کہ دنیا میں کوئی وفاق بھی دوسرے ایوان کے بغیر نہیں ہے۔"

[کیا آپ اب ملک میں آئین کی عطا کردہ دیوانی "مقننہ" کو مسترد کر کے وہی غلطی دہرانے کا عزم فرما کر پھر ملک کو اور زیادہ تباہ کرنے کے درپے نہیں ہیں؟"]

بھٹو صاحب "عظیم المیہ" کے صفحہ ۲۹ پر ارشاد فرماتے ہیں۔

"ہم لوگ ان خطرناک حالات سے پوری طرح باخبر تھے لیکن ہمیں پوری ہوشیاری سے آگے بڑھنا تھا۔ ہم جب ڈھاکہ سے روانہ ہوتے تھے تو ہمارے ذہن میں مایوسی تھی۔ مگر امید نے ابھی ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ واپس آنے کے بعد ہم نے اپنے منتخب نمائندوں سے گفتگو کا ایک سلسلہ جاری رکھا۔ ہم نے مرکزی اور شمالی پنجاب کے پارٹی لیڈروں سے ۲ فروری کو لاہور میں ملاقات کی

Marfat.com

اور سیاسی صورت حال پر گفتگو کی ۹ فروری کو کراچی میں ہمارے سندھ کے رہنماؤں کی ایک میٹنگ ہوئی، ۱۰ فروری کو اس قسم کی ایک اور میٹنگ ہوئی۔ جس میں ملتان اور بہاول پور ڈویژن کے ہمارے لیڈر شریک ہوئے اس اثنا میں مغربی پاکستان کی چند دوسری سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں سے بھی ملاقات کی گئی۔"

نہایت ہوشیاری سے علاقائی نمائندوں سے علٰحدہ علٰحدہ باتیں کی گئیں جو علٰحدہ علٰحدہ قسم کی تھیں اس موقف میں بھٹو اور مجیب دونوں تدبر سے عاری تھے۔ جہاں مجیب نے غیر مدبرانہ بات یہ کی کہ انہوں نے دستور کا اعلان کر دیا وہاں بھٹو صاحب کی قطعاً غیر مدبرانہ بات یہ تھی کہ دستور یہ کے اجلاس سے پہلے سمجھوتہ کر کے مطمئن ہو جانا چاہتے تھے جبکہ جانتے تھے کہ کامل اکثریت والی پارٹی ایسے غیر حقیقت پسندانہ معاہدے اوّل تو کرتی ہی نہیں اور اگر کرتی ہے تو محض اسے توڑ دینے کی نیت سے کرتی ہے اور اس کا علاج اقلیت کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ مغربی پاکستان کو قائداعظم کا پاکستان کہہ کر نئی اسمبلی کے بچے کچے پر مشتمل اسمبلی بنا کر" اکثریتی پارٹی" بن جانے کے بعد اب بھٹو صاحب اپنے کیے ہوئے معاہدوں اور وعدوں کا جو حشر کر رہے ہیں وہ روز روشن کی طرح اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے۔

صفحہ ۳۱ پر مگرمچھ کے آنسو اس طرح بہائے گئے ہیں کہ:۔

"ملک میں رونما ہونے والے حالیہ واقعات سے مجھے گہرا صدمہ پہنچا ہے اس کشمکش کے دوران ہمارے ملک کے جن لوگوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ اس پر مجھے دلی رنج ہے میرا دل پسماندگان کے ساتھ ہے ہمیں پاکستان کے لیے ایک نیا طریقہ تلاش کرنا چاہیے۔ ایک ایسا طریقہ جس میں انسان کے ہاتھوں انسان اور ایک علاقہ کے ہاتھوں

Marfat.com

دوسرے علاقے کے استحصال کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ ہمیں مل کر ایک نئے نظام کو تلاش کرنا چاہیئے جو دستور کے علاوہ عوام کے دلوں کی دھڑکن بھی بن جائے۔ ہمیں انتہائی خطرناک اور سنگین صورت حال کا سامنا ہے ملک کا مستقبل خلا میں معلق ہے۔ ہم دونوں پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم ایسی کوشش کریں جس سے ملک کا مستقبل محفوظ رہے اور انتشار اور تباہی کے راستے بند ہو جائیں یہ ہمارا مشترکہ مقصد ہونا چاہیئے کہ پاکستان محفوظ رہے اور ملک کے دونوں حصے اپنا کردار ادا کرتے ہوئے امن اور خوشحالی کے راستے پر گامزن رہیں۔

موجودہ کشمکش نے میرے اندر یقین پیدا کر دیا ہے کہ ہم دونوں ایک مشترکہ مقصد پر پہنچ جائیں یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم اپنے ملک کو بچا سکتے ہیں۔ موجودہ صورت حال پر قابو پانے اور دونوں حصوں کے عوام کو ایک دوسرے سے قریب لانے کے لیے ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی ہوگی، ہمیں ہر ایسے طریقے پر عمل کرنا ہوگا جس سے گزشتہ ۲۳ سال کی تلخیاں اور غلط فہمیاں دور ہو جائیں ہماری ہر جدوجہد کا رخ پاکستان کے استحکام اور سالمیت کی طرف ہونا چاہیئے تاکہ اس ملک کے عوام ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے آگے بڑھ سکیں۔ میں بہت جلد دوبارہ ڈھاکہ آؤں گا اور موجودہ صورتحال کے خاتمے کے لیے آپ سے بات چیت کرونگا تاکہ اسمبلی آئین سازی کے فرائض ادا کر سکے۔ ہمیں عوام اور تاریخ کو یہ کہنے کا موقع نہ دینا چاہیئے کہ ہم مشترکہ مقاصد کی راہیں تلاش کرنے میں ناکام ہو گئے۔"

سوال یہ ہے کہ آپ کی ان یقین دہانیوں پر مجیب کیوں اعتبار کرتے جب کہ وہ آپ کے

Marfat.com

ذات کو خود اس سازشی گروہ کا ایک فرد سمجھتے تھے جو ہمیشہ سے ان کے سیاسی حقوق کے غاصب تھے ۔ اب جب کہ انہیں خلاف توقع غیر معمولی اکثریت حاصل ہو چکی تھی تو وہ آپ کی عظیم کوالیشن حکومت کی تجویز کو خواہ مخواہ غیر معقول اور غیر مستحق انداز میں کیوں قبول کرتے اور پھر موجودہ حالات کا ذمہ دار تو مجیب الرحمٰن صرف اور صرف آپکی ذات والا صفات ہی کو قرار دے رہے تھے ۔

صفحہ ۱۷۱ پر سیاست دانی کے بے مثال ثبوت کے طور پر یوں گوہر افشانی فرمائی گئی ہے کہ :-

"اس دن دوپہر کو میں نے کراچی میں ایک عوامی جلسے سے خطاب اور عوام کے سامنے اپنی پارٹی پوزیشن کی وضاحت کی ۔ میں نے کہا اقتدار دونوں اکثریتی پارٹیوں کو منتقل کیا جائے ۔ ہم سیاسی سمجھوتہ کے لیے تیار ہیں "

دو اکثریتی پارٹیوں کو اقتدار سپرد کرنے کی اس عجیب و غریب تجویز کا عوام نے خیر مقدم نہیں کیا بلکہ اسے علیحدگی کا مطالبہ سمجھ کر سخت ردعمل کا اظہار کیا جس نے بھٹو صاحب کو بوکھلا دیا اور پھر انہیں اس قسم کے مطالبہ کی کبھی کسی جلسہ عام اور کھلے عام اخبارات بیان میں جرأت نہ ہو سکی ۔ آج تک ان کا یہ ارشاد کہ " ادھر ہم ۔ اُدھر تم " ضرب المثل کے طور پر زبان زد عوام ہے ۔

اب صفحہ ۱۴۴ پر پھیلے ہوئے ارشادات ملاحظہ فرمائیے ۔

"ان تجاویز کی خاص باتیں یہ تھیں ۔ مارشل لاء فوری طور پر ہٹا لیا جائے گا مرکز میں اقتدار کی منتقلی کو عمل میں لائے بغیر پانچوں صوبوں میں اقتدار منتقل کر دیا جائے گا ۔ اس تجویز کے مطابق مرکز میں صدر انتظام سنبھال لیں گے ۔ اگر وہ مناسب سمجھیں گے تو منتخب عوامی نمائندوں میں سے اپنے لیے مشیر

Marfat.com

چن لیں گے یہ بھی تجویز پیش کی گئی کہ قومی اسمبلی کو دو کمیٹیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ایک مغربی پاکستان کے لیے جس میں مغربی پاکستان کے نمائندے شامل ہوں گے اور دوسری کمیٹی مشرقی پاکستان کے لیے ہوگی جس میں مشرق پاکستان کے منتخب نمائندے شامل ہوں گے مغربی پاکستان کی کمیٹی اسلام آباد میں اجلاس کرے گی جبکہ بنگلہ دیش کی کمیٹی اپنے اجلاس ڈھاکہ میں طلب کرے گی۔ یہ دونوں کمیٹیاں مقررہ وقت میں الگ الگ رپورٹیں تیار کریں گی اور اپنے سفارشات قومی اسمبلی کو پیش کریں گی یہ کام قومی اسمبلی کا ہوگا وہ دونوں کمیٹیوں کی رپورٹ پر بحث و مباحثہ اور گفتگو کرے اور ایسے ذرائع اور راستے تلاش کرے جس سے دو حصے مل کر رہ سکیں۔ عارضی انتظامات کے تحت ۱۹۶۲ء کے دستور میں ترمیم کی جائے۔ چھ نکات کی بنیاد پر مشرقی پاکستان کو خودمختاری دی جائے۔ نیز مغربی صوبوں کو ۱۹۶۲ء کے دستور کے مطابق بھی خودمختاری دی جائے۔ مغربی پاکستان کے صوبے صدر کی منظوری کے ساتھ اپنے لیے جو طریقہ کار مناسب سمجھیں اپنائیں اور پورا منصوبہ صدر کے اعلان کی شکل میں ظاہر کر دیا گیا۔ صدر یحییٰ نے مذکورہ تجویز بتانے کے بعد مجھے کہا کہ میں نے مجیب الرحمٰن پر واضح کر دیا ہے کہ یہ تجویز اسی صورت میں مانی جا سکتی ہے کہ بنیادی طور پر میں (بھٹو) اظہار رضامندی کر دوں نیز انہیں (صدر) اور تسلی ہو جائے گی اگر مغربی پاکستان کے باقی رہنماؤں کی بھی تائید حاصل ہو جائے۔ صدر نے مزید بتایا کہ ان کا ارادہ ہے کہ وہ تجویز کی حمایت کرنے والے لیڈروں سے تحریریں ان کا خیال تھا کہ یہ تحریریں ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے میں معاون ثابت ہوں گی۔"

معقول تجویز ــــ دو آئینی کمیٹیوں کا قیام نہ دو اسمبلیاں۔

Marfat.com

آگے چل کر صفحہ نمبر ۴۵ پر فرماتے ہیں کہ :-

"یہ تجویز بہت خوفناک تھی۔ میں نے ڈھاکہ پہنچنے کے بعد حالات کا رخ دیکھا مجھے اس کے جائزہ کے لیے تھوڑے سے بہت وقت کی ضرورت تھی ہوٹل پہنچنے پر میں نے ساتھیوں کے سامنے "دو آئینی کمیٹیوں" سے متعلق تجویز رکھی۔ انہوں نے اسکی مضمرات پر روشنی ڈالی ان کی رائے تھی کہ اسے قبول نہ کیا جائے۔ کیوں کہ اس کا مقصد دو پاکستان قائم کرنا ہے یہ سن کر مجھے ذرا سا سکون ملا کہ میرے ساتھیوں کی رائے وہی ہے جو میری ہے۔ یہ ہمارا تجزیہ تھا" (دو اکثریتی پارٹیاں تسلیم کرنے والے دو آئینی کمیٹیوں کو خطرناک کیوں سمجھ رہے تھے؟ باللعجب؟ باللعجب؟)

اب صفحہ ۴۷ بھی ملاحظہ فرما لیجئے :-

"ہمارا تجزیہ تھا کہ اتنا اہم مسئلہ نجی طور پر طے نہیں ہوگا اور نہ ہی اس سطح پر تحریریں اس کا حل نکال سکیں گی۔ اس کی منظوری کے لیے نئی اسمبلی کو عوام کا اعتماد حاصل کرنا پڑے گا۔ دریا اس سے زیادہ سیاسی رہنما اسمبلی کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو کہ آئینی اور قانونی اختیارات کی مالک ہے۔"

[اسمبلی سے باہر آئینی سمجھوتہ کرنے کی شرط لگانے والے اسمبلی سے باہر آئینی سمجھوتہ کو غیر آئینی قرار دے رہے ہیں خوب بہت خوب۔]

صفحہ ۴۷ پر :-

"جونہی ہم باہر نکلتے ہوئے ملٹری سیکریٹری کے کمرے میں پہنچے شیخ مجیب الرحمن نے وہاں بیٹھے ہوئے، جنرل محمد عمر، جنرل اسحاق صدر کے ملٹری سیکریٹری اور صدر کے تینوں اے۔ ڈی۔ سی سے کہا کہ وہ کمرے سے باہر چلے جائیں کیوں کہ انہوں نے مجھ سے کچھ بات کرنا ہے

Marfat.com

میں ان کی اس اچانک تبدیلی پر سٹپٹایا۔ انہوں نے میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور پھر مجھے سامنے بیٹھنے کے لیے کہا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ حالات بہت ابتر ہو چکے ہیں اور اس سے نمٹنے کے لیے انہیں میری مدد چاہیے۔ اس موقع پر میں محسوس ہوا کہ کہیں کمرے کی دیواروں کو کان نہ لگ جائیں۔ وہاں سے اٹھے اور برآمدے سے ہوتے ہوئے ایک جگہ پر بیٹھ گئے جو صدر کے سیلون کے عقب میں تھی۔

شیخ مجیب الرحمٰن نے وہی بات دہرائی جو انہوں نے صدر کے ملٹری سیکریٹری کے کمرے میں کہی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اب حالات اتنے بگڑ چکے ہیں کہ ان کو معمول پر نہیں لایا جا سکتا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں ان کی تجویز کو مان لوں، تب ہی معاملات سدھر سکتے ہیں۔ وہ زور دے رہے تھے کہ اس کے سوا کوئی متبادل راستہ نہیں وہ یہ بھی مان رہے تھے کہ مغربی پاکستان کی نمائندہ جماعت پاکستان پیپلز پارٹی ہے اور باقی مغربی پاکستانی رہنما وقت ضائع کر رہے ہیں۔ وہ بھی مان گئے کہ انہوں نے خان عبدالولی خان کے علاوہ باقی تمام رہنماؤں کو نظر انداز کر دیا ہے ان کا خیال تھا کہ خان عبدالولی خاں کی اتنی اہمیت ضروری ہے کہ وہ ایک صوبے کے نمائندہ جماعت کے رہنما ہیں وہ چاہتے تھے کہ ہم دونوں کا اتفاق ضروری ہے وہ یہاں تک کہہ گئے کہ میں مغربی پاکستان میں جو چاہوں گا اس کی مکمل حمایت کروں گا اس کے بدلے میں مشرقی پاکستان کے بارے میں عوامی لیگ کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے میں تعاون کیا جائے اس طرح مجھے مغربی پاکستان کا وزیر اعظم بننے کی ترغیب دی اور مشرقی پاکستان ان کے حوالے کرنے پر زور دیا۔ وہ بضد تھے کہ بحران کا خاتمہ اسی طرح ممکن ہے اور دوسرا کوئی راستہ نہیں۔ میرا جواب تھا کہ میں تاریخ کے مقابلے

Marfat.com

میں ملٹری کے ہاتھوں تباہ ہونا پسند کروں گا۔ اس کے باوجود وہ اصرار کرتے رہے کہ یہ دو آئینی کمیٹی کی تجاویز منظور کر لوں کیونکہ اس وقت اسمبلی کا اکائی کی صورت میں اجلاس ناممکن ہو چکا ہے اسے ملتوی ہونا پڑے گا۔ انکی یہ خواہش بھی تھی کہ میرے اور ان کے مابین ایک خفیہ ملاقات ہو۔ میں مسٹر مصطفیٰ کھر کو ہدایت کروں کہ وہ شیخ مجیب الرحمن سے رابطہ قائم رکھیں۔ اگلے روز وہ اپنے ایک آدمی کو میرے پاس بھیجیں گے تاکہ وہ مسٹر مصطفیٰ کھر کو ان کے گھر تک پہنچا دے۔

میں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ میں اسمبلی کے باہر کسی تحریر میں فریق نہیں بنوں گا۔ میں ایک فرد یا اپنی پارٹی کی جانب سے یہ ذمہ داری لینے کے لیے ہرگز تیار نہیں جب کہ عوام نے اپنے نمائندے منتخب کر لیے ہیں اور وہ بھی اپنا فرض ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ ان کا حق ہے مجیب نے یہ نکتہ سمجھنے میں تیزی دکھائی، فوراً بولے۔ "تم سچ کہتے ہو۔ میں بھی کوئی تحریر نہیں دوں گا لیکن پہلے تم انکار کرنا میں تمہاری تقلید کروں گا۔"
عجز وانکساری کے ساتھ مجیب الرحمن کی بھٹو صاحب سے آئینی کمیٹیوں کو تسلیم کرنے کی التجا تاکہ بے قابو حالات سے نمٹا جا سکے۔

صفحہ ۴۹ پر:-

"شیخ مجیب الرحمن سے بات کرنے کے بعد میں صدر یحییٰ کی طرف لوٹا، جو اپنے سیلون سے ہماری ملاقات کا منظر دیکھ چکے تھے۔ صدر نے حیرت سے کہا "تم دونوں نے ہنی مون منایا" میں نے انہیں بتایا کہ یہ تمام سیاست کا ایک حصہ ہے، میں نے صدر کو اپنی بات چیت کے ان حصوں سے آگاہ کیا جو بحران سے متعلق تھے، اور وہ باتیں سے

Marfat.com

نظر انداز کیں جو اعتماد میں لے کر ہوئی تھیں۔ میں نے صدر کو عوامی لیگ کے لیڈر کی تجویز پر اپنی رائے سے بھی ظاہر کر دی یا

بھٹو صاحب مجیب کی ملاقاتوں کا حال صدر سے اور صدر مجیب کی ملاقاتوں کا حال بھٹو سے بیان کر دیا کرتے تھے۔ گویا دونوں حضرات اس سیاسی کھیل میں جو درحقیقت آگ اور خون کا کھیل تھا "دو جسم ایک جان" تھے۔

صفحہ ۵۰ پر بھی ملاحظہ فرمایئے گا :-

"صوبائی حکومتوں کا قیام قانوناً پیچیدگیوں کے علاوہ دوسرے مسائل کو جنم دیتا ہے۔ مجیب الرحمن کا مسئلہ بھی یہی تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ مشرقی پاکستان پر قانونی اور حقیقی کنٹرول حاصل کر لیں اور پھر ایسی صورت میں مشرقی پاکستان کو علیحدہ ہونے سے نہیں روکا جا سکے گا۔ اس حالت میں مغربی حصے کے صوبے بھی آزادی کا اعلان کر سکتے تھے۔ دو آئینی کمیٹیوں سے دونوں حصوں کی تفریق کو تقویت پہنچتی قومی اسمبلی کی یہ تقسیم کہ اس کے بعد اکائی کی صورت میں اس کے اجلاس کی توقع نہ ہونا ملک کو تقسیم ہونے سے نہیں بچا سکتا تھا۔ ان اعتراضات اور وجوہ کی روشنی میں میں نے اس تجویز کو من وعن ماننے سے صاف انکار کر دیا"

صفحہ نمبر ۵۱ :-

"۲۳ مارچ کو یوم پاکستان تھا۔ ۳۱ سال پہلے اس تاریخ کو قرار داد لاہور منظور ہوئی تھی جس میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد اور خود مختار مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اکتیس ۳۱ سال بعد ہم اس خواب کا شیرازہ منتشر ہوتے دیکھنے والے تھے۔ اس عظیم تاریخ اور ملک میں اخوت کے جذبات کے مظاہروں کی بجائے ہم نے پاکستانیوں کو پاکستانیوں سے

Marfat.com

نفرت کرتے دیکھا۔ بھائی چارے کے بجائے کشیدگی بڑھ رہی تھی۔ سب سے تکلیف دہ وہ منظر تھا جس میں پہلی بار قومی پرچم کے بجائے ہر جگہ حتیٰ کہ سرکاری عمارتوں پر بنگلہ دیش کا پرچم لہراتا ہوا دکھائی دیا۔ اس روز ملیشیا اور بنگالی نوجوانوں کی پریڈ پاکستان کے بجائے بنگلہ دیش کی طاقت کی مظہر تھی جنہوں نے بنگلہ دیش کے لیے ہتھیار اٹھائے ہوئے تھے۔ شیخ مجیب الرحمان نے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر پر بنگلہ دیش کا پرچم لہرایا۔"

صفحہ ۱ تا صفحہ ۲):-

"شیخ مجیب الرحمٰن:- ان تمام باتوں کے باوجود شیخ مجیب الرحمٰن ناکام ہوگئے انہیں ناکامی کا سامنا کیوں کرنا پڑا جب کہ وہ طاقت کا مینار تھے؟ بے شک وہ پہلے مرحلے میں پاکستان کے وزیر بن سکتے تھے اور اپنی پارلیمانی اکثریت، سول انتظامیہ اور مسلح افواج پر اپنے موثر کنٹرول، علیحدگی پسند سیاست دانوں اور مغربی پاکستان کے موقع پرستوں کے تعاون اور بڑے بڑے تاجروں کی حمایت سے خود کو مستحکم کر کے دوسرے مرحلے میں اپنا مقصد حاصل کر سکتے تھے اور وہ مقصد تھا آزاد بنگلہ دیش لیکن شیخ مجیب الرحمٰن نے سنہری موقع کھو دیا حالات ان کے قابو میں تھے لیکن انہوں نے فائدہ نہیں اٹھایا ان کی غفلت سے تباہی آئی۔ ملک میں خون خرابہ ہوا اس کے عوام کی مشکلات، ہمارے عوام کی مشکلات تھیں۔ اس نے ان مصائب کو ختم کرنے کے بجائے ان میں اضافہ کیا۔ اگر یہ عمل احمقانہ نہیں تھا تو اس کے کچھ اسباب ضرور ہوں گے۔ یکم مارچ یعنی قومی اسمبلی کے التواء کے صدارتی اعلان سے پہلے شیخ مجیب الرحمٰن دو مرحلوں میں آئینی علیحدگی کے منصوبہ پر عمل پیرا تھے، کیونکہ مسلح افواج کے لیے ایک قانونی

Marfat.com

وزیر اعظم کو غدار قرار دینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہوتا، بلکہ اگر قومی اسمبلی چھ نکات پر مبنی دستور منظور کر لیتی تو صدر یحیٰ خاں کو اسے مسترد کرنے میں بہت دشواری پیش آتی۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے پہلے مرحلے میں پاکستان کا وزیر اعظم بننے کا منصوبہ بنایا تھا اور اپنی قوت کو مستحکم کر کے اپنا حقیقی مقصد دوسرے مرحلے میں حاصل کرنے کا منصوبہ تھا وہ ایسی صورت حالات پیدا کرنا چاہتے تھے جس سے پاکستان کے دونوں بازوؤں کی علیحدگی دستوری اور قانونی ذرائع سے ہو سکتی لیکن یکم مارچ کو یہ منصوبہ بالکل الٹ ہو گیا جب اسمبلی کا اجلاس ملتوی کیا گیا تو مجیب الرحمٰن کو خطرہ محسوس ہوا کہ راز کھل جائے گا اس لیے انہوں نے مرکزی حکومت کے خلاف بغاوت کا راستہ منتخب کیا۔

اگر قومی اسمبلی کے اجلاس سے پہلے شیخ مجیب الرحمٰن کوئی سمجھوتہ کر لیتے تو ان کے اکثر مطالبات پورے ہو جاتے، لیکن وہ اپنے مطالبات کو منوانے سے پیشتر دوسرے مرحلوں کے مقاصد کا حصول چاہتے تھے انہیں خطرہ تھا کہ پاکستان کا وزیر اعظم بننے اور چھ نکات کو منوانے کے باوجود قانونی علیحدگی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اس وجہ سے انہوں نے اسمبلی کے اجلاس سے پہلے کوئی سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن اسمبلی کے اجلاس کے التوا کے بعد بھی اپنے کئی مطالبات منظور کرا سکتے تھے لیکن انہوں نے یہ تجویز مسترد کر دی کہ مطالبات قومی اسمبلی کے ذریعے پورے کیے جائیں۔ یہ تجویز اس لیے مسترد کر دی گئی کہ حالات نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ بغیر تاخیر کے مطابق علیحدگی کا اعلانیہ مطالبہ کریں۔ صورت حال پارلیمانی مرحلے سے دور ہو چکی تھی اور یہ ضروری ہو گیا تھا کہ

Marfat.com

قومی اسمبلی کو نظر انداز کر کے طاقت کے ذریعے مشرقی پاکستان پر قبضہ کیا جائے۔
کس چیز نے مجیب الرحمٰن کو غلط اندازے لگانے پر مجبور کیا۔
اسے پردۂ ظہور پر لانے کے لیے ایک وقت درکار ہوگا۔ ممکن ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار ہو گئے ہوں اور اپنے آپ پر قابو نہ پا سکے ہوں، بعض لوگ اسے انتہا پسندوں کا دباؤ اور اثر و رسوخ قرار دیتے ہیں۔ اس سوال کے جواب کے لیے اس کے کردار اور شخصیت کا بغور جائزہ لینا ہوگا اس کی خواہشات اور تعصبات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ اس کے ماضی، گھریلو زندگی، عادات اور رجحانات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اس کے مزاج اور تعلیم کا تجزیہ کرنا ہوگا سیاسی رہنما کی حیثیت سے اسکی اہلیت تجربے اور طریقۂ کار کا بغور مطالعہ درکار ہوگا۔ وہ متضاد کیفیات کی مرکب شخصیت ہیں اس لیے ان کا مطالعہ بھی اتنا ہی متضاد نوعیت کا ہوگا۔

شیخ مجیب الرحمان پرکشش شخصیت کے مالک ہیں اور بآسانی دوسروں کو متاثر کر لیتے ہیں وہ مفکر ہیں اور نہ موجد لیکن نہایت حاضر دماغ ہیں اور کسی بھی نکتہ اور مسئلہ کو فوراً سمجھ لیتے ہیں وہ دلیرانہ اقدامات اٹھاتے ہیں۔ بحیثیت طالب علم رہنما شیخ مجیب الرحمٰن تحریک پاکستان سے وابستہ تھے ہندوؤں کی حاکمیت اور استحصال کے خاتمہ کے لیے کی جانے والی مسلم جدوجہد سے خاصے متاثر تھے۔ تئیس سال کے بعد انہوں نے بنگلہ دیش کی آزادی کا علم بلند کر دیا اور اس مرتبہ وہ اس استحصال کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے جسے وہ پنجابی استحصال کا نام دیتے تھے۔ پہلے وہ برطانوی محکومی سے آزادی حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن اس مرتبہ اس غلامی سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے

Marfat.com

جسے "مغربی پاکستان کی محکومی" کہتے تھے۔ وہ تحریک پاکستان سے وابستہ تھے لیکن ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ نظریۂ پاکستان کے پابند رہیں۔ تاریخ ایسے آدمیوں کے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ پہلے انہوں نے ایک نظریہ کے لیے کام کیا اور پھر اس سے غداری کی۔ پاکستان کے ابتدائی برسوں میں مجیب الرحمٰن نوجوان تھے اور صف اوّل کے سیاستدانوں میں شمار نہیں ہوتے تھے۔ وہ مسلم لیگ کے کارکن تھے۔ مہاجرین کی آبادکاری اور اس سے ملتے جلتے کام ان کے ذمے دیئے جانے ۱۹۴۸ء کے لسانی تنازعہ اور بنگالی کو قومی زبان کا درجہ دلانے میں انہوں نے نمایاں کردار ادا کیا جب قائداعظم نے ڈھاکہ کے کرزن ہال میں قومی زبان کے مسئلہ پر تقریر کی تو مجیب الرحمٰن نے ہال کے باہر مظاہرے میں حصہ لیا۔ اس موقعہ پر انہیں گرفتار کیا گیا پاکستان کے قیام کے ایک سال کے اندر شیخ مجیب الرحمٰن کی یہ پہلی گرفتاری تھی۔

۱۹۴۹ء میں مجیب الرحمٰن ابھرتے ہوئے سیاست دان تھے وہ مسلم لیگ کو چھوڑ کر عوامی مسلم لیگ جسے بعد میں عوامی لیگ کا نام دیا گیا میں شامل ہو گئے اور اس تنظیم کو منظم کرنے میں مدد کرنے لگے اس جماعت کے بانی حسین شہید سہروردی تھے۔ کلکتہ سے پاکستان آنے کے چند ماہ بعد ۱۹۴۹ء میں انہوں نے یہ جماعت بنائی۔ یہ جماعت تین بڑے عناصر پر مشتمل تھی ایک تو دونوں بازوؤں کے وہ سیاست دان جو مسلم لیگی حکومت کے مخالف تھے دوسرا گروپ سوشلسٹوں کا تھا جن کے قائد مولانا بھاشانی تھے جن کو مشرقی بازو میں جماعت کا صدر بنایا گیا اور تیسرا گروہ ان طلباء کا تھا جنہوں نے لسانی تنازعہ میں نمایاں حصہ لیا۔ ان طلباء کو ہندوؤں

Marfat.com

کی حمایت حاصل تھی ۱۹۵۰ء میں مشرقی پاکستان کے علماء نے ایک قومی کنونشن بلایا جس میں دستوری انتظامات کے سلسلے میں کچھ مطالبات پیش کیے گئے یہ مطالبات یوں تو چھ نکات سے بڑی حد تک ملتے جلتے تھے جو عوامی لیگ نے کئی برسوں کے بعد اپنائے دسمبر ۱۹۵۲ء میں لاہور میں عوامی لیگ کا منشور تیار کیا گیا جس میں کوئی خاص صوبائی تعصب نہیں تھا۔ اس منشور میں تین مرکزی آئینی نکات تھے کہ سربراہ مملکت کا انتخاب براہ راست رائے شماری سے ہو، بنیادی حقوق دیئے جائیں اور عدلیہ آزاد ہو۔

عوامی لیگ اور کرشک سرامک پارٹی نے مشرقی پاکستان میں ۱۹۵۴ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے خلاف متحدہ محاذ بنایا۔ متحدہ محاذ کا ۲۱ نکاتی پروگرام خاصا متاثر کن تھا اور اس میں علاقائی خود مختاری کا مطالبہ بھی شامل تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے متحدہ محاذ میں نہایت سرگرمی سے کام کیا۔ متحدہ محاذ نے مشرقی پاکستان میں بھاری اکثریت سے انتخاب جیت لیا لیکن اس فتح و کامرانی کی عمر نہایت مختصر تھی۔ بہرحال جناب سہروردی کی قیادت میں شیخ مجیب الرحمٰن اور دیگر بارہ عوامی لیگی دوسری دستور ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن حزب اختلاف کے سرگرم رکن اور پرجوش مقرر تھے اس زمانے کی تقریروں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وہم میں مبتلا ہوئے جا رہے تھے۔ وہ بنگال کی حاکمیت کے حق میں بولتے اور نہایت تیز و تند لہجے میں اپنے عوام کے استحصال کا ذکر کرتے وہ مغربی پاکستان اور خاص کر پنجاب سے اپنی نفرت کا اظہار کرتے تھے۔

Marfat.com

عوامی لیگ نے ۱۹۵۶ء کا آئین خاموشی سے مان لیا اور ستمبر ۱۹۵۶ء میں مرکز اور مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کی حکومت قائم ہوئی مسٹر سہروردی وزیر اعظم بنے اور مشرقی پاکستان میں وزیر اعلیٰ مسٹر عطاء الرحمٰن خاں مقرر ہوئے۔ شیخ مجیب الرحمٰن صوبائی حکومت میں وزیر صنعت و تجارت بنے لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد ہی مسٹر سہروردی نے وزیر اعلیٰ سے اختلاف کی وجہ سے انہیں برطرف کر دیا۔

اس عرصہ میں پارٹی میں دو نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ پارٹی کے ایسٹ پاکستان کونسل میں "مسلم" کا لفظ خارج کر دیا گیا اور ۱۹۵۵ء میں اس جماعت کو عوامی لیگ کا نام دیا گیا۔ اس سے پارٹی کی ہندوؤں میں مقبولیت پہلے سے زیادہ ہونے لگی۔ اس کے نتیجے میں مغربی پاکستان کے بعض اہم رہنماؤں نے پارٹی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ۱۹۵۷ء میں مولانا بھاشانی اور ان کے بائیں بازو کے ساتھیوں نے عوامی لیگ کو چھوڑ دیا اور اپنی جماعت نیشنل عوامی پارٹی بنا لی۔ دو گروپوں کے اخراج کی وجہ سے نوجوان قوم پرست جنہیں ہندوؤں کی حمایت حاصل تھی مضبوط ہو گئے۔ نوجوانوں کو تجربہ نہ تھا کہ ہندوؤں نے بنگال کا کتنا استحصال کیا ہے برصغیر میں یہ خطہ ہی زیادہ تر ہندوؤں کی لوٹ کھسوٹ کا مرکز بنا رہا۔ نوجوانوں نے اس کے بجائے مغربی پاکستان کو استحصالی گردانا۔ اس گروپ اور ان کے حامیوں نے اس پارٹی میں علیحدگی پسندوں کا مضبوط ترین گروہ تیار کر لیا جس کی قیادت شیخ مجیب الرحمٰن کر رہے تھے۔

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں ایوب خاں نے مارشل لاء کے نفاذ کا اعلان کیا اور ۱۹۶۲ء تک سیاسی سرگرمیوں کی اجازت نہ دی۔ مارشل لاء کے

Marfat.com

تھوڑی دیر بعد شیخ مجیب الرحمٰن کو چند سالوں کے لیے جیل میں بند کر دیا گیا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت نظر بندی کی اس مدت کے دوران توجہ کا مرکز بنی۔ جب وہ رہا ہوئے تو مایوس تھے۔ لہٰذا انہوں نے سیاست میں تین سال تک خاموش کردار ادا کیا اور بڑے موقع کے انتظار میں رہے۔

۱۹۶۳ء میں شیخ مجیب الرحمان کی سیاسی اہمیت بہت کم تھی درحقیقت تفضل حسین جنہیں مانک میاں کہا جاتا ہے اپنے روز نامے اتفاق کی وجہ سے زیادہ اثر ورسوخ والے سمجھے جاتے تھے مانک میاں، جو مسٹر سہروردی کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن کے نگراں بنے ایوب خاں کی حکومت کے لیے خاص پریشانی کا باعث بنے، صوبائی حکومت شیخ مجیب الرحمٰن کی سرگرمیوں سے کبھی اثر انداز نہیں ہوئی۔

میری شیخ مجیب الرحمٰن سے ۱۹۶۳ء میں رہائی کے بعد ڈھاکہ میں ملاقات ہوئی۔ اس سے پہلے ان سے ۱۹۵۵ء میں کراچی مسٹر سہروردی شہید کے مکان پر مل چکا تھا۔ میں نے انہیں شاہ باغ ہوٹل کی لابی میں دیکھا تھا اور ان سے فرمائش کی تھی کہ وہ میرے ساتھ چائے پئیں۔ ہم نے سنجیدگی سے سیاسی امور پر بات کی کیونکہ وہ کہہ چکے تھے کہ انہوں نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے انہوں نے مسٹر ذاکر حسین سے اپنی دشمنی کا بھی تذکرہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس وقت کے گورنر مشرقی پاکستان مسٹر ذاکر حسین نے ایوب خاں سے کہہ کر انہیں گرفتار کرایا تھا۔ میں نے مجیب الرحمٰن سے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے پائے کا آدمی سیاست چھوڑ دے۔ اس پر انہوں نے ذرا تلخ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "ایوب کی جیل نے گرمی نکال دی ہے یار" اگرچہ وہ سیاست سے علیحدگی کا اعتراف کر رہے تھے

Marfat.com

لیکن ان کی باتوں سے ٹپکتا تھا کہ وہ سیاست میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ اس وقت تنہائی کا شکار تھے۔ جیسا کہ وہ مارشل لاء کے دوران سیاست کی بھول بھلیوں میں کھو چکے ہیں۔

۱۹۶۴ء کے آخر میں صدارتی انتخابات کے دوران مجیب الرحمٰن ان مشرقی پاکستانیوں میں سے تھے جنہوں نے مس فاطمہ جناح کی حمایت کی۔ مس جناح نے انہیں کوئی خاص اہمیت نہ دی بلکہ بعض موقعوں پر ان کے غیر ذمہ دارانہ بیانات پر برہم ہوئیں دوسرے مشرقی پاکستانیوں کے ساتھ انہوں نے مس جناح کی الیکشن مہم میں بھرپور حصہ لیا، اس کے باوجود وہ تمام مل کر اپنے امیدواروں کو مشرقی پاکستان میں اکثریتی ووٹ نہ دلوا سکے۔ یہ درست ہے کہ وہ انتخابات بنیادی جمہوریت کے تحت ہوئے لیکن دسمبر ۱۹۷۰ء میں شیخ مجیب الرحمٰن نے کیسے پالا مار لیا۔ جنگ ۱۹۶۵ء کے دوران گورنر مشرقی پاکستان مسٹر منعم خاں نے مقامی لیڈروں کو طلب کیا کہ وہ اپنی حمایت کا اعلان کریں۔ جنگ کے بعد مسٹر منعم خاں نے صدر ایوب کو اپنی رپورٹ میں لکھا کہ مجیب الرحمٰن نے اس ملاقات کے دوران انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ بنگال کی آزادی کا اعلان کر کے نو آزاد مملکت کے صدر بن جائیں اور مغربی پاکستان سے علیحدگی اختیار کر لیں لیکن یہ بات وہیں ختم ہو گئی۔"

بھٹو صاحب اپنی کتاب عظیم المیہ کے صفحہ ۳۷ پر یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"مجیب الرحمٰن کو جیل سے فروری ۱۹۶۹ء میں رہا کیا گیا۔ لیکن یہ رہائی ان کی پارٹی یا ان کی اپنی جانب سے کسی تحریک کے چلانے سے عمل میں نہیں آئی بلکہ یہ اس تحریک کے دوران رہا ہوئے جو میں نے

Marfat.com

ستمبر ۱۹۶۸ء میں ایوب خاں کی حکومت کے خلاف مغربی پاکستان میں چلائی تھی"
پھر صفحہ ۹۹ پر ارشاد ہوتا ہے کہ :-

"شیخ مجیب الرحمٰن نے بعض فاش غلطیاں کی ہیں انہوں نے غلط فیصلے کیئے۔ مغربی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کو نظرانداز کر کے ان رہنماؤں سے جوڑ توڑ میں لگے رہے جنہیں عوام نے مسترد کر دیا اور ٹھکرائے جا چکے ہیں۔ انہوں نے فوجی طاقت کا غلط اندازہ لگایا اور اس کے رجحانات کے بارے میں غلط فہمی کا شکار رہے انہوں نے جب نافرمانی کی تحریک شروع کی تو مسلح افواج کے ردعمل سے بے خبر رہے وہ خوش فہمی میں رہے کہ انہوں نے افواج کو ناکارہ کر دیا اور حالات صرف انہی کے محتاج ہیں وہ یقین کر چکے تھے کہ اسمبلی میں اکثریت کے بل بوتے پر اپنی خواہشات سیاسی دباؤ سے پوری کر لیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ منزل سے بہت آگے نکل گئے۔"

شیخ مجیب الرحمٰن نے کوئی غلطی نہیں کی۔ وہ ہر بات کا ٹھیک اندازہ کر رہے تھے اور ہر خطرہ کے لیے تیار تھے تیس لاکھ بنگالیوں کی قربانی دینے کا عزم اس صورت میں انہوں نے کر رکھا تھا کہ اگر سازشی گروہ فوجی کاروائی کی نوبت لے آئے اسی لیے انہوں نے اپنے ساتھیوں کو آئندہ کا پروگرام چاک آؤٹ کر کے دے دیا تھا۔ وہ اپنی جان کی قربانی اور اپنے اہل و عیال کی تباہی پر آمادگی کا اعلان کر چکے تھے۔ وہ ہر قیمت پر اس سازشی گروہ سے نجات چاہتے تھے۔

آگے چل کر صفحہ نمبر ۸۰ پر بھٹو صاحب عظیم المیہ میں فرماتے ہیں :-

"میں نے جنوری ۱۹۷۱ء میں شیخ مجیب الرحمٰن کو سمجھنے کی بہت کوشش کی اور اب میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں انہیں اچھی طرح سے پہچان گیا ہوں وہ میرے ساتھ نرم رویہ برتتے۔ وہ ان سوالات پر خوب بولتے اور دلائل سے

Marfat.com

کام لیتے جن کی انہوں نے تیاری کی ہوئی تھی لیکن ایسی باتیں جن کے لیے وہ پہلے سے تیار ہو کر نہیں آتے ، کاٹ دیتے ۔ بین الاقوامی امور پر انہیں سرسری عبور تھا اور بعض بنیادی باتوں سے کنارہ اختیار کر لیتے ۔ میری یہ رائے غلط ہو سکتی ہے لیکن میں بغض سے کام نہیں لے رہا جب وہ جیل میں تھے تو میں ان کے اہل خاندان سے ملنے متعدد بار گیا اور اگرتلہ سازش کیس کے دوران عدالت میں ان سے ملاقات کی۔"

مجیب الرحمن سے یہ ملاقاتیں اسی لیے ہوئیں کہ لوگ یہ سمجھ سکیں کہ آپ کو مجیب سے بغض اور دشمنی نہیں ہے اور عوام کو آپ اس ظاہری ہمدردی سے دھوکہ میں مبتلا رکھے ہوئے تھے ۔ آپ کی قماش کے خام کار سیاست کار ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

"۱۹۶۶ء میں وزیر خارجہ کی حیثیت سے میری ان سے ملاقات ہوئی اور میں نے انہیں انتباہ کیا کہ وہ تخریبی عمل سے گریز کریں اس وقت میں نے انہیں چھ نکات پر بحث کرنے کی دعوت بھی دی تھی تاکہ ملک خلفشار سے بچ جائے اور کوئی تصفیہ ہو جائے ۔ میں پہلا مغربی پاکستانی سیاستدان تھا جس نے مباحثے کے ذریعے چھ نکات کے تصفیہ کے لیے مناسب وقت پر بات کی تھی ۔ میں نے قوم کو اس خطرے سے بھی آگاہ کر دیا تھا کہ ایسا نہ ہوا تو چھ نکات کسی وقت پاکستان کے حلق کی ہڈی بن جائیں گے ۔ میری خواہش تھی کہ شیخ مجیب الرحمن چھ نکات پر سمجھوتہ کر کے متحدہ پاکستان کے وزیر اعظم بن جائیں لیکن قسمت نے ان کا ساتھ نہ دیا۔"

اور پھر یہ چھ نکات آپ کو نصف نکتہ کی نفی کر کے اس شرط پر منظور تھے کہ آپ ملک کے صدر اور مجیب وزیر اعظم ہو جاتے ۔

Marfat.com

آگے چل کر جناب بھٹو صاحب نے مزید فرمایا کہ :-

" میرے شیخ مجیب الرحمان سے اختلافات اقتدار کے لیے نہ تھے تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے میں نے اسے تسلیم کیا ہے کہ بنگال کو پاکستان میں اس کا مقام ملنا چاہیئے انتخابات میں شیخ مجیب الرحمٰن اکثریتی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے ابھرے تھے سو انہیں ہی وزیر اعظم بننا تھا میں نے عام انتخابات کے نتائج کے فوری بعد انہیں مبارک باد دی۔ اور اس کے بعد کو ٹڑی (سندھ) میں ایک تقریر کے دوران ان سیاستدانوں کو خبردار کیا جو ہمارے درمیان اختلافات پیدا کرنا چاہتے تھے اس پر میرے مخالفین نے شور مچایا کہ میں وزیر اعظم بننا چاہتا ہوں حالانکہ ملک کی اکثریتی پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے شیخ مجیب الرحمٰن ملک کے وزیر اعظم ہوں گے انہوں نے الزام لگایا کہ میں کوشش کر رہا ہوں اسکیمیں بنا رہا ہوں کہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔ میرے عمل نے ثابت کر دیا کہ یہ سب غلط تھے عوام جان گئے ہیں کہ میں نے پاکستان کے اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے کتنی جدوجہد کی ہے عام انتخابات کے بعد جب یہ تجویز میرے سامنے پیش کی گئی تو میں نے ایک غیر ملکی اخبار نویس کو اپنا ردعمل دے دیا تھا اس نے رپورٹ بھیجی تھی مسٹر بھٹو نے یہ تجویز یکسر مسترد کر دی ہے میرا پاکستان پر پختہ یقین ہے اور میرے ذہن میں اس قسم کا خیال تک نہیں آ سکتا۔"

آپ سب کچھ کرنے کو تیار تھے بشرطیکہ آپ کو صدر بنا دیا جائے تاکہ آپ کا اور آپ کے بیشتر استادوں کا تحفظ ہو سکے یا پھر آپ غلام محمد کی طرح ملک کو جمہوریت سے دوبارہ محروم کر دیں۔

پھر صفحہ ۸۰ پر اس طرح ارشاد فرمایا کہ :-

Marfat.com

"وہ اس وقت بھی جب شیخ مجیب الرحمٰن نے دو کمیٹیوں کی تجویز پیش کی تھی اس کے ذریعے پیپلز پارٹی کو مغربی پاکستان میں مکمل اقتدار مل جاتا۔ میرے اور مجیب الرحمٰن کے اختلافات اصولوں کی بنیاد پر ہوئے یہ ایک ایسے تنازع پر تھے جس کی رو سے مجیب آزاد بنگال کے لیے جدوجہد کر رہے تھے اور میں ایک پاکستان کے لیے مصروف عمل تھا ان کے نزدیک چھ نکات عوام کی ملکیت بن چکے ہیں اور میں پاکستان کو عوام کی ملکیت منوانے پر تلا ہوا تھا یہی ہمارے درمیان تنازع تھا اور اسی پر ہم متصادم ہو گئے۔ خدا کی نظر ہر عمل پر ہے اور تاریخ سچ کا ساتھ دیتی ہے تاریخ اپنا فیصلہ دینے سے پہلے آج کے واقعات کا تجزیہ کرے گی۔ اگر تاریخ نے یہ فیصلہ دیا کہ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن اور عوامی لیگ کی قیادت میں علیحدگی کی تحریک چلی تو یہ بات فیصلہ کن ہو گی۔ اگر مستقبل یہ فیصلہ دیتا ہے کہ چھ نکات علیحدگی کا مطالبہ نہیں تھے بلکہ وہ ایک پاکستان کی حدود میں صوبائی خود مختاری کے عکاس تھے تو یہ مختلف فیصلہ ہو گا۔ ہمارے اقدامات کی غلطی یا راستی، قومی مفادات کو فوقیت دینے یا ذاتی مقاصد کے حصول کا فیصلہ اس کی روشنی میں ہی ہو سکے گا۔"

کیونکہ آپ جانتے تھے کہ یا تو پیپلز پارٹی کا ملک کے اقتدار میں حصہ ہو گا یا پھر ملک ہی نہیں رہے گا اور جو رہے گا اس میں "ہم ادھر۔ تم ادھر" ہوں گے اور تم ہماری گردنیں نہیں دبوچ سکو گے۔ یہی ہمارا مدعا ہے خواہ کچھ ہو جائے ہماری گردنیں محفوظ رہنی چاہئیں۔ اس کے باوجود آپ نے ساڑھے پانچ نکات کو تسلیم کر کے ملک سے ½ ۹۹ فیصد دھوکہ کیا تھا اور ملک کو تباہ کرنے میں ½ ۹۹ فیصد آپ مجیب کے ہم خیال تھے۔ اگر آپ اپنے معاملہ میں مخلص تھے تو بے حد نادان اور کج فہم اور تدبر کے اعتبار سے ناتجربہ کار تھے۔

Marfat.com

صفحہ ۷۹ پر :-

"جہاں تک میرا تعلق ہے مجھے یاد ہے کہ عام انتخابات سے پندرہ ماہ پہلے صدر کے پرنسپل اسٹاف آفیسر لیفٹیننٹ جنرل پیرزادہ نے مجھ سے براہ راست پوچھا تھا، مجیب کے عزائم کیا ہیں میں نے بلا جھجک کہہ دیا تھا "علیحدگی" میں نے الیکشن کے بعد بھی کوشش کی کہ ایک پاکستان کی حدود میں سیاسی تصفیہ ہو جائے۔ مجھے علم تھا کہ ایسا نہ ہوا تو خون بہے گا اور قتل عام ہوگا۔"

آپ نے یقیناً اسی قسم کے مشورے یحییٰ کو بھی دیے کیونکہ آپ نے اس کے سوا چارہ کار ہی نہ چھوڑا تھا کہ یا تو مجیب کے ساتھ پورا مشرقی پاکستان آپ کی غلامی الیکشن میں اکثریت حاصل کر کے بھی اختیار کرے یا پھر ظاہر ہے کہ آپ سے نجات کی راہ پر چلے۔

پھر صفحہ ۸۰ پر :-

"پاکستان پیپلز پارٹی پر ان واقعات کے بعد متعدد غلط الزامات عائد کیے گئے ہیں ایک دن ۱۹۷۱ء کے المیہ کی گرد بیٹھ جائے گی۔ الیکشن میں پاکستان پیپلز پارٹی کے ہاتھوں مغربی پاکستان میں شکست خوردہ سیاستدانوں کو بھی اپنے اصل مقام کا پتہ چل جائے گا اور فروری اور مارچ میں عوامی لیگ نے ہمارے خلاف جو مہم شروع کی تھی، وہ بھی اپنے انجام کو پہنچ جائے گی تب اس بحران کو حل کرنے کے سلسلے میں پاکستان پیپلز پارٹی کا کردار واضح ہو جائے گا۔ یہ تسلیم کر لیا جائے گا کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے سیاسی تصفیے کے لیے انتھک محنت سے کام کیا۔ اس شفاف عکس میں پیپلز پارٹی کے ناقدین یقیناً اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہوں گے۔ میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان دو بڑے الزامات پر واضح کر دوں جو ہماری پارٹی پر عائد کیے جا رہے ہیں ان کی صفائی میں پہلے بھی بہت کچھ بیان کر دیا گیا ہے تاہم اب مختصراً یہ ہے۔

پہلا الزام یہ ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن چھ نکات پر اسمبلی میں سمجھوتہ کو لیتے۔ پیپلز پارٹی نے ۱۵ فروری کے اجلاس میں شرکت سے انکار کر کے غلطی کی۔ میں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نے اجلاس میں شرکت سے انکار نہیں کیا۔ بعض لوگوں نے ہم پر یہ بھی الزام غلط لگایا کہ ہم بائیکاٹ کر رہے تھے ۱۵ فروری کو کیا ہوا۔ ہم نے صرف عوامی لیگ سے یقین دہانی مانگی تھی کہ وہ چھ نکات پر بات کرنے پر آمادگی کا اظہار کرے۔ لیکن شیخ مجیب الرحمٰن نے کسی قسم کی یقین دہانی سے صاف انکار کر دیا۔ جنوری میں ڈھاکہ کے قیام کے دوران عوامی لیگیوں سے پوچھا بھی گیا کہ آیا چھ نکات کے بارے میں ان کا مؤقف سیاسی ہے اور اس پر اسمبلی میں بات چیت ہو سکے گی۔ تو انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں کہہ دیا کہ ہمیں اس سلسلہ میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے، چھ نکات پر کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ اس کے پیش نظر یہ الزام بے معنی ہو جاتا ہے کہ اجلاس ملتوی نہ ہوتا تو چھ نکات پر اسمبلی میں سمجھوتہ ہو جاتا۔ انہوں نے بحران اور تعطل کو ختم کرنے کے سلسلے میں ہر معقول تجویز کو مسترد کر دیا۔ وہ ضد سے کام لیتے رہے اور غیر مصالحانہ رویے پر قائم رہے وہ جس قدر اقتدار کے قریب گئے۔ اتنا ہی غیر مصالحانہ رویہ برتا۔ انتخابات سے پہلے کہتے تھے کہ چھ نکات بائیبل نہیں اور انتخابات کے بعد انہیں عوام کی ملکیت قرار دے کر اس مؤقف پر ڈٹ گئے کہ ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ان حالات میں کون تھا جو اعتماد کرتا کہ اسمبلی میں واضح اکثریت کی صورت میں وہ کیا نہیں کرتے۔ شاید الزام لگانے والے بھول جاتے ہیں کہ میں نے متبادل تجویز پیش کی تھی کہ ۱۲۰ دن کی پابندی ختم کر دی جائے تاکہ مسودہ آئین پر سیر حاصل بحث ہو سکے۔ یہ متبادل تجویز منظور

Marfat.com

نہیں کی گئی۔ ہر موقع پر سمجھوتے کی ہر کوشش میں رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں ؛؛
اگرچہ کہ ۲، ۱۰ور ۱، ۱ رکے المیہ کی گرد بیٹھ چکی ہے اور بالکل شفاف عکس سامنے ہے، بھٹو صاحب بتائیں کہ چھ نکات اگر منظور ہو جاتے تو اس سے زیادہ کیا ہو جاتا جو ہو چکا ہے۔ کیا ایسی صورت میں جب کہ چھ نکات سے علیحدگی ہوتی تو وہ تعلق باہمی طور پر قائم نہ رہتا کہ جس کی بھٹو صاحب آج آرزو کر رہے ہیں اور بپھرے ہوئے بنگالی ان سے بات تک کرنا گوارا نہیں کرتے۔

مشکل یہ ہے کہ بھٹو صاحب کو اپنی کم عمری اور سیاسی ناتجربہ کاری کی بنا پر اس کا علم ہی نہیں تھا کہ مجیب الرحمن اور بنگال ان سے اور تمام سازشی گروہ سے ۲۵ سالہ تجربہ اعتماد کی بنا پر قطعی مایوس ہو چکے ہیں اور مایوس بھائیوں کے ساتھ آپ کی مشروط باتیں اور زبردستی اقتدار پر قبضہ کی چالاکی کی پالیسی نے انہیں روز بروز سخت اور اپنے ذریعۂ نجات مؤقف پر ڈٹ جانے کے سوا چارہ نہ چھوڑا۔

آپ محض مفروضہ کی بنا پر اعتماد نہیں کرتے تھے تو وہ حقائق اور گذشتہ شواہد اور آپ کے بیشتر استادوں کے اعلانات کی روشنی میں آپ پر کس طرح بھروسہ اور اعتماد کر سکتے تھے۔

آپ کو ساڑھے پانچ نکات قبول تھے صرف آدھے نکتہ کی قیمت میں ملک میں جمہوریت، لاکھوں انسانوں کی جانوں، قوم کی بدنامی اور شکست و ناکامی کے داغ کی شرمساری اور تاریخ میں مسلمانوں کی شاندار روایات سب ہی کی ادائیگی کر دی گئی۔

آپ کے دلائل کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ پھیکے پڑ چکے ہیں۔ حالات کے شواہد کا مشاہدہ کافی ہے۔ ملک کا اب کیا بنا اور آپ اب کس قسم کے تعلقات کی طرف دوڑ رہے ہیں جو اب آپ کے ہاتھ نہیں آتے ۔۔۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب حالات نے آج بتا دیا کہ آپ کے تمام قرائن اور اندازے غلط اور تدبر کے

Marfat.com

نقدان پر مبنی تھے۔

صفحہ ۸۴ پر :-

"سب سے بڑھ کر یہ کہ مضبوط مرکز کے بارے میں غیر ذمہ دارانہ بیانات سے استحصال اور جبر مراد لی جائے گی۔ اس طرح مشرقی پاکستانیوں کو ان کے جائز اور پیدائشی حقوق سے محروم نہیں رکھا جا سکتا"

جب کہ اقتدار آپ کے پاس ہے آپ کی پارٹی، آپ کے وزراء اور آپ کا خود کیا یہی موقف نہیں ہے۔

یہ ہیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

"اگر سارے پاکستان میں جمہوری نظام بحال نہیں کیا جا سکتا تو کم از کم ان علاقوں میں ضرور بحال کیا جائے جہاں ممکن ہے مفاد پرست عناصر کے ایجنٹ اور سیاسی پارٹیاں جنہیں عام انتخابات میں شکست ہوئی، وہ ہر طرح عوام کے منتخب نمائندوں کو انتقال اقتدار کی مخالفت کر رہی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر مغربی پاکستان کے صوبوں میں منتخب عوامی نمائندوں کو اقتدار منتقل کر دیا گیا اور مشرقی پاکستان میں نہ کیا گیا تو اس سے صورت حال اور سنگین ہو گی اور مشرقی پاکستان میں نوآبادیاتی دور کے الزام کو تقویت پہنچے گی"

اسی قسم کی امتیازی حرکتوں اور یک طرفہ اقتداری حقوق کا حصول ہی مشرقی پاکستان کو مایوسی اور عدم اعتماد کے اس مقام تک لے آیا ہے جہاں وہ آج ہے اور اب بھی آپ اسی پر عمل پیرا ہونے پر بضد ہیں۔ پھر ان سے آپ کے آئندہ تعلقات کسی نوعیت کے بھی کیوں ہوں؟ جب کہ وہ بڑی قربانیاں دے کر آزاد ہوئے ہیں۔ اب تو یہ تعلقات عام سفارتی انداز ہی کے ہو سکتے ہیں اور اب یہی ایک بات ممکن رہ گئی ہے۔

مشرقی پاکستان کی ایک سیاسی جماعت بلکہ اس پارٹی کے مٹھی بھر

Marfat.com

افراد کے گناہوں کی سزا پورا ملک اور تمام صوبے کیوں بھگتیں۔

صفحہ ۸۶ :-

"مشرقی پاکستان میں کامیابی صحیح معنوں میں صوبائی خود مختاری اور استحصال کے خاتمے کے بعد ہی ہو سکتی ہے جلد یا بدیر یہ کرنا پڑیگا۔ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں گزرا ہوا وقت واپس نہیں آتا۔ سرمائے کی مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان اور پھر غیر ممالک میں منتقلی بند کرنی پڑے گی۔"

"لیکن میرے لیے اپنے بنیادی عقائد میں تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس ملک میں رہنمائی کا فقدان ہے سیاسی انتشار نے معاملات کو نازک بنا کر رکھ دیا ہے۔" (صفحہ ۸۸)

اس صورت حال سے آپ نے پورا فائدہ اٹھایا۔ اب آپ کو اس حقیقت کا اقرار ہے کہ مشرقی پاکستان کو جلد یا بدیر صوبائی خود مختاری دینے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ پورے چھ نکات پر آمادگی لیکن اب جبکہ ملک تباہ ہو گیا۔ خوب بہت خوب۔ لیکن آپ کے بنیادی عقائد آپ کی آٹھ سالہ آمر کی رفاقت سے ظاہر ہیں۔ باقی سیاسی زندگی تو آپ کی اس سے نصف عرصہ کی ہے اس حال سے آپ نے پورا فائدہ اٹھایا ہے۔

صفحہ ۹۲ پر آخری فیصلہ یا ٹیپ کا بند ملاحظہ فرما لیجئے :-

"مشرقی پاکستان پاکستان کا اٹوٹ انگ ہے ہمارے عوام کی اکثریت مشرقی پاکستان میں رہتی ہے انہوں نے پاکستان کے قیام کی جنگ لڑی اور اس میں فتح حاصل کی۔ اب مشرقی پاکستان کے عوام انصاف کے طلب گار ہیں"

Marfat.com

وہی انصاف جس کے متمنی مغربی پاکستان کے عوام بھی ہیں۔ عوام نے پاکستان کے قیام کے لیے اس لیے جنگ نہیں لڑی تھی اور اس لیے قربانیاں نہیں دی تھیں کہ غیر معینہ مدت تک ان جنرلوں کی جفا حکمرانی کرے۔ مٹھی بھر سرمایہ دار ان کا بے رحمانہ استحصال کریں۔ بیورو کریسی انہیں کچلے اور گشتی فوجی عدالتیں کے حکم پر انہیں کوڑے لگا کر اطاعت کروائی جائے۔ اور نہ پاکستان کے غریب عوام نے ۲۲ برس سسک سسک کر ایسے گزارے کہ پاکستان اس نوبت کو پہنچ جائے۔ عوام اب وہی پاکستان طلب کرتے ہیں جس کے لیے انہوں نے جدوجہد کی، قربانیاں دیں، مصیبتیں سہیں۔ جس میں وہ اپنی تقدیر کے خود مالک ہوں۔ استحصال کی ہر شکل سے آزاد ہوں جس میں ان کے بچوں کو رہائش کی سہولتیں ہوں اچھی خوراک میسر ہو معقول لباس اور مناسب تعلیم مل سکے۔ کیا ۲۲ برس گزرنے کے بعد یہ مطالبات بہت زیادہ ہیں جب کہ اس سے زیادہ کی دستور اور قانونی حکومت میں ضمانت دی گئی تھی اور اس کا بانیٔ پاکستان نے اُن سے عہد بھی کیا تھا۔ صرف ایک نئے نظام اور ایک نئی قیادت کے ذریعے ہی عوام کی تمناؤں اور امنگوں کی پاسداری ہو سکتی ہے اب وہ غیر معینہ عرصہ تک انتظار نہیں کریں گے۔ پہلے ایک طویل عرصہ تک ان سے غداری کی گئی ہے یا تو رجعت پرست طاقتیں عوام سے غداری اور پاکستان کی تباہی میں مصروف رہیں گی یا منتخب رہنما سلسلے اگر عوام کی آواز پر لبیک کہیں گے۔ اس ظلم ایسے کو ختم کریں گے اور پاکستان کو بچائیں گے۔"

Marfat.com

جناب بھٹو کی تضاد بیانی اور تضاد خیالی کی ان مثالوں میں جو اوپر بیان کی گئی ہیں سب سے زیادہ دلچسپ ۱۹۴۰ء کی قرارداد لاہور کے متعلق ان کے اظہار خیال کی مثال ہے۔ درحقیقت ۱۹۴۰ء کا زمانہ بھٹو صاحب کے لیے پرانے زمانے کی بات ہے کیونکہ ان کیلئے وہ زمانہ اگر پنگوڑہ میں ہمک ہمک کر دودھ مانگنے اور سبک سبک رونے کا نہیں تو پرائمری اسکول کے بچوں کے ساتھ گیند بلّے سے شوق فرمانے کا زمانہ تھا۔ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں پاس ہونے والی قرارداد لاہور، پاکستان کے متعلق قائداعظم کی تقریروں اور بیانات کے اقتباسات انہوں نے کتابوں میں پڑھے ہیں اور ظاہر ہے کہ کتاب صرف خبر کی متحمل ہوتی ہے۔ کتاب حالات کا عکس تھوڑا بہت پیش کرتی ہے لیکن ماحول و کوائف کا مشاہدہ نہیں کرا سکتی۔

شیخ مجیب الرحمٰن کا کردار

اب "عظیم المیہ" کے عظیم کردار جناب شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کے قول و فعل اور موقف و مطمع نظر کا بھی ہلکا سا جائزہ لینا ضروری ہے۔ جہاں تک شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کے موقف کا تعلق ہے کوئی شخص بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس میں انہوں نے کوئی تبدیلی یا فرق پیدا کیا ہو۔ شیخ مجیب نے چھ نکاتی پروگرام کے سلسلہ میں جو موقف شروع سے اختیار کیا تھا اس میں انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ البتہ اس قدر ضرور ہوا کہ انہوں نے چھ نکات میں تبدیلی کے امکان کو شروع شروع میں کبھی رد نہیں کیا اور اپنی پرائیوٹ ملاقاتوں میں اپنے جماعتی ساتھیوں اور دوستوں سے برابر یہ کہتے رہے کہ چھ نکات کوئی آسمانی صحیفہ یا بائبل نہیں ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہ ہو سکے اور یہ بات بھٹو صاحب نے بھی عظیم المیہ کے صفحہ ۳۷ پر تحریری طور پر تسلیم کی ہے لیکن پاکستان کے غبی الذہن، اکند طبع اور بے تدبیر لیڈروں نے جن میں "اسلام پسند"

شیخ مجیب الرحمٰن صاحب۔ پاکستان کے منتخب وزیر اعظم جنہیں اقتدار سے محروم رکھا گیا
بالآخر بنگلہ دیش کے پہلے وزیر اعظم اور پہلے صدر مملکت بن گئے۔

Marfat.com

اور لادینی دونوں گروہ شامل ہیں اُن سے کسی سمجھوتہ کے لیے کوئی گفتگو کرنا گوارہ نہیں کی حالانکہ وہ برابر چھ نکاتی پروگرام کو قبول کرنے کے سلسلہ میں گفت وشنید کی دعوت دیتے رہے بھٹو صاحب نے بھی اس پروگرام پر انہیں عام جلسوں میں مباحثوں اور مناظروں کے چیلنج پر چیلنج دیئے لیکن مصالحانہ گفتگو کی کوئی پیشکش کبھی نہیں کی۔ راقم الحروف کے اس دعوے کی تردید میں آج تک کوئی ٹھوس شہادت پیش نہیں کی جا سکی۔

پھر جب شیخ صاحب نے اس پروگرام کو انتخابات کے منشور کا حصہ بنادیا اور اس پر اپنے عوام کو ووٹ دینے کے لیے آمادہ کرنے کی جدوجہد کے دوران یہ اعلانات کھلم کھلا بار بار کیے کہ موجودہ انتخابات "چھ نکاتی پروگرام پر عوامی ریفرنڈم" کی حیثیت رکھتے ہیں، اس وقت بھی کسی مغربی پاکستانی رہنما کو ان سے ان نکات پر کوئی سمجھوتہ کرنے یا مفاہمانہ گفت وشنید کرنے کی توفیق نہ ہوئی کیونکہ سیاسی بصیرت کے فقدان اور غلط اندازوں نے انہیں اس گمراہی میں مبتلا کر رکھا تھا کہ عوامی لیگ کو کبھی بھی اسمبلی میں اکثریت حاصل نہیں ہوسکتی اور انتخابات کے بعد حکومت کی تشکیل کے وقت اسے اس کے اس پروگرام میں اپنی حیثیت میں تبدیلی کرنے پر مغربی پاکستان کے سیاستدان مجبور کر سکتے ہیں۔

اس غلط مفروضہ کا ذہنوں میں قیام اس خام خیالی اور ناپختہ سیاسی تجربہ کا مرہون منت تھا جو مغربی پاکستان کے تقریباً تمام سیاستدانوں کا طرۂ امتیاز تھا اور ہے۔ چنانچہ جب مجیب الرحمن چھ نکاتی پروگرام پر غالب اکثریت کے ساتھ انتخابات جیت گئے تو پھر چھ نکاتی پروگرام پر مصالحت اور سمجھوتہ کی کوششیں شروع ہوئیں لیکن اب وقت گذر چکا تھا۔ درحقیقت "چھ نکاتی پروگرام" اب عوامی لیگ کے ہاتھوں تک محدود نہ تھا بلکہ تقریباً تمام مشرقی پاکستانی عوام اس پروگرام پر انتخابی ریفرنڈم میں اپنا فیصلہ دے کر اسے اپنی ملکیت بنا چکے تھے۔ اور قریب قریب تمام ہی سوشلسٹ جماعتوں

Marfat.com

نے اس پروگرام کی تائید اس طرح کی تھی کہ انتخابی میدان میں عوامی لیگ کو کھلا موقع دے کر بہت بڑی حد تک اسکی معاون و مددگار ہوگئی تھیں یہ ایک قسم کا چھ نکاتی غیر رسمی سیاسی اتحاد تھا یہ بات ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتی جو اصولی سیاست کی ابجد سے بھی باخبر نہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو "سیاست کی سائنس کا عالم" سمجھتے ہیں اور اپنی رائے ہر صبح اور ہر شام تبدیل کرنے ہی کو سیاست کا کلید گردانتے ہیں اور یہ کہہ کر کہ "سیاست میں کوئی چیز حتمی اور آخری نہیں ہوتی" سیاست کے اس لازمی اصول کو اپنی تلون مزاجی کے جواز میں مسخ کرکے آئے دن پلٹیاں الٹے لے کر قلا بازیاں کھا کھا کر اپنے عوام کو گمراہ کرتے رہتے ہیں لیکن شیخ مجیب الرحمٰن کا معاملہ بالکل دوسرا تھا۔ اس نے "سیاست" ایک سیاست کے مرد میدان کے زیر تربیت رہ کر صحبت کے فیضان سے سیکھی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اب "چھ نکاتی پروگرام" اگر ساڑھے پانچ نکات میں تبدیل ہوگا تو وہ عوام کی مرضی سے ہوگا اور اس کے لیے ایک اور ریفرنڈم کی ضرورت تھی۔ مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے سیاستدانوں کی اصولی سیاست کے کردار میں نمایاں فرق تھا جس کو صرف ایک مثال سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے اور وہ مثال یہ ہے کہ مجیب الرحمٰن جو اپنی بے مثال مقبولیت کے زور پر "بنگلہ بندھو" کا خطاب اپنے عوام سے حاصل کر چکے تھے، جب فروری ۱۹۶۹ء میں جیل سے رہا ہو کر "گول میز کانفرنس" میں جنرل ایوب خاں کی دعوت پر اسلام آباد کے لیے ڈھاکہ سے روانہ ہوئے تو انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا جو انہیں رخصت کرنے کے لیے ڈھاکہ ایئرپورٹ پر جمع تھا۔ لوگوں نے ہاروں اور پھولوں سے مجیب الرحمٰن کو لاد دیا تھا اس موقع پر اس ہر دل عزیز اور محبوب رہنما کو ہار پہناتے ہوئے طالب علم لیڈر محمد طفیل نے جو الفاظ کہے وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گے محمد طفیل اور مقبول احمد نے مجیب کے گلے میں ہار ڈالتے ہوئے کہا۔

"بنگلہ بندھو! عوام نے آپ کو بنگلہ بندھو بنایا ہے اگر آپ نے عوام کی امنگوں کے خلاف ذرا سی بھی حرکت کی تو یاد رکھیے یہ پھولوں کے ہار جوتوں کے ہاروں میں بھی تبدیل

ہو سکتے ہیں"۔ اس کے برعکس مغربی پاکستان کے نام نہاد "قائد عوام" اگر غلط سلط اعلان کریں یعنی یہاں تک کہہ دیں کہ میاں صاحب (محمود علی قصوری کے زانوں پر یا شانہ پر ہاتھ مار کر) اگر کوئی ڈھاکہ اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی جرات کرے گا تو اس کے پاؤں توڑ دیئے جائینگے، تو ان کے ساتھیوں کا جواب ہوتا تھا "حاضر سائیں" دونوں ٹانگیں حاضر ہیں جب دل چاہے توڑ ڈالیئے (کیوں کہ ہم تو اقتدار کی قسمت پر بکے ہوئے غلام ہیں) خادم حاضر ہیں۔

بہ بیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا ؟ ع

اور پھر اس فرق کو عملی طور پر دنیا نے اس وقت دیکھ لیا کہ جب اسی مجیب نے اپنے سیاسی موقف میں تھوڑی سی تبدیلی کی یعنی پارلیمانی نظام حکومت کو صدارتی طرز حکومت میں تبدیل کر کے "خدمت سے زیادہ حکومت" کو مقصد سمجھا تو اسی گروہ نے جن کا وہ "باپ" اور "بنگلہ بندھو" بنا ہوا تھا، اپنے اس محبوب رہنما کے جسم کو گولیوں کی بوچھاڑ سے چھلنی کر ڈالا بلکہ اس کے پورے خاندان کو ملیا میٹ کر کے رکھدیا ماسوائے ان چند افراد جن کو قدرت نے بچا لیا تھا۔ کوئی نہ بچ سکا۔ اس کے برعکس مغربی پاکستان کے سیاسی سورماؤں نے یہ کردار پیش کیا کہ جب ان کے "قائد عوام" کو پھانسی دی گئی تو عورتوں کی طرح سینہ کوبی کے سوا اور کچھ ظہور میں نہ آیا (اضافی نوٹ:۔ اس کتاب کی کتابت کے وقت ۷ اگست ۸۳ء کو جتوئی صاحب سابق وزیر اعلیٰ سندھ نے اپنے ایک بیان میں اپنے قائد عوام کی پالیسیوں کی بارہ سال بعد مخالفت کی ہے)

اس لیئے چھ نکات میں سے ساڑھے پانچ نکتوں کا تسلیم کر لینا بے مقصد اور فضول بات تھی۔ اور مجیب الرحمن صاحب کے بس سے قطعی باہر تھی۔ کیونکہ مجیب الرحمن خوب جانتے تھے اور انہوں نے بار بار اس کا اعلان بھی کیا تھا کہ ان نکات کو تسلیم کرانا آسان نہیں ہے۔ اس کے لیے بھرپور قربانیاں دینا پڑیں گی یہاں تک کہ انہیں تیس لاکھ بنگالیوں کی جانیں اور خود اپنی زندگی بھی داؤ پر لگانی ہو گی (اس موقع پر راقم الحروف یہ بات قطعی طور

Marfat.com

پر واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہے کہ پاکستان میں کوئی Negotiator یعنی گفت و شنید کرنے والا۔ اس پایہ کا موجود نہیں ہے کہ جو گفت و شنید میں اپنی چابکدستی کے زور سے شیخ مجیب الرحمٰن کو ان کے اصولوں اور طے شدہ اصولی موقف سے ہٹانے یا اس میں ادنیٰ سے ادنیٰ تبدیلی کرنے میں کامیاب ہو سکے کیونکہ خود ان کے سیاسی استاد اور رہنما عالی جناب سید حسین شہید سہروردی نے اس کا متعدد بار اظہار کیا ہے اور کئی بار کئی موقعوں پر شیخ مجیب الرحمٰن صاحب کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے کہ "مجیب الرحمٰن Un Controlable man ہے یعنی مجیب الرحمٰن کسی کے قابو میں آنے والا آدمی نہیں ہے۔ ہم بڑی مشکل سے اس پر قابو پانے میں کامیاب ہوتے ہیں" ایسی صورت میں بھٹو صاحب یا کسی اور کے لیے متذکرہ الصدر حالات میں یہ قطعی ممکن نہ تھا کہ وہ انہیں ان کے چھ نکاتی پروگرام کے آدھے نکتہ کی تبدیلی کرنے پر آمادہ کر سکتا اور وہ عملی طور پر ایسا کر گزرے۔ شیخ مجیب الرحمٰن کا یہ عمل مغربی پاکستان کے لیے غداری ہو یا وفاداری لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ "بنگلہ دیش" کے قیام کی بنیاد ہے۔ شیخ صاحب کے نزدیک یہ قربانیاں ان سے جبر و تشدد اور ظلم و جور کے ذریعہ لی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس تباہی کے لیے جو مشرقی پاکستان اور اس کے نتیجہ میں پورے ملک پر نازل ہوئی، اس سازشی گروہ کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں جو ہمیشہ سے اس ملک میں سازشوں کے ذریعہ برسر اقتدار رہا ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے صدر محترم کا اس حل کی تلاش میں کہ "آئندہ پاکستان سے بنگلہ دیش کے تعلقات کیا ہوں" مجیب الرحمان صاحب سے ملاقات کی خواہش کرنا تحصیل لاحاصل کے مترادف ہے کیونکہ شیخ مجیب کے نزدیک اس المیہ کے ذمہ داروں میں سب سے بڑے ذمہ دار خود مسٹر بھٹو ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اگر مقدر مسٹر بھٹو کو صدر پاکستان بنانے کی جگہ ڈاکٹر مالک کی طرح مجیب الرحمٰن صاحب کے قبضہ میں دیتا تو وہ اس "عظیم المیہ"

Marfat.com

ہی کے لیے نہیں بلکہ اور کئی الیوں کی ذمہ داری کے لیے بھی مسٹر بھٹو کو مجرم قرار دیتے اور ان پر مقدمہ چلانے میں کوئی کوتاہی نہ کرتے۔ پھر بھلا ایسی صورت میں کیسے ممکن ہے کہ مجیب الرحمٰن صاحب مسٹر بھٹو سے بنگلہ دیش کو تسلیم کرائے بغیر ملاقات کرنا پسند کرلیں گے۔

پاکستان اور بنگلہ دیش کے آئندہ تعلقات کا مسئلہ کئی دوسرے مسائل کے حل پر منحصر ہے

ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے بعد سب سے پہلے جس مسئلہ پر پاکستان اور بنگلہ دیش کے تعلقات کا انحصار اور اس کے حل پر دارومدار رکھا جائے گا وہ پاکستان کے مقبوضات و مملوکات منقولہ وغیر منقولہ میں بنگلہ دیش کے حصہ کی تقسیم کا مسئلہ اور اس کے ذیل کے لاتعداد مسائل پر مبنی ہوگا اور جس کے حل ہونے پر ان باتوں کا حل تلاش کیا جائے گا جس میں جنگی قیدی اور جنگی جرائم کے نام نہاد مقدمات شامل ہیں۔

جس صورت حال میں اس وقت پاکستان پھنسا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اگر بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا جائے تو اسے وہ تمام مطالبات تسلیم کرنے کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے جو اس آزاد مملکت بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوں گے اور اگر بنگلہ دیش کو جو اب درحقیقت قائم ہو چکا ہے تسلیم نہ کیا جائے تو نہ صرف جنگی قیدیوں کی واپسی ممکن نہیں بلکہ ان جنگی مجرموں کے خلاف مقدمات کا ملتوی کرانا یا منسوخ کرانا بھی قطعی طور پر ناممکن ہے جن پر مجیب الرحمٰن مقدمات چلا کر اس کے نتیجہ میں کچھ اور متوقع نئے گل کھلانے والے اور کچھ اور رازہائے دروں سے پردہ اٹھانے والے ہیں۔ اس کا نتیجہ لازمی طور پر برصغیر ہندو پاک میں

Marfat.com

امن کی تباہی کی صورت میں نکلنے کے امکانات بے حد قوی ہیں اور وہ جنگ جس کے ہند و پاک متحمل نہیں ہو سکتے طوعًا و کرہًا سر پر منڈلاتی رہے گی۔

ان تباہ کن حالات کا نقشہ سامنے ہوتے ہوئے کون شخص ہے جو اس امر پر زور بیان صرف کرنے کو درست قرار دے سکتا ہے کہ "آئندہ پاکستان اور بنگلہ دیش کے تعلقات کیا ہوں گے"۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ پاکستان اور بنگلہ دیش اس مخمصہ سے اس وقت تک چھٹکارہ حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ ان میں "چین اور جاپان" کے حالیہ سمجھوتہ کی طرح سمجھوتہ پر آمادہ ہونے والی شخصیتیں ابھر کر سامنے نہ آجائیں جس طرح جاپان کے وزیر اعظم مسٹر تناکا نے اپنے ملک کی طرف سے چین پر روا رکھی جانے والی سفاکی، ظلم و جبر و جارحیت کا اعتراف کرنے کے بعد اپنے ملک کی طرف سے شرمندگی اور ندامت کا اظہار کر کے ان زخموں کو مندمل کر دیا جو چین کے جسم پر داغ داغ تھے جس کے جواب میں چینی وزیر اعظم مسٹر چو۔این لائی نے کمال فراخ دلی سے وہ تمام حقوق معاف کر دیئے جنہیں وصول کرنے کا انہیں حق تھا اور جس کا وہ برابر مطالبہ کرتے رہے تھے بالکل اسطرح پاکستان اور بنگلہ دیش کے تعلقات بہتر ہو سکتے ہیں۔

لیکن یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ یہ سمجھوتہ کب ہوا۔

جب مسٹر تناکا برسر اقتدار آئے جو جاپان کی سفاکی اور ظالمانہ رویہ پر شرمندہ ہونے کا حوصلہ رکھتے تھے اور علی الاعلان اس حوصلہ کا مظاہرہ کرنے کی ہمت بھی ان میں موجود تھی جبکہ درحقیقت مسٹر تناکا ذاتی طور پر اس ظلم و جبر سے منسلک بھی نہ تھے۔

اسی طرح جب تک پاکستان میں کوئی ایسی شخصیت برسر اقتدار نہ آئے جو اس عظیم المیہ سے کسی طرح ملوث نہ ہو اور اس میں ان تمام ناانصافیوں اور ظالمانہ سازشوں کا کھلم کھلا اقرار کر کے تلافی مافات کا حوصلہ بھی موجود ہو "بنگلہ دیش اور پاکستان" کو ان تباہ کن حالات کی دلدل سے نکالنا تقریبًا ناممکن ہے۔ ایسے حالات میں یہ سوچنا بھی نادانی ہے کہ "پاکستان اور بنگلہ دیش کے آئندہ تعلقات کیا ہوں گے"

راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ یہ مسئلہ صرف ایک ہی صورت میں زیر غور لایا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ پاکستان کے تمام سیاستدان بلا تخصیص اور ان تمام جماعتوں جنہوں نے یحییٰ خاں سے ساز باز کر کے مشرقی پاکستان کے ضمنی انتخابات میں حصہ لیا تھا، کے نمائندے، تمام وزراء اور صدارتی کابینہ کے دوسرے عہدہ دار مع صدر مملکت اپنے عہدوں سے نہ صرف مستعفی ہو جائیں بلکہ ملک کی سالمیت اور بقا کی خاطر ملکی معاملات سے رضاکارانہ طور پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دست بردار ہو کر گوشہ عافیت اختیار کر لیں اور کھلم کھلا اپنی ناکامی اور نامرادی کا اعلان کر دیں۔

بادی النظر میں یہ بات ممکن نظر نہیں آتی کیونکہ خلوص کا فقدان ہے، ذاتی خواہشات اور خود غرضی کا دور ہے، ملک و قوم کی محبت اور ملک و ملت کی خدمت پر سیاسی زندگی استوار نہیں اور دین کے لیے قربانیاں دینے کے رجحانات تو تقریباً معدوم ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہو تو پھر ایسی تطہیر کی تازہ مثال فلپائن میں کئی لاکھ سرکاری ملازموں کی تطہیر سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

میں واضح طور پر اور واشگاف الفاظ میں یہ بات کہتے ہوئے کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ متذکرۃ الصدر صورت کے بغیر ملک کے دونوں حصوں کی یکجہتی اور آئندہ الحاق کی باتیں کرنا یا تو بچکانہ تفکر کہلایا جائے گا یا پھر یہ باتیں ان سوچ و فکر کو زیب دیتی ہیں جو جنرل، کرنل، فیلڈ مارشل اور ایئر مارشل تو تھے مگر سیاستداں کبھی نہ تھے اور نہ کبھی اچھے سیاستدان ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ سیاسی میدان کے کسی استاد کے زیر تربیت دو دن بھی کام کرنے کا تجربہ نہیں رکھتے اور ماضی کے سرکاری اثر و رسوخ کی بنیاد پر رسیدہ ہو قوم کے سر پر چڑھ بیٹھے ہیں۔ درحقیقت ملک کو ایسے لوگوں کی ہوس اقتدار ہی نے اس حال کو پہنچایا ہے۔

یہ پاکستان کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے کہ اس ملک کے قیام کے فوراً ہی بعد

Marfat.com

ملک کے بیوروکریٹس اور فوجی خدمات پر مامور بڑے بڑے جرنل اور کرنل اپنے فرائض منصبی ادا کرنے سے زیادہ حصول اقتدار کی سازش میں مصروف ہو گئے (راولپنڈی سازش کیس نے جسکی تھوڑی سی نشاندہی کی تھی) غلام محمد، اسکندر مرزا، چوہدری محمد علی جیسے لوگوں کو سروس سے نکل کر سیاست میں بہت آسانی سے داخل ہوتے دیکھ کر ان کے پیچھے آنے والوں کے منہ میں پانی بھر آنا اور تصور میں ملک کے وزیراعظم کی حسین کرسی کا ابھر آنا قدرتی امر تھا۔ محض اسی وجہ سے دنیا کے تمام ممالک کی نسبت پاکستان میں سیاست بیرونی مداخلت کیلئے سب سے زیادہ موزوں رہی ہے۔ بیوروکریٹس اور فوجی جنرل ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے اس سرکاری اثرورسوخ کو جو انہیں بیرونی ممالک کے ڈپلومیٹس تک پہنچانے کا ذریعہ تھا خوب دل بھر کر استعمال کرنے اور خود بیرونی ڈپلومیسی کا شکار ہو کر اپنے ذریعہ ملکی سیاست میں بیرونی مداخلت کو کامیابی سے محسوس اور غیر محسوس طور پر ہمکنار کرنے میں بھرپور طور پر استعمال ہوتے رہے۔

ابھی یہ سلسلہ جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک خدا کسی ایسے مرد میدان کو میدان میں نہ لے آئے جو پاکستان کے ریٹائرڈ سول سرونٹس اور ریٹائرڈ فوجی جرنیلوں، فیلڈ مارشلوں، ایئر مارشلوں اور اسی قبیل کے دوسرے مخصوص شعبوں میں تجربہ رکھنے والے افراد کا داخلہ سیاسی میدان میں قطعی بند کر کے ان کی خداداد صلاحیتوں اور برسوں کے تجربوں سے جو انہیں مختلف شعبوں میں خدمات انجام دیتے رہنے کی بنا پر حاصل ہوئے اور جن کا وہ مظہر ہوتے ہیں، ملک و قوم کو پورا پورا استفادہ حاصل کرنے کے لیے وہ میدان مہیا نہ کر دے جس میں وہ اپنے ذوق خدمت کی تسکین حاصل کر سکیں تاکہ ان کے بعد آنے والوں کو بھول کر بھی سیاسی تالاب کو گندہ کرنے کا خیال کبھی نہ آ سکے۔

Marfat.com

کتاب "صُورِ اسرافیل" پیش کرنے پر مُبارکباد

ہم دستخط کنندگان ذیل

حلقہ علوی القادری کو اس کے اس کارنامے پر جو اس نے "صُورِ اسرافیل" جیسی بلند پایہ مذہبی کتاب پیش کرکے انجام دیا ہے دِلی مُبارکباد پیش کرتے ہیں اور آئندہ ہر سال اس قسم کی مطبوعات پیش کرتے رہنے کی توفیق کیلئے بارگاہ خداوندی میں دست بہ دُعا ہیں۔

هم هیں اُمتِ محمدی کے لئے قرآنی فیضان کے متمنی

محمد یٰسین
اے ون ڈیکوریشن سروس
کچھی میمن سوسائٹی سراج الدولہ روڈ کراچی

حامد علی بھوجانی
بھوجانی ٹریولز لمیٹڈ
۳۳ موتی داس بلڈنگ ایم اے جناح روڈ کراچی

جناب محمد اقبال میر اور جناب محمد جاوید میر

پریسٹیج اینڈ ورٹائزنگ لمیٹڈ
۹۔ کراچی چیمبرز حسرت موہانی روڈ کراچی

Marfat.com

حلقہ علومیہ کی دینی مطبوعات

صورِ اسرافیل

بعنوان

۱۔ علم من الکتاب

۲۔ انقلاب مصطفےٰ و نظام مرتضیٰ

۳۔ اسلام کا نظام اطاعت و سیاست

ملنے کا پتہ

وجاہت حسین صدیقی علوی القادری، ۱۴/۳۲ ۔ گلشن کوارٹرز جہانگیر روڈ ۲ کراچی ۵

Marfat.com

Marfat.com

ہمارا پیغام - دنیا کے نام

پہلا اپنی ذات پر - پھر کائنات پر

ناشر

حلقۂ علویہ

Marfat.com